گلدستۂ عقیدت

تحقیق و تدوین و ترتیب
ڈاکٹر منظور نقی رضوی

معاونین: سید باقر رضوی، سید صغیر عابد رضوی

مٹ نہیں سکتا کبھی مخمورؔ غم عباسؑ کا
نقش سجدہ بن چکا ہے ہر قدم عباسؑ کا
گر جہاں والوں میں دیکھیں گے عقیدت کی کمی
ہو کے ہندو ہم اٹھائیں گے علم عباسؑ کا

(مخمور لکھنوی)

ناشر

ادارۂ پیام امن

نیوجرسی، یو ایس اے

ادارۂ پیام امن

Message of Peace Inc.

P.O. Box No. 390
Bloomfield, New Jercey 07003
U.S.A

مشخصات

نام کتاب	:	گلدستۂ عقیدت
تحقیق وتالیف	:	ڈاکٹر سید منظور نقوی رضوی
ناشر	:	ادارۂ پیام امن، نیوجرسی امریکہ
زیر اہتمام	:	ادارۂ اصلاح لکھنؤ
زیر نگرانی	:	سید محمد مہدی باقری
ٹائٹل	:	صغیر عابدی
کمپوزنگ	:	محمد وصی اختر، رشید مرتضیٰ
طبع اول	:	فروری ۲۰۱۶ء
مطبوعہ	:	پنج شیل آفسیٹ پریس، لکھنؤ
صفحات	:	340
ہدیہ	:	300روپیہ-20ڈالر

ملنے کے پتے

(۱)ادارۂ اصلاح، مسجد دیوان ناصر علی، مرتضیٰ حسین روڈ، یحییٰ گنج، لکھنؤ یوپی226-003

(۲)سید صغیر عابد رضوی ایڈوکیٹ، سیدواڑہ بہرائچ، یوپی، انڈیا

(۳)ڈاکٹر سید منظور نقی رضوی

26 TOMAR COURT BLOOMFIELD NJ 07003 USA

(۴)حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا سید منظور محسن رضوی صاحب قبلہ

حسین منزل زہرہ باغ، (AMU) علی گڑھ۔ یوپی انڈیا

(۵)پروفیسر سید تہذیب الحسن رضوی

7 MIG FLAT,ADA Colony

Zohra Bagh,AMU Aligarh-202001, UP India

بسمہ تعالیٰ

انتساب

ان انسانوں کے نام

جو

شرافت نفسی اور انسانیت

کی تلاش میں درِ دولت حسینؑ تک پہنچ گئے

اور

ان ہندو عزاداروں کے نام

جن کے ہاتھ ماتم حسینؑ میں اٹھے ہوئے ہیں

اور

سر درگاہ حسینی میں جھکے ہوئے ہیں۔

نوٹ:

(۱) ادارۂ پیام امن ان تمام شرکاء اور شعراء اور جریدوں کا تہہ دل سے مشکور ہے جن کے مضامین اور نظمیں اس میں شامل ہیں۔

(۲) نفس مضمون لکھنے والوں کی ذمہ داری ہے ادارہ کا اس سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

(۳) نہایت معذرت کے ساتھ کتاب کی ترتیب میں اول اور آخر کی کوئی تخصیص نہیں رکھی گئی ہے۔

فہرست

شمارہ	عنوان	صفحہ نمبر
۱	انتساب	۴
۲	ادارۂ پیام امن	۹
۳	تعارف۔۔۔۔مولانا سید علی حیدر عابدی	۱۱
۴	امام حسینؑ آبروئے انسانیت۔۔۔۔مولانا سید محمد جابر جوراسی	۱۸
۵	تقریظ۔۔۔۔۔ڈاکٹر تقی عابدی	۲۰
۶	مقدمہ۔۔۔۔۔ڈاکٹر سید منظور رضوی	۲۸
۷	شہادت عظمیٰ پر سیاسی تبصرہ۔۔۔۔مورخ وفلاسفر میسو ماربر من جرمنی	۳۴
۸	محرم کی برکتیں۔۔۔۔پروفیسر، فلپ آف آگرہ کالج	۴۱
۹	ذلّت کی زندگی سے عزت کی موت بہتر ہے۔۔۔۔پنڈت ویاس دیو، بیرسٹر	۴۴
۱۰	حسینؑ نے اپنی قربانی سے انسانیت کی لاج رکھ لی۔۔۔نیک رام	۴۸
۱۱	معرکۂ کربلا کے اثرات۔۔۔۔ویاس دیو مصرا۔ بارایٹ لا	۵۲
۱۲	مقدس حسینؑ۔۔۔۔بابو کالی پدا بنرجی نیشا ناتھ رائے	۵۵
۱۳	مشہد اعظم۔۔۔۔۔ہزا کسلینسی رام راجیان سرکش پرشاد مہاراجہ	۵۷
۱۴	بارگاہِ حسینی میں دانشوروں اور لیڈروں کا خراج عقیدت	۶۷
۱۵	عزاداری اور ہندستان۔۔۔۔شری وشوناتھ پرشاد، ماتھر لکھنوی	۸۹
۱۶	حضرت امام حسینؑ۔۔۔۔۔دیوان بہادر بلاس سادابی	۹۵
۱۷	لاثانی قربانی۔۔۔۔۔پنڈت برج ناتھ شرغہ ایم اے ایڈوکیٹ	۹۷
۱۸	حسین، مکمل انسان کا ایک بہترین نمونہ ہیں۔۔۔نوشتہ پرمیل پیٹر اسکوائٹر۔ پراگ، یوگوسلاویہ	۱۰۰
۱۹	محرم اور ہمارا فرض۔۔۔شری للتا پرشاد، شاہ مرٹھی	۱۰۳
۲۰	شہید اعظم حضرت امام حسینؑ، تاریخ کی روشنی میں۔۔جناب منشی بشیشور پرشاد، منور لکھنوی	۱۰۶
۲۱	حسینؑ اور عالم انسانیت۔۔پروفیسر رگھوپتی سہائے فراقؔ گورکھپوری، الہٰ اباد یونیورسٹی	۱۱۸
۲۲	اسلام کی زندگی کا سبب، حسینؑ مظلوم کی قربانی ہے از پنڈت برج ناتھ شرغہ ایڈوکیٹ	۱۲۰
۲۳	شہادت حسینؑ کے متعلق۔۔۔مسٹر پنتم بکارام، صدر بنارس یونیورسٹی	۱۲۳
۲۴	حضرت امام حسین کی عظمت غیر مسلمین کی نظر میں۔۔۔ڈاکٹر سید حبیب الثقلین، اردو کراچی	۱۲۴
۲۵	غیر مسلموں کی واقعہ کربلا سے عقیدت۔۔۔علامہ ذوالفقار علی جعفری	۱۳۰
۲۶	شہید کربلا غیر مسلم دانشواران عالم کی نظر میں۔۔۔ادارۂ ترتیب	۱۳۲
۲۷	دھرم کا جیون کار مہارشی کے چرنوں پر چلنے والا۔ کربل راجہ۔۔۔حکیم محمود گیلانی	۱۴۱
۲۸	ہندوؤں کے ویدوں میں شہید کربلا کا ذکر، ردرآچاریہ یعنی امام گریہ۔۔سید امداد حسین کاظمی	۱۴۶

۲۹	آگرہ، تیرہ سوسال یادگار حسینی ۱۳۶۱ھ کے اجلاس کی تقاریر	۱۴۹
۳۰	امام حسینؑ اور محرم۔غیر ملکیوں کی نظر میں ۔۔۔ایس ایم عابد نقوی۔لندن	۱۶۳
۳۱	حسینی کارناموں پر۔مغربی مفکرین کی رائے۔۔۔۔یاسمین امتیاز	۱۶۸
۳۲	محرم اور ہمارا فرض۔۔۔شری للتا پرشاد، شاد میرٹھی	۱۷۳
۳۳	عقیدت کے پھول۔۔۔۔پنڈت چھمن پرشاد، شرما	۱۷۶
۳۴	حسینؑ کی حیات جاودانی۔۔۔۔سی ایس رنگا آئر	۱۷۸
۳۵	حسینؑ کی دعوت از پنڈت برج ناتھ ایڈوکیٹ شرغہ	۱۸۳
۳۶	امام حسینؑ۔۔۔مہادیوراج کی پیشنگوئی	۱۸۶
۳۷	مجاہدۂ حسینی اور اسلام۔۔۔منشی بشیشور پرشاد منور لکھنوی	۱۸۸
۳۸	انسانیت اور درندگی کا کھلا ہوا مقابلہ۔۔۔۔بابو مہابیر پرشاد سریواستوا	۱۹۳
۳۹	حسینؑ اور امن۔۔۔۔پنڈت ویاس دیو مصرا	۱۹۵
۴۰	انسان کامل۔۔۔۔پنڈت چندر کا پرشاد جگیاسو	۱۹۹
۴۱	کربلا کی آواز۔۔۔۔عالی جناب گردھاری لال آنند	۲۱۱
۴۲	شہادت امام حسینؑ، چند تاثرات۔۔۔۔ کے پی سکسینہ	۲۱۶
۴۳	حیات شہید۔۔۔۔عالیجناب وشوناتھ پرشاد، ماتھر لکھنوی	۲۲۲
۴۴	قائدین انسانیت میں حسینؑ۔۔۔۔۔شری بدھنت بودھانند مہاستھوس	۲۲۸
	مرثیہ۔سلام ونظم	
۴۵	مرثیہ۔۔۔۔محترمہ روپ کماری	۲۳۳
۴۶	سلام۔۔۔از راجہ بہادر موجؔ	۲۳۴
۴۷	تیروں کے سائے میں۔۔۔از کنور سورج نرائن ادبؔ سیتاپوری	۲۳۵
۴۸	سلام۔۔۔از شگن چندر روشن۔پانی پتی	۲۳۶
۴۹	سلام۔۔۔از بلدیو پرساد ناہرپوری	۲۳۷
۵۰	طاقت وصبر ورضا کو آزماتے تھے حسینؑ۔۔۔از ایم چندر بہاری لال صباحؔ جے پوری	۲۳۹
۵۱	شہید اعظم۔۔۔از منشی بشیشر پرشاد منور لکھنوی	۲۴۰
۵۲	انوکھا جلال۔۔۔از بلونت سنگھ، فیضؔ	۲۴۱
۵۳	سلام۔۔۔۔از بھگوت سرن اگروال ممتازؔ مرادآباد	۲۴۲
۵۴	کربلا میں آج گل شمع امامت ہوگئی۔۔۔از منشی منّی لال صاحب جوانؔ سندیلوی	۲۴۳
۵۵	سلام۔۔۔از شری ڈاکٹر پیشاوری لال ملہوترا، رواںؔ	۲۴۴
۵۶	ہے ہمیں عباسؑ پیارا آج بھی۔۔۔از بھگوت سرن اگروال، ممتازؔ مرادابادی	۲۴۵
۵۷	یادِ حسینؑ۔۔۔از جگدیش سہائے سکسینہ شاجہاں پوری	۲۴۷
۵۸	تلواروں میں۔۔۔۔از پنڈت رام چند نرائن روشنؔ لکھنوی	۲۴۸

۵۹	گل ہائے عقیدت۔۔۔۔ازرام پرکاش اودھری ساحرؔ ایم اے	۲۴۹
۶۰	سلام۔۔۔۔ازمنشی چھیدی لال اخگر لکھنوی	۲۵۰
۶۱	نذرانۂ خلوص۔۔۔ازسورج نرائن ادبؔ سیتاپوری	۲۵۱
۶۲	سلام۔۔۔۔ازبنارسی لال ورماؔ	۲۵۲
۶۳	پیام رسولؐ، عاشور کے دن قطعات۔۔۔۔ازمتفرق شاعر	۲۵۲
۶۴	پیاسا مسافر۔۔۔ازدرشن سنگھ	۲۵۷
۶۵	سلام۔۔۔۔ازجوالا پرشاد نگم روش لکھنوی	۲۵۸
۶۶	سُرخرو۔۔۔ازسردار کنور مہیندر سنگھ بیدی سحرؔ	۲۵۹
۶۷	چراغ دیں حسینؑ۔۔۔۔ازکرشن بہاری نور لکھنوی	۲۶۱
۶۸	نورعقیدت۔۔۔۔۔ازمہاراج سنت درشن سنگھ	۲۶۲
۶۹	نذرعقیدت۔۔۔۔ازراجندر بہادر موجؔ فتح گڑھ	۲۶۴
۷۰	حضرت امام حسینؑ سے۔۔۔۔مسز پنڈت سروجنی نائیڈو	۲۶۵
۷۱	ہندوشعراء جگت گروحسینؑ کے چرنوں میں۔۔۔ازمتفرق شعراء منورشادنورو ساحرؔ	۲۶۶
۷۲	سلام۔۔۔۔ازوشوناتھ پرشاد ماتھر لکھنوی	۲۶۷
۷۳	کیا کہنا۔۔۔۔۔۔بھگوت سرن اگروال	۲۶۸
۷۴	بزم ماتم۔۔۔۔۔۔۔بابوماتادین	۲۶۸
۷۵	اے حسینؑ۔۔۔۔۔۔بنارسی اکھل ورما	۲۶۹
۷۶	ایمان۔۔۔۔۔کرشن بہاری نور	۲۶۹
۷۷	پانی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔جوالا پرساش نگم	۲۷۰
۷۸	سلام۔۔۔۔۔۔۔کرشن کمار لکھنوی	۲۷۰
۷۹	قطعات۔۔۔۔۔۔۔۔مختلف شعراء	۲۷۱
۸۰	سلام۔۔۔۔۔۔جگدیش نارائن	۲۷۳
۸۱	حیدری شمشیر۔۔۔۔۔۔منش امبیکا پرشاد	۲۷۴
۸۲	حسین آگئے۔۔۔۔۔۔ماتھر لکھنوی	۲۷۴
۸۳	حسینؑ۔۔۔۔ازکنور سورج نرائن ادبؔ سیتاپوری	۲۷۵
۸۴	واقعات کربلا۔۔۔۔۔ازبرج لال جگی رعناؔ دہلوی	۲۷۶
۸۵	سلام وقطعات۔۔۔۔۔ازبرجناتھ پرشاد مخمور لکھنوی	۲۷۶
۸۶	قطعات۔۔۔۔۔۔برج ناتھ	۲۷۷
۸۷	نذرانۂ عقیدت۔۔۔۔ازسورج نرائن ادبؔ سیتاپوری	۲۷۸
۸۸	سلام۔۔۔۔۔ازشیش چندرسکسینہ طالبؔ دہلوی	۲۷۹
۸۹	آپ ہی مخصوص تھے ایسی شہادت کے لیے۔۔۔ازحکیم چھنومل، نافذ	۲۸۰

۹۰	سلام۔۔۔۔ازمنشی لچھمن نرائن، سخاؔ جے پور	۲۸۱
۹۱	سلام۔۔۔۔ازگڑ چرن داس، شیدؔ سیتا پوری	۲۸۲
۹۲	انسان کو حسینؑ نے انساں بنادیا۔۔۔ازچودھری پربھان شنکر سروشؔ	۲۸۳
۹۳	سلام۔۔۔۔ازگورسرن لال، ادیبؔ	۲۸۴
۹۴	سلام۔۔۔۔ازٹھاکرشیر سنگھ شمیم فرخ آبادی	۲۸۵
۹۵	نہرفرات سے دوباتیں۔۔۔ازنانک چند سریوستواعشرتؔ	۲۸۶
۹۶	آخری فدیہ۔۔۔۔از روپ کنور، کنورؔ	۲۸۸
۹۷	شب عاشور۔۔۔ازیوگندر پال، صابرؔ	۲۹۱
۹۸	زندۂ جاوید حسینؑ۔۔۔۔ازرام پرکاش، ساحرؔ	۲۹۷
۹۹	ایک جدید مرثیہ کے چند بند۔۔۔ازللتا پرشاد، شادؔ میرٹھی	۲۹۸
۱۰۰	سلام۔۔۔۔ازپروفیسر ہیرالال، چوپڑہ	۳۰۱
۱۰۱	فیضان شہادت۔۔۔۔ازبرج لال جگی رعناؔ دہلوی	۳۰۲
۱۰۲	وہ نماز عصر۔۔۔ازشری جگناتھ، آزادؔ	۳۰۴
۱۰۳	نقوش جمال۔۔۔۔باواکرشن گوپال مغموم	۳۰۶
۱۰۴	سلام۔۔۔۔۔۔باواکرشن گوپال مغموم	۳۰۹
۱۰۵	سلام۔۔۔۔۔کرشن برشاد	۳۱۱
۱۰۶	امام حسینؑ کو ہندوشعرا کاخراج عقیدت۔۔۔۔مولاناعترت حسین	۳۱۳
۱۰۷	بھارت غیرمسلم ہندوشعراء۔۔۔جے سنگھ	۳۱۷
۱۰۸	غم شبیر۔۔۔۔۔ڈاکٹر دھرمیندر	۳۲۳
۱۰۹	غم شاہ شہیداں۔۔۔۔۔جوہر بلگرامی	۳۲۴
۱۱۰	حیات جاوداں۔۔۔۔۔۔۔۔۔سرکشن پرشاد	۳۲۵
۱۱۱	قطعات۔۔۔۔۔نانک چندسریواشتو	۳۲۶
۱۱۲	نذرانۂ عقیدت۔۔۔۔۔دیگر شعراء	۳۲۷
۱۱۳	سلام۔۔۔۔۔۔۔۔۔غلام حسین جھنولال دلگیر	۳۳۲
۱۱۴	پنجتنؑ سے۔۔۔۔۔۔۔دیوروپ کمار	۳۳۰
۱۱۵	فدائے حسینؑ۔۔۔۔بسواریڈی	۳۳۱
۱۱۶	سلام۔۔۔۔۔مہرلال سونی	۳۳۵
۱۱۷	قطعات۔۔۔۔بنارسی لال ورما	۳۳۶
۱۱۸	سلام۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔پنڈت لبھو رام	۳۳۶
۱۱۹	سلام۔۔۔۔۔۔۔۔حکیم لالہ گلشن داس	۳۳۷

ادارۂ پیام امن

(Message of Peace Inc)

۱۹۸۲ء میں ضرورت وقت کے تحت دو ادارے قائم ہوئے دونوں کے محرک خاص ڈاکٹر منظور نقی رضوی اور معاون خصوصی باقر رضوی تھے۔

ا:۔ مسلم فاؤنڈیشن، اس کے بنیادی بورڈ کے ممبران یہ تھے۔ ڈاکٹر منظور نقی رضوی، سید باقر رضوی، ناصر شمسی، ڈاکٹر سید سبط حسن رضوی، ڈاکٹر محمد ابراہیم (مقیم پاکستان)، اشرف حسین پنجوانی، مصطفیٰ جعفر اور مولانا انور علی۔

اس ادارہ کا کام تھا مذہب حق کی بقا اور فروغ کے ساتھ اہل بیتؑ کے ماننے والوں کے لئے سماجی، ثقافتی، علمی اور دینی معاملات میں امداد۔ الحمدللہ اس ادارہ نے مومنین کی خدمت کی اور بڑا تعاون حاصل کیا، کام بھی کئے، حسینؑ ڈے، علیؑ ڈے وغیرہ کا اہتمام اسی ادارے کے تعاون سے ہوا۔ اب بفضلہٖ تعالیٰ اس کی خود ایک بڑی عمارت، ایک عالی شان مسجد ایک کمیونٹی سینٹر ہے۔ مومنین کا پورا تعاون حاصل ہے۔

'لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا' کے موافق نئے رفقاء اور نوجوان خون شامل ہوتا رہا اور کام سلیقے اور کامیابی سے چلتا رہا بورڈ کے نئے ممبران یہ ہیں ڈاکٹر اسد صادق (چیئرمین)، ڈاکٹر آفتاب حسین، ڈاکٹر اقبال جعفری، ڈاکٹر ظفر عباس جعفری، ڈاکٹر منظور نقی رضوی، جناب باقر رضوی، اقبال نقوی، ڈاکٹر محسن علی، ڈاکٹر اصغر خراجی، ڈاکٹر پرویز ہمدانی، مسز پروین ثروت علی۔

ماشاءاللہ کام جس سرگرمی سے ہوا اسی طرح اس کا استعمال بھی ہو رہا ہے۔ پانچوں وقت کی نماز قائم ہے الحمدللہ کہ جمعہ کی نماز میں مسجد بھری رہتی ہے اور عید، بقرعید اور محرم میں جگہ ملنی مشکل ہو جاتی ہے ۔ اللہ اس کو قبول کرے اور دونوں عالمین میں تمام شرکاء کو اس کا اجر عطا کرے۔

۲:۔ دوسرا ادارہ پیام امن ہے۔ اس کا کام زیادہ تر تعلیم و تبلیغ تھا۔ سنڈے اسکول کا قیام اور جیلوں میں کتابوں وغیرہ کی فراہمی اس کے کاموں میں شامل تھا ماشاءاللہ کام خوب ہوا اور ہو رہا ہے۔

جیل میں جو لوگ مسلمان ہوتے ہیں ان میں سے چند فیصد کتابوں کی فراہمی سے شیعہ ہو جاتے ہیں۔ پیام امن نے الحمدللہ اس میں بہت حصہ لیا۔ ۱۹۸۲ء سے لے کر ۱۹۹۲ء تک ایک جریدہ، انگلش، اردو کا پابندی سے نکلتا رہا۔ بد دیانتی ہوگی اگر اس سلسلے میں برادرم ناصر شمسی ایڈیٹر انگلش سکشن اور برادرم اسد اللہ خان (معاون اردو سکشن) کا نام خصوصیت سے نہ لیا جائے۔ بہر حال ۱۹۹۲ء میں اس جریدہ کو روک کر کتابوں کا سلسلہ شروع کرنا پڑا۔ اب بچے بڑے ہو رہے تھے ان کو پڑھنے کے لئے کتابیں چاہئے تھیں۔ الحمدللہ اب تک تقریباً ۳ کتابیں چھپ چکی ہیں۔ جن میں صرف چند اردو کی ہیں۔ باقی سب انگلش میں مقامی ضرورت کے مطابق ہیں۔ بفضلہٖ تعالیٰ ہر موضوع پر اب ضرورت کی کتاب موجود ہے۔ الحمد للہ حسن رضوی سلمہ ابن ڈاکٹر منظور نقی رضوی اور برادر ناظم زیدی (مرحوم) انگریزی کتابوں کی اشاعت میں بہترین معاون رہے ہیں۔

لک الحمد اور لک الشکر کہ دونوں اداروں نے کام کیا۔ ایک طرف تو ادارہ قائم کرنے والوں کی نیت بخیر تھی۔ پھر خدا کے فضل سے کام کرنے والے مخلص اور بے لوث قسم کے لوگ ملے اور مقامی مومنین نے بھی بے انتہا ساتھ دیا جو مالی مدد نہ بھی کر پائے انہوں نے ہر طرح ہمت بڑھائی اور ہمیشہ ساتھ دیا۔ الاجر عنداللہ۔

نوٹ: حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا سید تلمیذ حسنین رضوی اور حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا سید علی حیدر عابدی نے ہمیشہ ان دونوں اداروں کی معاونت اور سرپرستی فرمائی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعـــــارف

حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا سید علی حیدر عابدی صاحب قبلہ

وبہ نستعین۔آج کے اس ترقی یافتہ دور میں جس کو علم کا دور کہا جارہا ہے اور ہر طرف دولت کی ریل پیل ہے اور ہر شخص خوب سے خوب تر کی تلاش میں سرگرداں ہے صرف طلب معاش تک یہ دوڑ محدود نہیں ہے بلکہ دولت مند بننے کے چکر میں نہ دن کا ہوش ہے نہ رات کا چین نہ دین کی خبر ہے نہ مذہب کا علم نہ ہی اپنے منعم حقیقی کی معرفت ہے اور نہ ہی اپنے خالق کی پہچان اور ان سب سے بیگانہ ہوکر یہ اشرف المخلوقات کہلانے والا انسان اس دنیا کی فانی رنگینیوں میں کھوکر رہ گیا اور بس جس سے ہر طرف بے راہ روی کا دور دورہ ہے اور ایسے دگرگوں حالات میں کسی کو بھی کسی حالت میں سکون نصیب نہیں ہے ظاہر ہے زمانہ کی ستم ظریفہ اور زمینی ماحول کے سبب سے معاشرے کی رنگینیوں کے اثر سے ہماری قوم کے افراد بھی شکار ہونے سے محفوظ نہ رہ سکے مگر ایک بات ضرور تھی جس پر ہم اپنے معبود کا جس قدر شکر ادا کریں وہ کم ہے۔اور وہ یہ کہ جب محرم کا چاند فلک پر نمودار ہوا تو اس بے راہ روی اور دنیا داری کے ماحول میں عزاداریٔ سید الشہدا علیہم السلام نے ہماری قوم میں ایک تڑپ پیدا کی اور منجمد خون کو ذکر حسینؑ ابن علیؑ نے حرارت بخش کر حضور سرورؐ کائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث مبارک: اِنَّ لِقَتْلِ الحسین حرارۃٌ فی قلوب المومنین لا تبرداً ابدا۔کا مصداق بنا کر قوم میں ایک نئی روح پھونک دی۔

اور اسی ذکر حسینؑ بن علیؑ کے سبب سے آج امریکہ اور کینڈا اور یورپ جیسے ترقی یافتہ ممالک میں کیا کوئی شہر ایسا ہے کہ جہاں پر یاحسینؑ اور یاعلیؑ کے فلک شگاف صدائیں نہ سنائی دیتی ہوں۔

اور ہمیں یہ بات تسلیم کرنا پڑے گی کہ یہ کام اتنا آسان نہ تھا لیکن وہ مومنین جو تیس سال سے

زائد عرصہ قبل وارد امریکہ ہوئے تھے ان میں بعض مومنین اپنے گھروں پر مجالس حسینؑ مظلوم کا اہتمام کرتے تھے یا پھر نیو جرسی اور نیو یارک کے مومنین مشترکہ طور پر نیو یارک میں UNO کا ہال لیکر مرکزی مجالس عشرۂ اولیٰ محرم الحرام میں قائم کرتے تھے اسی دور میں نیو جرسی اور نیو یارک کے بارڈر متصل شہر انگل ووڈ میں برادر محترم سلطان کرم علی صاحب حفظہ اللہ وجودہ کی سعی جمیلہ سے محفل شاہ خراسان امام بارگاہ کا قیام ہوا دوسری جانب یہاں سے سومیل کے فاصلہ پر شہر ڈیلران ساؤتھ نیو جرسی میں برادر محترم جناب میر مراد علی خاں دام ظلکم نے مومنین کے تعاون سے بیت القائم امام بارگاہ کو قائم کیا۔

ادھر شہر نیو یارک میں کوئینس کے علاقہ میں آیت اللہ العظمیٰ السید ابوالقاسم الخوئی رحمۃ اللیہ علیہ کی جانب سے مرکز الخوئی قائم ہو گیا۔

ان مراکز کے قیام سے مومنین وموالیان حیدرؑ کرار کے لئے محافل ومجالس کے برپا کرنے کی آسانیاں پیدا ہوگئیں اور مومنین کے خون میں جوش پیدا ہوا اور دینی بیداری کا آغاز ہوا۔ ظاہر ہے یہ چیزیں صرف محرم الحرام کی مجالس اور معصومین علیہم السلام کے ایام ولادت اور مرحومین کے ایصال ثواب کی مجالس تک محدود تھیں۔

اسی دور میں ڈاکٹر سید منظور نقی رضوی جن کو ہم اور تمام احباب منظور بھائی کے نام سے پکارتے ہیں جو مانے ہوئے امراض قلب کے متخصص ہونے کے ساتھ ساتھ نباض قوم بھی ہیں آپ نے قوم کو محرک کرنے آپسی مراسم ومواخات کو مضبوط سے مضبوط تر کرنے اور دوسرے مسالک و مذاہب کے درمیان اسلام اور دین کا صحیح تعارف کرانے کے لئے اپنے احباب کو جمع کر کے اور بڑی ہی حسن تدبیر کے ساتھ ان سب کے تعاون سے ایاّم عزا میں امام حسینؑ ڈے اور ماہ ربیع الاول میں ختمی مرتبت سید المرسلین رحمت اللعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کی مناسبت سے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ڈے اور ماہ رجب المرجب میں مولائے متقیان حضرت امیر المومنین کی ولادت باسعادت کی مناسبت سے امام علیؑ ڈے کا قیام عمل میں لاکر قوم میں دینی شعور و بیداری کا رواج ہوا اور دین فہمی اور تعلیمات آل محمد علیہم السلام سے روشناسی کا احساس بڑھنے لگا۔ اور یہ تینوں پروگرام الحمد اللہ آج تک قائم ہیں ان

تینوں پروگرام کے ذریعہ سے مختلف مذاہب ومسالک وادیان کے ماننے والے پروفیسرس تاریخ داں محققین اسپیکر کو دعوت فکر پیغام اسلام اور مقصد شہادت حسینؑ ابن علی علیہ السلام کو عام کیا جاتا ہے۔

ہمارے منظور بھائی کو شدت سے اب اس بات کا احساس ہورہا تھا کہ موجودہ حالات اور آئندہ زمانہ کی کجروی سے نئی نسل کو کیسے بچایا جائے لہٰذا اسی احساس کے تحت ۱۹۸۰ء میں مسلم فاؤنڈیشن قائم کی اور محفل شاہ خراسان میں سنڈے اسکول شروع کیا جس کے ذریعہ سے مومنین کے بچوں اور بچیوں کی دینی تربیت کی تھی بذات خود اپنے احباب کے ساتھ تعلیم دیتے تھے اب جیسے جیسے بچوں کی تربیت کا احساس بڑھتا گیا مومنین ساتھ دیتے گئے اور ضرورتیں بھی قوم کی تقاضا کرتی گئیں دوسری طرف بڑوں کی بھی دینی معلومات میں اضافہ کی خاطر اپنی مسئولیت کا احساس کرتے ہوئے ۱۹۸۲ء میں اردو اور انگریزی میں پیام امن کے نام سے ایک میگزین شائع کرنا شروع کیا جو ۱۹۹۲ء تک مستقل شائع ہوتا رہا جو کہ مختلف دانشوروں علماء اور مفکرین کے مضامین اور تعلیمات آل محمد علیہم السلام سے پُر ہوتا تھا۔

اسی زمانہ میں احکام دین وشریعت نماز وروزہ حج وزکوٰۃ خمس وغیرہ عبادات سے متعلق ایک کورس تشکیل دیا۔

یہاں پر ہم آپ کو یہ بتاتے چلیں کہ یہ زمانہ وہ تھا جب سرزمین امریکہ پر ہندوپاک کے مومنین کی ضروریات دین وشریعت کے لئے نماز جمعہ وعیدین اور نماز جنازہ وغیرہ کے لئے مستقل کسی عالم کا وجود نہ تھا۔

ایام عزا میں ہندوپاک سے چند بزرگ علما وذاکرین مجالس حسینیؑ کو خطاب کرنے کے لئے تشریف لاتے تھے جو ایام عزا کے تمام ہوجانے کے بعد اپنے اپنے وطن روانہ ہوجاتے تھے۔

لہٰذا اسی کمی کو دور کرنے کے لئے منظور بھائی نے اپنے احباب کے ذریعہ سے تحریک شروع کی جس میں ان کو سو فیصد کامیابی حاصل ہوئی۔ اور حجۃ الاسلام مولانا تلمیذ الحسنین رضوی صاحب قبلہ کو پاکستان سے بلا کر نیوجرسی اور نیویارک کے مومنین کی دینی تشنگی کو ختم کرنے کا انتظام فرمایا۔

ادارۂ پیام امن کے تحت چالیس سے زائد کتب انگلش اور اردو میں شائع کیں اور صرف عوام ہی

نہیں بلکہ جو غیر مسلم جیل میں اپنے کسی جرم کی سزائیں کاٹ رہے تھے اور ان کو بھی اسلام شناسی سے روشناس کرانے کے لئے یہ کتابیں ان کو جیل کے اندر فراہم کرنے کا بھی انتظام ڈاکٹر صاحب نے فرمایا۔

منظور بھائی جو کہ پیشہ کے لحاظ ماہر امراض قلب ہیں اور اس پیشہ کے تقاضے کے تحت بے حد مصروف رہتے ہوئے بھی ہر مجلس ومحفل کی زینت ہوتے ہیں کہیں ذکر اہلبیتؑ ہو وہ صرف منبر کے سامنے بیٹھے ہوئے ہی نظر نہ آئیں گے بلکہ ان کو ایک بہترین وکامیاب اور کہنہ مشق شاعر ہونے کا بھی اعزاز حاصل ہے ان کی شاعری میں ایک جانب محبت وفضائل اہل بیتؑ کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے ہیں تو دوسری طرف اسی میں تبلیغ دین اور ہماری ذمہ داریوں کا احساس دلانا بھی نہیں بھولتے یہی وجہ ہے کہ زیادہ محافل ومجالس میں آپ کا منبر پر آنا ضروری ہوتا ہے جس کے سبب عوام میں ایک جوش پیدا ہوتا ہے اور محفل ومجلس میں ایک نئی تازگی آجاتی ہے اور یہی چیز بعد میں خطیب کے لئے آسانی سے عوام کے مزاج کو سمجھنے پھر خطاب کرنے کی راہ کو آسان بنا دیتی ہے۔

غرض کہ محفل ہو مجلس ہو یا فیملی پروگرامس ہوں مثل شادی بیاہ ولیمہ ختم قرآن اسلامی سیمینار یا کانفرنس ان سب میں منظور بھائی کا نمایاں وجود نہیں بلکہ روح رواں افراد میں شمار ہوتا ہے۔

آپ بہترین مہمان نواز علماء اور خطباء کے قدر داں اہل علم کو عزت دینے والوں میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ نیوجرسی میں کم از کم ۳ مخصوص مواقع پر علما وخطبا وذاکرین شعرا اہل بیتؑ کی خصوصی دعوت سالہا سال سے آپ کے گھر قائم ہے اسی کے ساتھ ساتھ اکثر مومنین کی شرکت بھی واجب سمجھی جاتی ہے۔

مجھے یہ فخر حاصل ہے کہ میری رفاقت ومواخات ۲۵ سال سے زائد عرصہ پر محیط ہے بلکہ یہ کہوں انہیں نے بڑے بھائی ہونے کے ناطے میری اور میرے خانوادے کی مکمل سرپرستی کے فرائض انجام دیئے ہیں کسی لمحہ کڑے سے کڑے وقت اور زمانہ کی بادسموم میں مجھے تنہا نہیں چھوڑا اور یہ سلوک صرف میرے ہی لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ قوم کے ہر فرد کو بہترین اور مفید مشوروں سے نوازنا ان کے امور میں ان کی حتیٰ الامکان مدد کر کے آسانیاں پیدا کرنا ان کا طرہ امتیاز ہے۔

علماء کے لئے خاص طور سے ان کا گھر ہمیشہ کھلا رہتا ہے اور ان کی خدمت منظور بھائی کا پورا گھرنہ

اپنے لئے شرف وخیر وبرکت سمجھتا ہے۔خداوند عالم ان کے رزق میں خیر وبرکت اور توفیقات میں گونا گوں اضافہ فرمانے اور حوادث زمانہ سے اہلبیتؑ اطہار علیہم السلام کے صدقہ میں محفوظ فرمائے آمین۔

منظور بھائی کی مصروف ترین زندگی کے باجود دین الٰہی اور اہلبیت اطہار علیہم السلام کی خدمات کی ایک طویل فہرست ہے اس میں سے چند نمونے قارئین کی معلومات کے لئے پیش کرر ہا ہوں۔

(۱) پوری دنیا میں موالیان حیدرؑ کرار مولائے کائنات کی جب پندرہ سوسالہ جشن ولادت منار ہے تھے تو نارتھ امریکہ کے مومنین کے لئے فضائل امام علیؑ پر مبنی مشاہیر علماء وشعراء وقدیم وجدید کے نایاب منثورات ومنظومات 676 صفحات پر مشتمل ایک ضخیم تاریخی دستاویز قوم کے حوالہ کرنے کا عظیم کارنامہ انجام دیا۔(اس کا نام کشکول نیوجرسی سے موسوم کیا گیا)۔

(۲) ابھی یہ کتاب عوام کے ہاتھوں تک پہنچی تھی کہ اُمُّ المصائب ثانی زہراؑ حضرت زینب سلام اللہ علیہا کی حیات طیبہ پر ایک اکمل ومکمل ہر دور ماضی وحال کے علماء زعماء ادباء محققین ومفکرین علماء وشعراء وقدیم وجدید کی تحریروں کے خزانے کو جمع کرنے کا بیڑا اٹھایا اور کشکول نیوجرسی دوئم کے نام سے زیور طبع سے آراستہ وپیراسہ کر کے قوم کے ہاتھوں تک پہنچا دیا۔ یہ کتاب بھی 848 صفحات پر مشتمل ہے۔

(۳) تیسرا عظیم کارنامہ ہندو پاک کے مروج (تلخیص مفاتیح الجنان وتوضیح المسائل آیات عظام) کا مجموعہ یعنی المعروف والمشہو رتحفۃ العوام کو زبان انگلش میں ترجمہ کر کے نوجوان نسل اور مومنین و مومنات جوخصوصاً امریکہ، کینڈا، اور یورپ میں مقیم ہیں ماہ رمضان المبارک کے مقدس ترین موقع پر پیش کر کے دین وشریعت کی عظیم خدمت کا کارنامہ انجام دینے کا شرف حاصل کیا۔

(۴) اور اب محرم الحرام کی مناسبت سے شہید اعظم حضرت سید الشہداء امام حسینؑ پر مسلم اور غیر مسلم مفکرین ومحققین علماء اور شعراء کی تحریروں کو جمع کر کے کتابی شکل دے کر خدمت عزاو سید الشہداء کی تبلیغ وترویج کا عظیم کام انجام دے رہے ہیں۔

منظور بھائی کا سب سے بہترین وعظیم کارنامہ جس کو آنے والی نسلیں بھی یاد رکھیں گی۔ نیوجرسی میں مسجد علیؑ کا قیام ہے جس کے قیام سے منظور بھائی کی خداداد صلاحیتوں اور جس سے ان کی مدبرانہ انتظام وانصرام کا پتہ چلتا ہے۔

یہ تاریخی عمارت مسجد، امام بارگاہ، اسکول اور مومنین کی تقاریب کے لئے ہال پر مشتمل ہے۔ جسے دیکھ کر غیر بھی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

منظور بھائی کو اللہ نے باقر رضوی جیسا بھائی جو بہترین مشیر بھی ہے اور ان کا شریک کار دست و بازو بھی ہے اور ہر کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والے عطا فرمایا۔ انکے دو اور بھائی صادق رضوی اور رضا رضوی دست راست ہیں۔

منظور بھائی کو اللہ انے ان کی محنت ولگن اور حسن تدبیر و نیک نیت اور اخلاص عمل کے سبب سے ہم خیال ولاء آل محمد علیہم السلام سے سرشار قابل بھروسہ مومنین کے درمیان قابل صد احترام جان و مال دین واہل بیت علیہم السلام پر قربان کرنے والے اور مسجد کے قیام میں خصوصیت کے ساتھ تن من دھن سے قربانی دینے والے احباب عطا کئے جس نے مل کر اس عظیم الشان تاریخی کارنامہ کو انجام دیا جس کے لئے بے پناہ سرمایہ کی ضرورت تھی لیکن ان احباب کی حسن تدابیر اخلاص نیات تائید مولا اور اللہ کا فضل وکرم شامل حال ہوا پھر کیا تھا مشکلیں ختم اور منزل آسان۔

اس مسجد علیؑ کی تعمیر سے مومنین و مومنات بالخصوص ہماری نوجوان نسل اور بچوں کے تربیت دینی و دنیاوی کے لئے آسانیوں کا سبب بن گئی۔

آج یہ مرکز (مسجد علیؑ) امریکہ کے مصروف ترین مراکز میں سے اپنی مثال آپ ہے۔

پانچوں وقت کی نماز جماعت نماز جمعہ سنڈے اسکول کے علاوہ ہر طبقہ اور صنف کے لئے پروگرام مثل محرم الحرام ماہ رمضان المبارک کے مخصوص پروگرام، محافل ومجالس، کانفرنس، اسلامی سیمینارس غرض کہ ہر پروگرام اور شادی بیاہ، ولیمہ، ختم قرآن بسم اللہ وغیرہ کی تقاریب جاری وساری ہیں۔

انہیں تمام احباب کے ساتھ ہمہ وقت و ہر لحہ شانہ بشانہ حقیر اور حجۃ الاسلام مولانا سید تلمیذ الحسنین رضوی و حجۃ الاسلام مولانا سید رضوان ارسلان رضوی بھی اس کشتی اہل بیت علیہم السلام کے سواروں میں شامل ہیں۔

بقول علامہ حجۃ الاسلام مولانا سید رضی جعفر صاحب قبلہ دامت برکاتہ ملت جعفریہ کی ممتاز اور

گرانقدر شخصیت نصف صدی سے لوگوں کی مسیحائی کرنے والے مستند معالج ، ولایت متحدہ میں دین ومذہب کی خدمات انجام دینے والوں کی صف اول میں ممتاز ہستی ،مجالس ومحافل کی زینت بہترین مہمان نواز۔ ہردلعزیز، عام وخاص میں مقبول ، اخلاص ومحبت کا مجسمہ عالی قدر وگرامی مرتبت جناب ڈاکٹر سید منظورنقی صاحب دام سجدہ ،جن کو دینی خدمات کا جذبہ اپنے گراں قدر بزرگان سے ملا ہے خصوصاً آپ کے والد ماجد،مقدس عالم دین مجاہد صنعت دینی رہنما عالی جناب مولانا سید حامد حسین صاحب عشروی اعلی اللہ مقامہ جن کو پروردگار نے طویل زندگی مرحمت فرمائی اور انہوں نے پوری زندگی دین و مذہب کی خدمت کر کے خود کو سرکار دو عالمؐ کی اس حدیث کے مصادیق میں شمار کرایا۔

(بابرکت ہے وہ طویل زندگی جو حسنات سے مالا مال ہو)

پروردگار عالم منظور بھائی کی ان تمام خدمات کو اپنے حبیبؐ اور ان کے اہلبیت علیہم السلام کے صدقہ میں شرف قبولیت عطا فرما کر اجر عظیم کا مستحق قرار دے۔ آمین

خاک پائے اھل بیتؑ

سیدعلی حیدر عابدی

امام جمعہ نیو جرسی

حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا سید علی حیدر عابدی صاحب قبلہ دام ظلکم جامعہ ناظمیہ اور قم کے فارغ التحصیل عالم دین ہیں۔ امام جمعہ و جماعت نیو جرسی ہیں اور روح روان نیو جرسی بھی۔(مؤلف)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

امام حسین علیہ السلام
آبروئے انسانیت

الحاج مولانا سید محمد جابر باقری جوراسی صاحب
مدیر ماہنامہ اصلاح لکھنؤ

الحمد لاهله والصلوٰة علیٰ اهلها

اس میں کوئی شک وشبہہ نہیں بلکہ مشاہداتی حقیقت ہے کہ سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کی ذات عالی مرتبت اور انکار بیعت باطل کے ذریعہ ان کی تشکیل دی ہوئی تحریک ''کربلا'' کے سامنے انسانیت صدیوں سے سجدہ ریز ہے۔اسلام تو بہرحال انسانیت کا وہ تابناک چہرہ ہے جسے ابتدا ہی سے ''دہشت گردی'' جیسی فاسد تحریکوں نے داغدار بنانا چاہا لیکن کامیابی نہ ہوسکی اور اسلام کی انسانیت نوازی کا پہلو آج بھی منفرد ونمایاں ہے۔اسلام کے سایہ میں انسانیت کا پیغام عام کرنے والے رحمۃ للعالمین حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے اور اسلام کا وقار وانسانیت کی عزت وآبرو کا تحفظ کرنے والے سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام تھے اور جہاں بھی انسانیت کی جلوہ فرمائی ہے وہاں امام حسین علیہ السلام سے عقیدت کا والہانہ مظاہرہ ہے۔

غیر مسلموں نے نثر ونظم میں بارگاہ حسینی میں جو نذرانۂ عقیدت پیش کیا ہے وہ انسانیت وادب کا قیمتی سرمایہ ہے۔جس کی قدر وقیمت کو درک کرنے والوں میں ڈاکٹر سید منظور نقی رضوی کا اسم گرامی نمایاں ہے۔مذہب ومعاشرہ کی خدمت کا جذبہ انھوں نے اپنے پدر بزرگوار مولانا سید حامد حسین عشروی صاحب قبلہ

اعلی اللہ مقامہ سے پایا ہے۔اورمتعدد طریقوں سے خدمات انجام دے رہے ہیں۔ان کی کئی کتابیں تاریخی حیثیت اختیار کر گئی ہیں ان میں ''گلدستۂ عقیدت'' نے ایک مزید خوشگوار اضافہ کیا ہے۔نثر ونظم میں غیر مسلم نثر نگاروں اور شعرائے کرام نے جونذرانۂ عقیدت پیش کیا ہے اس کا انتخاب انہوں نے ہدیۂ ناظرین کیا ہے اس کے مطالعہ سے اندازہ ہوگا کہ واقعۂ کربلا کو غیر مسلموں نے کس گہرائی سے دیکھا اور پرکھا ہے۔معبود مولف محترم کے توفیقات خیر میں اضافہ فرمائے۔

فقط

سید محمد جابر جوراسی

مسئول ادارۂ اصلاح لکھنؤ

یکم فروری ۲۰۱۶ء

تقـــریظ

ڈاکٹر سید تقی عابدی، ٹورنٹو، کناڈا

ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؑ

علامہ اقبالؔ نے کہا تھا

کافری بیدار دل پیشِ صنم　　　　به به دینداری که خفت اندر حرم

یعنی ایک کافر بیدار دل کے ساتھ اپنے صنم کے سامنے اس مسلمان سے بہتر ہے جو کعبے میں سو رہا ہے۔ معرفت، بیداریِ دل کا نام ہے۔ جوشؔ نے اسی بیداری کو مرکزِ خیال بنا کر ایک لافانی شعر تخلیق کیا۔

انسان کو بیدار تو ہو لینے دو　　　　ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؑ

لیکن انسان بیدار کیسے ہوگا، اس کا پرتو ہماری اس تحریر میں ملے گا۔ بیداری ہر بنی نوع انسان کا فن ہے جسے کوئی چھین نہیں سکتا اس پر کسی قوم کسی نژاد کسی مذہب اور کسی گروہ کی اجارہ داری نہیں۔ یہ عشق اور محبت کا سودا ہے۔

اگر حکیم الامت علامہ اقبالؔ کہتے ہیں کہ: 　　　　سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

جس طرح مجھ کو شہیدؑ کربلا سے پیار ہے
حق تعالیٰ کو یتیموں کی دعا سے پیار ہے

تو دوسری طرف بیدار دل و دماغ کے استاد شاعر ڈاکٹر دھرمیندر ناتھؔ کہتے ہیں:

میں ہوں ایک بندۂ احقر مگر یہ ناز ہے مجھ کو

عقیدت ہے محمدؐ سے علیؑ سے آلِ حیدرؑ سے
میری فکرونظر کو مل رہی ہے روشنی پیہم
مدینے سے نجف سے کربلا کی خاکِ اطہر سے

ادھر اقبالؔ نے ورد کیا:

رونے والا ہوں شہید کربلا کے غم میں میں
کیا دُر مقصد نہ دیں گے ساقیٔ کوثر مجھے

تو اُدھر دھرمیندر کوراہِ جنت نظر آئی

غم شبیر میں احساں، ان آنکھوں کا نہ بھولوں گا
انہیں سے لختِ دل لختِ جگر باہر نکلتے ہیں
نظر آجاتی ہے بزم عزا سے راہ جنت کی
شہید کربلا کے غم میں جب روکر نکلتے ہیں

وہ قرآن جس کے نزول اور مطالب کے بارے میں ہندو قوم کا شاعر کہتا ہے:

اہل دیں کے واسطے نازل ہوئی کتاب
ہرلفظ جس کا معرفت حق کا ایک باب
آغاز جس کا ''با'' سے ہے انجام سین ہے
مطلب یہ تھا کہ بس یہی اللہ کا دین ہے

اس قرآن کو سمجھنے کے احکام کو اپنی زندگی میں برتنے کے لئے حسینیت ضروری ہے۔ اسی لئے تو اقبالؔ نے لکھا: ''میں نے قرآن کا راز حسینؑ سے سیکھا ہے اور اسی حسینیؑ شعلے سے اپنے چراغوں کو شعلہ ور کیا ہے۔''

رمز قرآن از حسینؑ آموختم   ز آتشِ اُو شعلہ ہا اندوختم

بعض افراد پیغام حسینیتؑ اور واقعہ کربلا کی تازگی پر تعجب کرتے ہیں کہ تقریباً چودہ صدیوں کے بعد بھی کیوں۔

عباسؑ نامور کے لہو سے دُھلا ہوا   اب بھی حسینیتؑ کا علم ہے کھلا ہوا

وہ اس راز کو نہیں جانتے کہ آزادی، حریت، حقوق بشری، انصاف، عدالت اور مثبت اخلاقی سماجی اور دینی اقدار کا سرمایہ درس گاہ کربلا سے جڑا ہوا ہے، اور آج کے اس دور میں بھی ان قدروں کو زندہ رکھنے کے

لئے خاک کربلا پر جبّہ سائی کرنی ضروری ہے۔ اگر مہاتما گاندھی نے اپنے اہنسا کے حربے کے لئے حسینؑ کے صبر و استقلال اور ایثار کو نمونہ قرار دے کر اس کی پیروی کی تو دوسری طرف دنیا کے کئی بڑے انقلابات کی روح بھی اسی حسینیؑ قوت کا نتیجہ قرار پائی ورنہ اقبال نہ کہتے:

موسیٰ و فرعون و شبیرؑ و یزید
ایں دو قوت از حیات آمد پدید
از آں کشتِ خرابی حاصل نیست
کہ آب از خون شبیری ندارد

اس دنیا کی بنجر اور ویران زمین سے کوئی فصل اُگ نہیں سکتی جب تک کہ اسے شبیرؑ کے خون سے سیراب نہ کیا جائے۔

اسی لئے تو تحریک آزادی ہند کی لیڈر، صدر کانگریس اور اتر پردیش کی پہلی گورنر سروجنی نائیڈو نے اپنی انگریزی نظموں میں امام حسینؑ کو خراج عقیدت پیش کر کے آصفی امام باڑے پر بھی اشعار تضمین کئے۔ وہ امام حسینؑ کے پیغام کو صرف مسلمانوں تک محدود تصور نہیں کرتی تھی بلکہ اس کو آفاقی اور تمام دنیا کے لئے ضروری جانتی تھی کیونکہ کتاب کربلا میں ہر قسم کا ارتقائی، اخلاقی اور انسانی درس موجود ہے۔ جس سے انسانیت کو ترقی دی جاسکتی ہے۔

کسی ہندو شاعر نے کیا خوب اور سچ کہا ہے۔

مذہب کی قید ہی نہیں ذکر حسینؑ میں
ہر حق پرست ہوگیا شیدا حسینؑ کا
اہل وفا تو پڑھتے ہیں کلمہ رسولؐ کا
ہم ہندوؤں نے پڑھ لیا کلمہ حسینؑ کا
آخر کو جور و ظلم فنا ہو کے رہ گئے
بدلا کسی طرح نہ ارادہ حسینؑ کا
دنیائے عقل جتنا بھی سمجھی ہے آج تک
اس سے بہت بلند ہے رتبہ حسینؑ کا

فکری روشنی ان عظیم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو اپنے ذہنوں اور دلوں کو صاف پاک رکھتے ہیں۔

میں اپنے دل کو بہت پاک وصاف رکھتا ہوں
کہ شاید اس میں کسی دن کریں قیام حسینؑ

شری کمار، فراق مدنیؔ کے یہ اشعار پڑھ کر ماتھرؔ لکھنوی کا مصرعہ زبان پر آ جاتا ہے:

ایسے تو مسلمانوں سے ہندو اچھے
اس میں نہیں کلام کہ ہم بت پرست ہیں
پلکوں سے اپنی چومیں گے روضہ حسینؑ کا
ہو کے ہندو تعزیہ سر پر اٹھاتے جائیں گے
یہ مٹاتے جائیں گے اور ہم مناتے جائیں گے

یہ فن گفتاری ہے کہ اگر کربلا کے عظیم شہیدوں کی قربانیاں سامنے نہ ہوتیں تو دنیا اعلیٰ اخلاق مذہب اور سچائی سے خالی ہو جاتی۔ احسان عظیم ہے دنیا پر ان شہیدوں کا جنھوں نے ذلت کی زندگی پر عزت کی موت کو ترجیح دی ہے۔

دنیا کے عظیم ڈیموکریٹک ملک بھارت کو انگریزوں کے خونخوار اور استعماری پنجوں سے رہا کرنے والا ہندو رہبر مہاتما گاندھی کی فکری گیرائی اور گہرائی کا اندازہ اس خراج عقیدت سے ہوتا ہے جو انہوں نے اپنی عملی زندگی میں درک کیا اور اس پر پوری زندگی عمل پیرا بھی رہے۔ وہ کہتے ہیں: ''میں نے کربلا کے ہیرو امام حسینؑ کی زندگی کا بخوبی مطالعہ کیا ہے اور اس سے مجھ کو یقین ہو گیا ہے کہ ہندوستان کی اگر نجات ہو سکتی ہے تو ہم کو حسینی اصول پر عمل کرنا چاہئے انہوں نے سب کچھ قربان کیا لیکن ظالمانہ قوتوں کے سامنے سر نہیں جھکایا۔ میرا عقیدہ یہ ہے کہ اسلام کی ترقی اس کے ماننے والوں کی تلواروں کی رہین منت نہیں بلکہ اس کے شہیدوں کی قربانیوں کا نتیجہ ہے۔''

امام حسینؑ کی شہادت کے تیرہ سو سال پر پروفیسر رگھو پتی سہائے فراق نے لکھا: ''دنیا بدل رہی ہے خون اور آگ میں نہا کر ایک نئی بشریت ظہور پذیر ہو گی۔ امام حسینؑ بنی نوع انسان کے لئے جیئے اور شہید ہوئے۔ حسینؑ کا دل انسان اور انسانیت کے لئے دھڑک رہا تھا۔ اسی لئے آج سے ہمارا مذہب انسانی برادری ہونا چاہئے۔

اسی خیال کو نجم آفندی نے کہا تھا: ؎

مرکز بنا کے آج حسینؑ نشان کو
آپس کے اختلاف کو قربان کیجئے

سچ ہے حسینؑ مکمل انسانیت کا ایک عمدہ نمونہ ہیں۔
فضل نقوی نے کیا سچ اور حق کہا ہے:

کچھ دیر تو ضرور تھی خنجر کی کش مکش
اب دو جہاں پر تیری حکومت ہے اے حسینؑ

جرمنی کا مشہور مورخ اور فلاسفر ''میو ما برین'' نے امام حسینؑ کی شہادت پر ایک بسیط سیاسی تبصرہ کر کے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ''محمدؐ کے قانون کی حفاظت اور اسلام و مسلمانوں کی ترقی حسینؑ ہی کے ریو لیوشن سے ہوئی اور جب تک مسلمان حسینؑ کی عزاداری کے عامل رہیں گے کبھی بلندی کے سوا پستی اور زیردستی کی صورت نہ دیکھیں گے۔''

ڈاکٹر منظور نقی رضوی نے اس صحیفۂ عشق میں چالیس کے قریب عمدہ تحقیقی، تجلیاتی اور تاثیراتی مضامین اور ان کے اقتباسات کو پچاس سے زیادہ شعرا کے منظومات کے ساتھ گلدستہ کی شکل میں پیش کیا ہے جس سے عامی اور عالم دونوں کو بیک وقت فائدہ اور روشنی مل سکتی ہے۔ اگر چہ دنیائے ادب کی مختلف زبانوں میں واقعہ کربلا اور شہادت امام حسینؑ پر کم و بیش ہزاروں نثر و نظم میں شہ پارے نظر آتے ہیں لیکن برصغیر ہندوستان اور پاکستان میں خصوصی طور پر سب سے زیادہ اہل ہنود کی خراج عقیدت کے پھول اپنی خوشبو اور رنگ سے ہمیں اپنی جانب متوجہ کرتے ہیں۔ شاید اس کی ایک وجہ اس زمین سے حسینیت کو انس و محبت کے علاوہ یہاں کی تہذیب اور سماجی پیوندکاری پیغام حسینؑ سے جڑی ہوئی بھی ہو اسی لئے اردو، سلام و مرثیے نے کربلا کے واقعات میں ہندوستانی سماجی اور اخلاقی قدروں کو عرب سماج سے زیادہ پیش کیا ہے جس کے سبب اردو مرثیہ اپنی مقبولیت اور تاثیر میں عربی اور فارسی مراثی سے بہت آگے نکل گیا۔ اس کوشش میں بلا تفریق مذہب و ملت برصغیر کے شاعروں کے کلام کو تسبیح مودّت کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ غیر مسلم ادیبوں، شاعروں اور دانشوروں نے اپنے فن اور بیان میں اس طرز نگارش کو اس لئے ترقی دی کہ اس کا تعلق انسانیت کی تعمیر اور آدمیت کی تعظیم سے منسلک ہے۔ کربلا نے انسان کے مقام سے

روشناس کیا ہے جو بقول اقبالؔ: ؎

آدمیت احترام آدمی　　　　باخبر شو از مقام آدمی

یہاں قرآن کریم کے اس نکتہ اصلی پر روشنی ڈالی جاتی ہے جہاں عشق میں بے نیازی ہے اور سوال اور سوالی صرف حضور کبریا تک محدود ہے۔

کس نباشد در جہاں محتاج کس

نکتہ شرع مبیں این است وبس

کوئی اس دنیا میں کسی کا محتاج نہ رہے۔ اسلام شرع مبیں اور قرآنی جوہر اس کے سوا اور کچھ نہیں۔

ہندوستان کا ایک عرفانی رشتہ امام حسینؑ کی شہادت عظمٰی سے ہے۔ معتبر تاریخوں اور مستند مقاتلوں میں یہ روایت ملتی ہے کہ امام مظلومؑ نے ہندوستان کو ہجرت کرنے کا قصد کیا جو ظالموں نے رد کر دیا۔ ہندوستان کے کچھ قبائل کربلا میں شہادت حسینؑ کے بعد وارد ہوئے۔ آج بھی حسینی برہمن مسلمانوں کی طرح عزا اور ماتم کرتے ہیں۔ ہندوستان کے کئی علاقوں میں ہندو افراد علم اٹھاتے، نوحے پڑھتے ہوئے جلوسوں میں شریک ہوتے ہیں۔ لکھنو کے میوہ رام کا امام باڑہ ہو یا مہاراج کشن پرشاد کی ڈیوڑھی حیدرآباد میں، سب اس ذبح عظیم کی تعظیم میں مشغول اور اسی عبادت میں مصروف نظر آتے تھے۔ قدیم اردو یعنی دکنی ادب کی سب سے پرانی یادگار کتاب جو آج ہمارے درمیان موجود ہے وہ شفیع بیدری کی منظوم ''نوسرہار'' ہے جس میں واقعہ کربلا کو (۱۸) اٹھارہ سو اشعار میں نظم کیا گیا ہے۔ فضل علی کی کربلا کتھا اور قدیم مجالس کی کتابیں اس بات کا زندہ ثبوت ہے کہ ہر قوم اور مذہب کے لوگوں نے حسینیت کی بقا کو اپنی حیات جان کر دل و جان سے اس کا اہتمام اور احترام کیا۔ چنانچہ اس تذکرے میں جو غیر مسلم شعرا کا کلام بطور تبرک اور نمونہ عقیدت پیش ہوا ہے قدیم داستانِ عشق کا سلسلہ شمار کیا جاسکتا ہے۔ اس ملک میں پہلے معروف صوفی معین الدین چشتی سنجری نے جو لافانی رباعی کہی اس کا ہم پلہ مضمون آج تک کسی فارسی و عربی شاعر پیش نہ کرسکتا۔ یہ اس مٹی کی بوتراب سے الفت کو ظاہر کرتا ہے۔

شاہ است حسینؑ بادشاہ است حسینؑ

دین است حسینؑ دین پناہ است حسین

سرداد نداد دست در دستِ یزید

حقا کہ بنالاالہ است حسینؑ

سات سو سال بعد علامہ اقبال نے اسی مضمون کو دوسرے لفظوں میں بیان کیا:

زندہ حق از قوتِ شبیری است
باطل آخر داغ حسرت میری است
بہر حق درخاک وخوں غلطیدہ است
پس بنائے لاالہ گردیدہ است

یعنی پیغام حق امام حسینؑ کی شہادت سے زندہ ہے جس نے باطل کو ہمیشہ کے لئے مایوس اور نابود کردیا۔
اور اسی حق کو بچانے کے لئے امام حسینؑ اور ان کے جانباز اپنے خون میں نہائے اور اس طرح اسلام کی مجدد بنیاد ڈالی اور اسے ہمیشہ کے لئے باقی رکھا۔

گوکھلے نے بہت حق بات کہی کہ ''اگر حسینؑ اپنی شہادت سے اسلام کے اصول کو از سرنو زندہ نہ کرتے تو یا تو اسلام مٹ جاتا اور اگر اسلام کا وجود ہوتا بھی تو بے اصول اور بدترین مذہب کی حیثیت رکھتا۔ ہم جانتے ہیں آج بھی جس شریعت میں حسینیت نہیں وہاں حقیقت اور معرفت نہیں۔

غیر مسلم ادیبوں شاعروں اور دانشوروں نے جو امام حسینؑ کو خراج عقیدت پیش کیا ہے وہ انسان ہونے کے ناطے اس عظیم فرشتے صفت انسان کے احسان کا کچھ بوجھ اپنے تئیں اتارنے کی کوشش ہے۔ ورنہ بقول فراق:
حسینؑ کی بلند اور پاکیزہ سیرت محسوس کئے جانے کی چیز ہے۔ ایسے الفاظ موجود نہیں جو امام کے کردار کی عظمت کے مکمل مظہر ہوں۔

مدح کے اس گلشن عشق میں ہر پھول کا رنگ الگ، خوشبو جدا، نام اور دام علاحدہ ہے۔ کوئی کہتا ہے ''محمدؐ اور حسینؑ کو اسلام کی تاریخ سے نکال دیں تو کچھ باقی نہیں رہتا۔ کوئی کہتا ہے ''اسلام مجموعہ ہے دو الفاظ کا، علم اور عمل، محمدؐ مجموعۂ علم تھے اور حسینؑ عمل۔''

کوئی کہتا ہے: ''حسینؑ پریم اور قربانی کا دیوتا ہے۔'' کوئی لکھتا ہے ''اگر شہید اعظیم حسینؑ کی قربانیاں نہ ہوتیں تو دنیا اخلاق اور مواقفت سے نا آشنا رہتی۔'' کوئی کہتا ہے: ''اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد'' کوئی غیرت دلاتا ہے۔ ''افسوس مسلمانوں نے اپنے رسولؐ کے نواسے کی یہ قدر کی۔ اگر یہ مجسمۂ صفات ہم اہل ہنود میں ہوتا تو خدا جانے ہم اس کو کیا سمجھتے۔ یہ تمام افکار بیداریٔ دل سے پیدا ہوتے ہیں اور ہر

وہ انسان جو بیدار ضمیر، وجدان، قلب اور فکر کا مالک ہے اس کا ملک کربلا اور اس کی مِلک حسینیت ہے اسی لیے وہ لبیک یا حسینؑ کا نعرہ لگا رہا ہے۔ ہاں حسینؑ ہر قوم کے رہبر ہیں مگر بے شک ہمارے مولاؑ اور آقا ہیں وہی ہمارے ماویٰ اور ملجا بھی ہیں۔ ہمارا رشتہ خون کی خوشبو کا رشتہ ہے اسی لئے ہم سب آل رضا کے شعر کی تلاوت کر کے یہ بتاتے ہیں۔

اک فخر سا محسوس ہمیں ہوتا ہے
جب کوئی بھی کہتا ہے ہمارے ہیں حسینؑ

سید تقی عابدی

ڈاکٹر تقی عابدی ایک محقق۔ کئی کتابوں کے مولف ادبی دنیا کی مانی ہوئی شخصیت ہیں آپ شاعر بھی ہیں اور ایک ڈاکٹر بھی۔

بسمہ سبحانہ وبذ کر ولیہ

مقدمہ

ڈاکٹر سید منظور نقی رضوی

لیجئے ایک ''گلدستہ عقیدت'' حاضرِ خدمت ہے۔ یہ ایک دیرنہ خواہش اور کوشش کا نتیجہ ہے، اور غیر مسلم عاشقانِ حسینؑ، مدبران قوم، اہل قلم اور شعراء کرام کے پھولوں سے سجایا گیا ہے۔

امام علیؑ کے قول کے مطابق اس دنیا میں دو طرح کے انسان ہیں، ایک وہ جو تمہارے دینی بھائی ہیں دوسرے جو ایک اللہ کی مخلوق ہونے کی حیثیت سے تمہارے بھائی ہیں۔

ہندوستان کے تمام مسلمانوں کو اہل ہنود سے سابقہ پڑتا ہے اور غیر متعصب حضرات اس بات کی تصدیق کریں گے اِن کی اکثریت شریف اعلیٰ اقدار کے حامل اور انسانیت کے قائل ہیں اور اس پر عمل پیرا ہیں۔ چند بدبختوں کو چھوڑ کر جو گندگی پھیلائے ہوئے ہیں۔ جو پوری قوم کو بدنام کئے ہوئے ہیں۔ اس قسم کے لوگ ہر مذہب اور ہر برادری میں مل جائیں گے۔

میرے والد مرحوم ومغفور گورنمنٹ اسکول میں ٹیچر تھے ہمیشہ ہندوں کا ساتھ تھا۔ اکثر اوقات اُن کے اخلاق کی قدر مسلمانوں سے زیادہ ہندو کرتے تھے۔ وہ انتہائی آزاد خیال غیر متعصب ہونے کے باوجود کبھی غیر کے ہاتھ سے نہیں کھاتے تھے، جب کبھی اسکول مین پارٹی ہوتی تھی تو اُن کے لئے پھل کا انتظام ہوتا تھا جس کو وہ خود دھوکر کھاتے تھے تا کہ کسی کی دل شکنی نہ ہو۔ عید بقرعید کے موقع پر تمام ہندو اسکول کے ٹیچر کا کھانا ہمارے گھر پر ہوتا تھا۔ ہندو باورچی بلائے جاتے تھے اور بغیر گوشت کا یہ کھانا تمام ہندو حضرات نوش فرماتے تھے۔

میڈیکل کالج میں اور اس سے قبل خود میرے ساتھی ہمیشہ ہندو رہے۔ خاص کر میڈیکل کالج میں چونکہ

پانچ سال ایک ساتھ رہنا ہوتا ہے اس میں ۱۰ تا ۱۵ کے گروپ بن جاتے ہیں جس میں اکثر ہندو ہوتے تھے۔ میرا تجربہ بھی دل خوشکن رہا۔ آپس میں بے انتہا سوجھ اور مفاہمت کی فضا تھی۔ کبھی ایک دوسرے کا دل دکھانے کی بات نہیں ہوئی۔ بلکہ ہمیشہ پیٹھ پیچھے دفاع اور سامنے محبت کی فضا قائم رہی۔ جاڑے کے موسم میں ایک بار ۵ بجے افطار کا وقت ہوگیا ڈاکٹر سدھیر سریواستوا کو خیال ہوا پوچھا تم نے روزہ کھولا میں نے کہا نہیں، زبردستی اپنے کمرے پر لے گیا، پانی سے روزہ کھولا اور پھلوں سے افطار کیا۔ میں مدرسۃ الواظین میں رہتا تھا وہاں ۱۵ شعبان کی ایک محفل میں اپنے کمرہ ہی پر کرنے لگا تھا۔ ایک سال جیب بالکل خالی تھی۔ ایک ہندو کو اس کا علم ہوا اس سال کے تبرک کے پیسے اس نے دئے۔ مجھے یاد ہے لکھنو کے ۸ ربیع الاول کے چپ تعزیہ میں سب سے لانبے ماتم دار ایک ہندو ہوا کرتے تھے جن کے سر پر بال نہیں تھے مگر چوٹی لانبی ہوتی تھی۔

ان سب ذاتی تجربات سے مجھے یقین ہے کہ ہندوؤں کی اکثریت سمجھدار اور انصاف پسند ہے خصوصیت سے وہ ہندو جنھوں نے اہلبیت کے بارے میں پڑھا ہے، وہ ان کے عاشق ہیں۔ اور عقیدت میں شیعوں سے کم نہیں، یہ دوسری بات ہے کہ ہم شیعوں کی تساہلی ہے کہ ہم نے امام حسینؑ کو پوری قوم سے متعارف نہیں کرایا۔

اس گلدستہ کو دیکھ کر آپ کو اندازہ ہوگا کہ ان کو امام حسینؑ سے کتنی عقیدت ہے اور اُن کے نظریات اس معاملے میں کتنے حقیقت پسند ہیں،

ہر مضمون اپنی جگہ پر ایک مستحکم ستون ہے اور جہاں حسینؑ کے زندہ جاوید ہونے کی دلیل ہے وہیں عقیدت مندوں کی بیدارئی مغز اور انسانیت کو ظاہر کرتا ہے۔

پنڈت برج ناتھ شرما ایڈوکیٹ لکھنؤ نے ایک بڑے پتے کی بات کہی ہے جس سے تمام ہندوستان خصوصیت سے اہل ہنود بہت متاثر نظر آتے ہیں ہیں۔:

''کہ کربلا کا وقعہ اس ملک کے لئے بڑی اہمیت رکھتا ہے، جب حضرت امام حسینؑ دشمنوں میں گھرے ہوئے تھے انھوں نے یزید کو یہ پیغام بھیجا تھا کہ اگر انھیں راستہ دیدیا جائے تو اپنے ہمراہیوں کے ساتھ ہندوستان چلے جائیں، لیکن یزید نے منظور نہیں کیا۔ یہ واقعہ بھارتیوں کے لئے ہمیشہ فخر کا باعث رہے گا کہ نام نہاد مسلمانوں پر بھروسہ نہ کرکے حضرت امام حسینؑ اپنی اور اپنے ساتھیوں کی زندگی اور عزت

بھارتیوں کے ساتھ میں محفوظ سمجھتے تھے۔آج بھی خدا کے فضل سے اسلامی اقلیت ہندوؤں کے اکثریت مین آزادی اورعزت سے زندگی بسر کرتی ہے۔اور دونوں میں تعلقات برادرانہ ہیں۔حسینؑ کی یادگار مین خدا کرے تعلقات دن بہ دن گہرے ہوتے جائیں اور دونوں مل جل کر خدا سے دعا کریں ''باطل سے حق کی طرف تاریکی سے روشنی کی طرف اور فنا سے بقا کی طرف تو ہماری رہبری کر''۔

اس گلدستہ عقیدت میں ایک سے ایک اچھے مضامین شامل ہیں جو قابل توجہ ہیں۔جناب پنڈت چندر کا پرشاد گلیا سو کا مضمون ''انسان کامل'' ایک طرح کا تحقیقی مقالہ ہے کہ کس طرح امام حسینؑ ہر میزان پر انسان کامل نظر آتے ہیں۔

جہاں تک شعراء کا تعلق ہے غالباً کوئی بھی معتبر شاعر ایسا نہ ہوگا جس نے امام حسینؑ کے بارے میں نہ لکھا ہو۔ان شامل شعراء کے کلام میں اُن کی عقیدت ان کی شاعری میں تاباں ہے۔

جناب بلدیو پرشاد صاحب کی یہ عقیدت قبل تقلید ہے:

موت سے بلدیوؔ نہیں ڈرتا حسینی دل کبھی
سوگ میں ماتم کناں جائیں گے ہم سنسار سے

گورسرن لال ادیبؔ کا شاعرانہ تخیل ملاحظہ فرمائیں

کربلا کی جنگ کو دیکھا مگر کچھ سہم کر
یاد جبرئیل امیں کو اپنے شہ پر آگئے

پنڈت ایشری پرشاد صاحب پنڈتؔ کی کمال عقیدت ملاحظہ ہو:

نکلیں جو غم شہ میں وہ آنسو اچھے
برہم ہوں جو اسی غم میں وہ گیسو اچھے
رکھتے ہیں جو حسینؑ سے کاوش پنڈتؔ
ایسے تو مسلمانوں سے ہندو اچھے

جگناتھ آزادؔ کے مرثیہ کا بیت دیکھئے:

آزاد نوک خار کے زد پر ہے پھول دیکھ
ہاں دیکھ انقلاب جہاں کا اصول دیکھ

یوگندر پال صاحب ایم اے کا مرثیہ شب عاشور پڑھئے اور پرسہ دیجئے

ارض وسما کے غم سے کلیجے دو نیم تھے

بیوہ تھی شام چرخ کے تارے یتیم تھے

ناممکن ہے تمام شعراء پر تبصرہ ہو سکے۔ آپ خود ملاحظہ فرمائیں محظوظ ہوں، تحریر کرنے والوں کو دعائیں دیں اور مجھے بھی دعائے خیر میں یاد رکھیں۔

درگاہ رب العزت سے سربسجود ہوں کہ ایک اور کام مکمل ہو گیا۔ شکر گذار ہوں اپنے بھائیوں اور دیگر معاونین کا خصوصیت برادر خورد باقر رضوی کا نہایت درجہ مشکور و ممنون ہوں برادر عزیز ڈاکٹر تقی عابدی کا کہ اپنی تمام مشغولیات کے باوجود تقریظ تحریر فرمائی۔ یہ ہمارے بہت قدیم دوست، ہم مجلس، ہم مشرب اور ہم پیشہ ہیں۔

میں یہاں تک پہنچا تھا کہ میرے پاس ڈاکٹر دھرمیندر ناتھ ابن ڈاکٹر گوپی ناتھ امن کی کتاب عزاداری ''حضرت امام حسینؑ۔ ایک آفاقی تحریک'' پہنچ گئی جس کی بہت دنوں سے تلاش تھی۔ یہ ایک کتاب نہیں بلکہ عزاداری حسینؑ کی انسائکلو پیڈیا ہے۔ ہر مقام۔ ہندوستان (خصوصیت سے) پاکستان، یورپ اور امریکہ کا تذکرہ نہایت صراحت اور فصاحت سے کیا گیا ہے۔ یہ اتنی عمدہ کتاب ہے کہ اس کا لطف پڑھنے میں ہے بیان میں نہیں۔ قابل ستائش ہے ایرانی کلچرل آفس دلی جس نے اسکو چھپوایا ہے، مگر قباحت یہ ہے کہ اس کا حصول بہت مشکل ہے اس میں بہت سی جگہوں کا تذکرہ ہے جس میں اہل ہنود اور اہل سنت شامل ہوتے ہیں۔ دو اقتسابات پیش خدمت ہیں۔

ناھرپور:

قصبہ ماہل کے قریب ایک گاؤں ناہر پور ہے جہاں شیعہ آباد ہیں اور عزاداری کے مراسم کرتے ہیں۔ ۱۹۹۷ء میں یہاں انجمن حسینیہ یوک دل قائم ہوا، جس کے سکریٹری کنہیا لال (کیوٹ) ہیں اس تنظیم کے ڈیڑھ سو سے زیادہ ممبر ہندو ہیں یہ لوگ باقاعدہ عزاداری کرتے ہیں۔ تعزیہ اُٹھاتے ہیں اور فاقہ شکنی کرتے ہیں۔ یوم عاشورہ ممبران لائی چنا کا انتظام کرتے ہیں جبکہ سنی ممبران چائے کا انتظام کرتے ہیں۔ ہندو نوحہ خوانوں میں بلدیو پرشاد، رام لال (نائی) ماتا پرساد (بنیا) رام پلٹ (بنیا) گاما

پرساد، بنارسی رام وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ماتم کرنے والے لڑکوں کی بھی خاصی تعداد ہے جو ماتم کرنے کے لئے دوسرے شہروں میں جاتے ہیں۔

ڈوراواں:

سکٹری تحصیل میں ڈورواں گاؤں آباد ہے یہ خالص چوہانوں (ہندو) کی بستی ہے۔ یہاں محرم میں ہر سال گاؤں والے تعزیہ اُٹھاتے ہیں اور یا حسینؑ کی صدا سے ماحول کو غمناک بنا دیتے ہیں۔ قصہ مشہور ہے کہ ٹوکڑی چوہان کے تینوں بیٹے لاولد تھے انہوں نے بارگہ حسینی میں دعا مانگی کہ اگر اُن کو اولاد ہوئی تو وہ محرم میں تعزیہ نکالیں گے۔ اُن کی مراد پوری ہوئی، تین بیٹے ہوئے، جن کا نام سالم۔ دینا، رام چین رکھا گیا۔ انہیں بھائیوں کی ساتویں پشت کے لوگ اس گاؤں میں آباد ہیں کل ۷۰ گھر کی آبادی ہے۔ دھرمو، بال گووند اور گنجن نے عقیدت سے تعزیہ بنایا تھا اُسے قرب و جوار کے گاؤں میں گشت کرا کے دفن کر دیا تھا۔ یہ روایت آج تک جاری ہے۔

محرم کی نویں کو تعزیے کے ساتھ جلوس نکالا جاتا ہے جس میں گاؤں اور قرب و جوار کے بستیوں جیسے بلوسرائے، سندرسرائے، (پٹھان بستی) اور امل پور کے تعزیوں ساتھ اس گاؤں کا تعزیہ بلوسرائے کی سرحد پر جمع ہوتا ہے اور یوم عاشورہ کو اِن تینوں تعزیوں کا ایک ساتھ میدانِ کربلا میں دفن کر دیا جاتا ہے۔

عزاداری حسینؑ میں اس بستی کے لوگ خاص دلچسپی لیتے ہیں۔ بدھو چوہان، راج دیو، سیتا، سہہ بلی دیپ چند، ستیہ دیو، لوٹن، بہاری، منی لال، رام لال مہندر، راجکمار، راجہ رام سنگھ، گلاب چوہان، دشرتھ چوہان، بجرنگی وغیرہ۔ اس گاؤں والوں نے بتایا کہ اولاً تعزیہ بنانے کا سامان برما اور عرب سے منگایا گیا تھا۔ سب سے چھوٹے بھائی رام آدھین نے اپنے ہاتھ سے تمبور بنایا تھا، جو تین سو سال سے آج بھی محفوظ ہے۔ اُس میں لگایا گیا چاندی کا علم، سونے کے جھومر آج بھی موجود ہیں۔ تعزیہ بنانے میں کپڑا استارہ، چادر ڈنڈے، چوکی اور چاندی کا استعمال روایت کے مطابق کیا جاتا ہے اور یہ بیری کی لکڑی

سے بنایا جاتا ہے۔
میں تمام جرائد، اُن کے مدیران شعراء کرام اور ادبا کا ممنون ہوں جن کی کاوشیں اس کتاب کی زینت بنی ہیں۔

والسلام
خاک پائے اہلبیت
ڈاکٹر سید منظور نقی رضوی

❁❁❁

شکریہ

قلب کی گہرائیوں سے ممنون و مشکور ہوں رب العزب کا کہ بطفیل محمدؐ و آل محمدؑ اس کتاب کی تالیف کی سعادت مرحمت فرمائی۔
ایک بار پھر مشکور ہوں ان ادباء و شعرائے کرام اور جریدوں کا جن کے مضامین یہاں شامل ہیں۔
مشکور ہوں ادارۂ اصلاح لکھنؤ کہ اس کی اشاعت میں ہر طرح سے مدد کی اور تعاون فرمایا۔ مشکور ہوں اپنے برادران کا جو ہمیشہ تعاون کرتے رہے اور ہمت بڑھاتے رہے خصوصاً برادر بزرگ پروفیسر تہذیب الحسن رضوی (بھائی جان) کا خصوصیت سے جنھوں نے ہمیشہ حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔
مشکور ہوں اپنے بچوں اور اپنی اہلیہ کا جو ہمیشہ خوشی اور خاموشی سے ساتھ دیتی ہیں۔

شہادت عظمیٰ پر سیاسی تبصرہ

(جرمنی کے مشہور عالم مورخ وفلاسفر ''میسو ماربین'' کی کتاب ''سیاست اسلامیہ کی ساتویں فصل کا ترجمہ)

محمدؐ کے نواسے حسینؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ بن عبدالمطلب بن ہاشم جمیع صفات حسنہ میں بہترین شخص سمجھے جاتے تھے۔ انہوں نے بہادری وراثۃً اپنے باپ سے حاصل کی تھی۔ ان میں سخاوت وصداقت اعلیٰ درجہ کی تھی۔ وہ نہایت خوش بیان تھے۔ اور اپنے جد کے احکام کو تمام مسلمانوں سے زیادہ جانتے تھے۔ اور ان میں ایسی خوبیاں تھیں جن کے تسلیم کرنے پر مخالفین بھی مجبور ہو جاتے تھے مزید برآں حسین کی اعلیٰ سیاست دانی سے بھی کسی کو انکار نہیں ہوسکتا ہے۔ کیونکہ ارباب دیانیات میں سے کسی شخص نے ایسی موثر سیاست اختیار نہیں کی۔ جیسی حسین علیہ السلام نے کی۔ باوجود یہ کہ ان کے باپ علیؑ حکیم اسلام تھے۔ اور ان کے حکمت آمیز کلمہ اقوال حکماء سے بہتر تھے۔ لیکن پھر بھی حسینؑ کی ایسی سیاست ان سے ظاہر نہ ہوئی۔ زمانہ جاہلیت عرب کی تاریخ دیکھنے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ بنی ہاشم اور بنی امیہ دو اہم قبیلے تھے۔ ان دونوں قبیلوں میں ایسی کدورت اور عداوت چلی آئی تھی کہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ عرب میں یہی دونوں قبیلے سر برآوردہ سمجھتے جاتے تھے۔ یعنی بلحاظ دولت و ثروت کے بنی امیہ اور بہ اعتبار علم اور روحانیت کے بنی ہاشم خانہ کعبہ کی خدمت وریاضت بنی ہاشم ہی سے متعلق تھی حتیٰ کہ شریف مکہ بنی ہاشم ہی ہوتے آئے۔ زمانہ بدلا اسلام میں بنی امیہ اور بنی ہاشم کی کدورت اعلیٰ پیمانہ پر پہونچ گئی تھی حالانکہ محمدؐ نے مکہ فتح کرنے کے بعد تمام قریش کو جن میں بنی امیہ شامل تھے) اپنا مطیع وفرمابنردار بنالیا اور بنی ہاشم کی اس نمایاں فتح مندی سے بنی امیہ کے دلوں میں حسد کی آگ زیادہ بھڑک اٹھی اور وہ اپنے دیرینہ کینہ کے انتقام کی تاک میں رہنے لگے۔ نوبت بہ اینجا رسید کہ محمدؐ کی وفات کے بعد بنی امیہ کی کوششوں سے محمدؐ کی جانشینی ولیعہدی کے اصول پر نہ ہونے پائی بلکہ

جانشینی کا فیصلہ بنی ہاشم کے خلاف رائے شماری[1] کی بناء پر ہوا۔جس کی وجہ سے بنی امیہ نے آئندہ اپنی ترقی کے لیے راہ صاف کر لی۔اور محمدؐ کے جانشینوں یعنی خلفاء کے مقرب بارگاہ ہو کر سلطنت اسلامیہ کے رکن بن گئے یہاں تک کہ محمدؐ کی تیسری جانشینی بنی امیہ میں مسلم ہوگئی اور وہ ہر قسم کے نظم ونسق کے مختار ہو گئے۔ بنی امیہ کو یہ بات نہایت شاق تھی کہ دین اسلام پر سکہ بنی ہاشم کا ہو اور وہ اس دین کی پیروی کریں۔گو بظاہر اس کی متابعت پر مجبور تھے لیکن جب ترقی کا ذریعہ ان کے ہاتھ آ گیا تو کھلم کھلا دینی احکام سے روگردانی کرنے لگے اکابرین نے جب (بنی ہاشم کا حضرت عثمان کے قتل میں کوئی حصہ نہیں تھا۔مدیر) یہ رنگ دیکھا تو انہوں نے تیسرے خلیفہ کی بعض بے اعتدالیوں پر مسلمانوں کو برانگیختہ کر کے مختلف قبایل کے بااثر لوگوں کی شرکت سے تیسرے خلیفہ کو جو بنی امیہ سے تھے قتل کرا دیا اور علیؑ کو چوتھا خلیفہ تسلیم کرا دیا۔ یہ دیکھ کر بنی امیہ میں پھر اضطراب پیدا ہوا۔اور معاویہ جو پہلے خلفا کی طرف سے شام کے مقتدر حاکم تھے۔ یہ بہانہ کر کے کہ عثمان کا قتل علیؑ کے اشارہ سے ہوا ہے مخالفت کا جھنڈا کھڑا کر دیا اور مسلمانوں میں اختلاف ڈال دیا۔ چنانچہ زمانہ جاہلیت کے اصول پر پھر تلوار میان سے باہر نکل پڑی اور اگرچہ معاویہ علیؑ پر غالب نہ آئے۔مگر مغلوب بھی نہ ہوئے نیز اس کشمکش کے اسباب اس قدر بڑھ گئے کہ بالآخر علیؑ مقتول ہوئے اور حسنؑ کو امر خلافت سے کنارہ کشی اختیار کرنی پڑی تاآینکہ معاویہ کو پورا غلبہ حاصل ہو گیا اور محمدؐ کی جانشینی بنی امیہ میں دوبارہ مسلم ہوگئی۔ چنانچہ معاویہ نے بنی ہاشم کی قوتوں کو ضعیف بلکہ ان کو نابود کرنے کی عملی کوشش کا کوئی دقیقہ فرد گذاشت نہیں کیا۔حسینؑ اگر اپنے بڑے بھائی حسنؑ کے خلاف کچھ کرنا نہیں چاہتے تھے لیکن پھر بھی بنی امیہ کے اثر و اطاعت سے بالکل علیحدہ رہے اور چونکہ انہوں نے بالاعلان کہہ دیا تھا کہ میں ناحق امر کی پیروی ہرگز نہ کروں گا۔ بلکہ راہ خدا میں مقتول ہوں گا اس وجہ سے بنی امیہ کو ان کی جانب سے اندیشہ پیدا ہو گیا حتیٰ کہ کچھ دنوں کے بعد حسنؑ نے وفات پائی۔اور معاویہ نے بھی یزید کو اپنا جانشین کر کے رحلت کی حسینؑ نے جب دیکھا کہ بنی امیہ کو دینوی سلطنت حاصل ہو چکی اور ریاست روحانی پر بھی وہ مسلط ہو چکے تو سمجھ لیا کہ بنی امیہ کے لوگ مسلمانوں کے عقیدے کو ان کے جد کے دین سے منحرف کر دیں گے نیز چاہے وہ یزید کی اطاعت کریں

---

[1] یہ غلط فہمی ہے۔کوئی رائے شماری نہیں ہوئی تھی۔ چند لوگوں کا فیصلہ قوم پر زبردستی تھونپا گیا تھا۔مؤلف

یا نہ کریں بنی امیہ اپنی دیرینہ عداوت اور انجام اندیشی کے خیال سے بنی ہاشم کے نابود کرنے کی پوری کوشش عمل میں لائیں گے۔ یہی وہ خاص وجہ تھی جس کی بنا پر حسینؑ نے بنی امیہ کے خلاف اسلام میں ریویولیوشن قایم کرنے کا مصمم قصد کرلیا۔ چنانچہ جس وقت سے یزید معاویہ کا جانشین ہوا۔ حسینؑ نے اس کی اطاعت سے انکار واجب سمجھا اور چونکہ وہ اپنی مخالفت کو کسی سے پوشیدہ نہیں کرتے تھے۔ لہٰذا یزید بھی ان کی بیعت لینے پر مصر ہوگیا۔ یہی وجہ تھی کہ حسینؑ نے اس اعلیٰ خیال کو جوان کے دماغ میں تھا۔ قایم رکھنے کے لیے دیدہ ودانستہ موت کو گوارہ کیا اور اسلامی دنیا میں ایک اعلیٰ ذہنی انقلاب کے قیام کو اپنی شہادت پر مقدم رکھا۔

جو شخص اس زمانے کے حالات یعنی بنی امیہ کے طرز معاشرت اور مسلمانوں کی سست اعتقادی سے بخوبی واقفیت رکھتا ہے وہ اس امر کی تصدیق میں ہرگز تامل نہیں کرسکتا۔ کہ حسینؑ نے اپنی جان دے کر اپنے نانا کے دین اور اسلام کے شرائع کو زندہ کردیا۔ اور اگر کربلا کا واقعہ پیش نہ آتا اور اس کی وجہ سے برقی احساس مسلمانوں میں پیدا نہ ہوتا تو ہرگز اسلام موجودہ حالت پر باقی نہ رہتا اور اس کے رسوم وقوانین بالکل معدوم ہوجاتے کیونکہ حسینؑ نے اپنے والد کے بعد ہی اس اعلیٰ مطلب کو پورا کرنے کا ارادہ پختہ کرلیا تھا۔ لہٰذا انہوں نے حکومت یزید کے تھوڑے ہی دنوں بعد مدینہ سے اس لیے سفر اختیار کیا کہ مسلمانوں کے بڑے بڑے مقامات میں پہونچ کر اپنے اعلیٰ خیالات کو منتشر کریں اور یہ ان کی سیاست کا مقدمہ تھا کہ جہاں وہ جاتے تھے وہاں کے مسلمانوں میں بنی امیہ کی جانب سے نفرت پیدا ہو جاتی تھی چونکہ یزید ان باریکیوں سے بے خبر نہ تھا۔ اور جانتا تھا کہ اگر مسلمانوں میں ہماری طرف سے نفرت اور حسینؑ کی جانب سے عقیدت بڑھتی گئی اور اسی حالت میں حسینؑ نے مخالفت کا علم بلند کردیا تو سلطنت بنی امیہ کا قلع قمع ہوجائے گا اس لیے اس نے تخت نشین ہوتے ہی تمام باتوں سے پہلے حسینؑ کے قتل کا پکا ارادہ کرلیا اور یہی وہ سیاسی غلطی تھی۔ جس نے بالآخر بنی امیہ کے نام ونشان کو صفحۂ ہستی سے نیست ونابود کردیا۔

حسینؑ اپنے والد کے وفات کے بعد ہمیشہ اپنے مقتول ہونے کی پیشین گوئی کیا کرتے تھے۔ اور جب انہوں نے مدینہ چھوڑا تو صاف صاف بآواز بلند کہہ دیا کہ میں مقتول ہونے کے لیے جارہا ہوں۔ نیز بطور اتمام حجت اپنے ہمرائیوں سے فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی شخص جاہ وجلال، مال ومتاع کا

خواہاں ہوتو وہ میرے ساتھ سے جدا ہو جائے۔پس قابل غور ہے کہ اگر حسینؑ اپنے ضمیر کے مطابق مقتول ہو جانے پر آمادہ نہ ہوتے تو جہاں تک ان سے ممکن ہوسکتا لشکر جمع کرتے نہ یہ کہ جو لوگ ہمراہ تھے ان کو بھی متفرق اور پراگندہ کر دیتے اور اس سے صاف ظاہر ہے کہ حسینؑ کو بجز اس کے اور کوئی بات منظور نہ تھی کہ مقتول ہوکر اپنے انقلابی مشن کو کامیاب بنائیں۔اور انہوں نے اسکا بڑا ذریعہ بیکسی اور مظلومیت میں مقتول ہونے کو سمجھا تا کہ ان کی انتہائی مصیبت لوگوں کے دلوں میں زیادہ تر موثر ہو۔اس میں کچھ شک نہیں کہ حسینؑ نے مسلمانوں میں جو محبوبیت حاصل کی تھی اس کے ساتھ وہ اپنی قوت کو بڑھا کر ایک بڑا لشکر فراہم کر سکتے تھے۔لیکن اگر وہ اس صورت میں قتل ہو جاتے تو یہی کہا جاتا کہ سلطنت کی خواہش میں مقتول ہوئے اور وہ مظلومیت جس کا عظیم الشان نتیجہ ریولیوشن تھا۔حاصل نہ ہوتا۔اسی وجہ سے انہوں نے اپنے ساتھ انہیں لوگوں کو رکھا جن کی جدائی ممکن نہ تھی۔ جیسے بیٹے، بھائی، بھتیجے بعض بنی اعمام اور معدودے چند احباب وفادار حتیٰ کہ ان سے بھی کہا کہ تم لوگ مجھے چھوڑ کر جہاں چاہو چلے جاؤ مگر ان لوگوں نے جو حقیقتاً اسلامی تقدس کے پتلے تھے اس بات کو منظور نہ کیا اور حسینؑ کے ساتھ ان کی جان نثاری نے واقعہ کی عظمت کو مزید اہمیت دی حسینؑ نے بنی امیہ کی اس عداوت کے افشا کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی جو ان کو بنی ہاشم اور آل محمدؐ کے ساتھ تھی اور وہ بخوبی جان چکے تھے۔کہ قتل کے بعد عورتیں اور بچے ضرور اسیر و مقید ہوں گے۔جس سے یہ واقعہ مسلمانوں میں اس قدر پر تاثیر ہو جائے گا۔جس کا تصور بھی محال ہے۔ چنانچہ فی الواقع بنی امیہ کے مظالم اور بے رحمانہ سلوک جو انہوں نے اپنے پیغمبر کے حرم و اطفال کے ساتھ کئے ۔ اہل اسلام کے قلوب میں اتنے موثر ہو گئے جو کسی طرح حسینؑ اور ان کے ہمرائیوں کے قتل سے نہ ہوتے۔اور جس کی وجہ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ بنی امیہ کو محمدؐ کے خاندان سے کس درجہ دشمنی ہے۔نیز اسلام کے ساتھ ان کے عقاید اور مسلمانوں کے ساتھ ان کے برتاؤ کیسے ہیں۔

تاریخیں اس بات کی شاہد ہیں کہ جب حسینؑ مدینے سے نکلے تو محدود خیالات والے ان کو اس سفر سے مانع ہوئے لیکن انہوں نے کھلے الفاظ میں کہہ دیا کہ میں مقتول ہونے جا رہا ہوں اور جب ان لوگوں نے اصرار کیا کہ عورتوں اور بچوں کو ساتھ نہ لے جایئے تو حسینؑ نے ان کو جواب دیا کہ مشیت ایزدی میں یہی مقرر ہو چکا ہے کہ میرے عیال اسیر و مقید ہوں۔جس سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ حسینؑ کے دماغ میں ریولیوشن کے بلند خیالی کے سوا کوئی دوسری غرض حصول مملکت وغیرہ کی نہ تھی جس کے لیے وہ اس

تہلکہ عظیم میں قدم رکھتے۔ چنانچہ اس واقعہ ہائلہ کے پیشتر ہی سے وہ اپنے مخصوص احباب کو تسلی دینے کے لیے سمجھایا کرتے تھے کہ میرے قتل کے بعد حق شناس لوگ ہماری مصیبتوں کو یاد کر کے روئیں گے۔ ہماری قبروں کی زیارت کریں گے اور آل محمدؐ کے دشمنوں سے بیزاری ظاہر کر کے خدا کے دین اور میرے نانا کی شریعت کو رواج دیں گے۔ سچ تو یہ ہے کہ حسینؑ نے اپنی مظلومیت اور بنی امیہ کی بنی ہاشم سے قلبی عداوت ظاہر کر دینے میں کوئی کمی نہیں کی اور یہ بات ان کی اعلیٰ سیاست اور قوت قلب کو بخوبی ثابت کرتی ہے۔

حسینؑ نے اپنی زندگی کے آخری لمحہ میں ایک ایسا محیر العقول کام کیا ہے۔ جس نے ان کی سیاست دانی کے آگے بڑے بڑے فلسفیوں کے سر جھکا دیئے باوجود زخمہائے کاری وسینہ فگاری وشدت عطش و بے قراری کے حسینؑ نے اپنے ریولیوشن کی تکمیل کا خیال دماغ سے نہیں نکلنے دیا بلکہ اسی سراسیمگی کی حالت میں خیمے سے اپنے شیر خوار بچے کو ہاتھوں پر اٹھا لائے اور اس کو بلند کر کے دشمنوں سے خطاب کیا کہ یہ بچہ تشنگی سے جاں بلب ہو رہا ہے۔ اگر تھوڑا پانی اس کو دے دو تو بڑا کام کرو گے۔ لیکن ان بے رحموں نے بجائے پانی دینے کے ایسا تیر مارا کہ وہ بچہ حسینؑ کے ہاتھوں پر تڑپ کر جان بحق تسلیم ہو گیا۔ گویا اس عمل سے حسینؑ کی یہ غرض تھی کہ بنی امیہ کی قلبی عداوت سے اہل عالم واقف ہو جائیں اور تصور کریں کہ یزید محض دفاع کے لیے ایسے ظلم کرنے پر مجبور نہ تھا۔ اس لیے کہ شیر خوار بچے کا ایسی بے دردی سے قتل کرنا جو ہر دین و مذہب وقانون کے منافی ہو سوا بہیمانہ عداوت کے اور کچھ ظاہر نہیں کرتا۔ اور یہی ایک نکتہ بنی امیہ کے قبائح اعمال اور خصومت دینیہ و دنیویہ کا پردہ فاش کرتا ہے نیز بالعموم اہل عالم اور بالخصوص اہل اسلام پر ظاہر کرتا ہے کہ بنی امیہ فقط جاہلانہ تعصّبات میں ایسی حرکات کے مرتکب نہیں ہوئے بلکہ احکام اسلام کی مخالفت بھی ان کی نیت میں شریک تھی اور اسی لیے وہ چاہتے تھے کہ بنی ہاشم کا کوئی اور عترت محمدؐ کا کوئی متنفس دنیا میں باقی نہ رہے۔

بنی امیہ کی دلی اور دیرینہ عداوت کا ثبوت اس بات سے بھی ہوتا ہے اگر حسینؑ نے مملکت یزید کے کسی شہر یا قریہ پر قبضہ کرنے کا ارادہ نہیں کیا۔ نہ کسی شورش یا بلوے کے باعث ہوئے مگر پھر بھی ان کو کمال تشدد کے ساتھ ایک میدان بے آب و گیاہ میں گھیر لیا گیا۔ حالانکہ اس وقت بھی وہ کہہ رہے تھے اگر تم مجھے جانے دو تو میں اپنے عیال واطفال کو لے کر کسی دوسرے ملک میں چلا جاؤں۔

حسینؑ سے پہلے بھی اکثر روحانی بزرگ اور ارباب دیانات بحالت ظلم قتل کئے گئے ہیں جیسے یحییٰ

اور مسیح وغیرہما مگر حسینؑ کے واقعہ قتل نے تمام گزشتہ وقایع پر فوقیت حاصل کر لی کیونکہ اگر چہ مقدس بزرگ کے قتل کے بعد ریولیوشن ہوا لیکن حسینؑ اس کے لیے بہت پہلے سے تہیہ کر چکے تھے اور کسی تاریخ سے ایسا نہیں معلوم ہوتا کہ ارباب دیانات میں سے بجز حسینؑ کے کسی شخص نے دین کی ترویج کے لیے اپنی ذات کو اپنے علم وارادے سے قتل کرا دیا ہو۔ چنانچہ حسینؑ کے اس بے نظیر ایثار سے مسلمانوں میں ریلیشن کا سیاسی احساس پیدا ہو گیا۔ لوگ بنی امیہ کو مخرب اسلام جان کر ان کے بدعتی امور کو رد کرنے لگے۔ انہیں ظالم اور غاصب سمجھنے لگے۔ اور برخلاف اس کے بنی ہاشم کو مظلوم اور مستحق ریاست جاننے لگے۔ نیز اسلام کی حقیقی روحانیت انہیں میں مسلم مانی گئی۔ گویا مسلمانوں میں نئی زندگی حاصل کی۔ اور اسلام کی روحانیت کے لیے تازہ رونق پیدا ہو گئی۔

حسینؑ کے ریولیوشن کا پہلا نتیجہ یہ ہوا کہ ریاست روحانی جو بڑی مہتمم بالشان چیز ہے۔ از سرنو بنی ہاشم اور بالخصوص خاندان حسینی میں مسلم ہو گئی۔

واقعہ کربلا کے بعد ہی یزید کو حسینؑ کا نام عظمت ومظلومیت کے ساتھ اور اپنا ذکر شماتت اور ملامت کے ساتھ سن کر سکوت کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آیا تھا۔ ایک دن کہنے لگا کہ حسینؑ کا بادشاہ ہو جانا مجھ پر آسان تھا۔ بہ نسبت ان کلمات کے جن کا سننا میرے لیے دشوار ہے۔

الغرض بنی امیہ کے مظالم اور آلؑ نبی کے صبر واستقلال نے بنی امیہ کو آخر کار اس درجہ بے نام ونشان کر دیا کہ کسی کو ان کا پتہ نہیں چلتا۔ اور ایک شخص بھی ایسا نظر نہیں آتا۔ جو بنی امیہ ہونے کا اقرار کرے۔

چنانچہ کہا جاتا ہے کہ سلاطین قاچاریہ جو اب ایران میں سلطنت کرتے ہیں بنی امیہ سے ہیں لیکن ان کو بنی امیہ ہونے سے قطعی انکار ہے اور وہ اس سے اپنی برأت ظاہر کرتے ہیں۔

سلاطین امویہ کے بعد تخت سلطنت پر بنی عباس مسلط ہو گئے اور اگر چہ ان کو یہ مرتبہ حسینؑ ہی کے ریولیوشن کی برکت سے ملا۔ مگر سلطنت پاتے ہی انہوں نے بھی اس خوف سے کہ کہیں اسلامی سلطنت رفتہ رفتہ حسینؑ کے خاندان میں نہ منتقل ہو جائے حسینؑ کے تابعین پر نہایت درجہ تشدد کرنا شروع کیا۔ یہ دیکھ کر حسینؑ کے تابعین نے ریولیوشن کی صورت میں یوں بدل دی کہ ایک جگہ مجتمع ہو کر واقعہ کربلا اور مصائب حسینؑ کے ذکر سے ریولیوشن کے مادے کو تازگی دینے لگے۔ جب سلاطین عباسیہ اس مطلب کو سمجھے تو حسین کے تابعین پر ظلم وتعدی کی اس قدر زیادتی کی کہ جس شخص سے بھی علیؑ اور حسینؑ کی پیروی

آشکار ہوتی اس کو سخت سزا دی جاتی تھی۔ چنانچہ اسی سلسلے میں حسینؑ کے ہزاروں تابعین محبوس ومقتول ہو گئے لیکن باوجود اس سختی وتشدد کے بھی ریولیوشن کا مادہ حسینؑ کے تابعین سے دور نہ کر سکے بلکہ جس قدر انہوں نے سختی کی۔اسی قدر اس کی قوت بڑھتی گئی تا آنکہ بنی عباس کی سلطنت کا بھی خاتمہ ہو گیا۔اور حسینؑ کے بعد روحانی ریاست یکے بعد دیگرے انہیں کی اولاد میں رہی۔حسینؑ کے تابعین نے عزاداری کو جزو اعظم قرار دیا ہے چنانچہ آج تک جہاں کہیں مسلمان آباد ہیں۔وہاں حسینؑ کی عزاداری نمود کے ساتھ ہوتی ہے حتیٰ کہ دوسری قومون اور مذہبوں میں بھی رفتہ رفتہ اس کا اثر سرایت کر گیا۔بالخصوص چین اور ہندوستان میں حسینؑ کی عزاداری شروع ہوئے تقریباً سو برس سے زیادہ نہیں گزرے مگر اس تھوڑی مدت میں اس کی اشاعت ہندوستان کے اس سرے سے اس سرے تک ہوگئی اور برروز ترقی پذیر ہوتی ہے۔ اب سے سو برس پہلے ہندوستان میں علیؑ اور حسینؑ کے پیرو گنتی کے نکلتے تھے لیکن آج شمار کی حیثیت سے وہ تیسری قوم قرار پا گئے۔

ہم جس وقت اپنے مشنری لوگوں (مسیحی مبلغین) کا پروگرام دیکھتے ہیں اور موازنہ کرتے ہیں۔تو معلوم ہوتا ہے کہ قوت وثروت کے باوجود ہمارے مشنریوں کو تابعین حسینؑ کی ترقی کا دسواں حصہ بھی نہیں ملا۔راقم کے نزدیک محمدؐ کے قانون کی حفاظت نیز اسلام اور مسلمانوں کی ترقی حسینؑ ہی کے ریولیوشن سے ہوئی۔اور جب تک مسلمان حسینؑ کی عزاداری کے عامل رہیں گے کبھی بلندی کے سوا پستی اور زیردستی کی صورت نہ دیکھیں گے۔

❁❁❁

تجلیات فکر
جوبلی نمبر انجمن پنجتنی آگرہ
جناب نواب شیخ احمد حسین
مولف تاریخ احمد
محرم ۷۸ سنہ ۱۳ھ

محرم کی برکتیں

نوشتہ پروفیسر سی فلپ آف آگرہ کالج

یہ امر مسلمہ ہے کہ ہندوستان ایک حد درجہ مذہبی ملک ہے اور دنیا کے کسی ملک کے باشندے اپنے مذہبی تہوارں کو اس جوش وخروش سے نہیں مناتے جب کہ ہندوستان والے چند ہی ہفتے قبل ہمارے مسلمان بھائی عید کی خوشی میں ایک دوسرے کو مبارک باد دے رہے تھے اور بغل گیر ہو رہے تھے یہ تہوار مسرت وانبساط کے موسم کے خاتمے کا نشان ہے اور اس کے ختم ہوتے ہی معاشرتی خوشیاں ختم ہو جاتی ہیں چند ہی دنوں میں چاند دکھائی دے گا اور خوشی کی چہل پہل اور دھوم دھڑ کے کی جگہ دن رات سوتے جا گتے طبلوں کی گونجنے والی آواز ہمارے پیارے شہر آگرے کے گوشے گوشے سے سنائی دینے لگے گی۔ یہ صدا طبل جنگ کی نہیں ہے اور نہ اس میں جدال کی ہنگامہ آرائیاں ہیں بلکہ محرم کی۔ ابتدا کی علامت ہے اور حضرت حسینؑ اور ان کے رفقاء کی شہادت کی یادگار ہے ان لوگوں نے ایک لشکر عظیم کا بڑی بہادری سے مقابلہ کیا اور مصیبت سے نہ ڈرے اور حق وصداقت کے لیے شہادت پائی۔

اس ماہ کی ابتدائی ہفتہ میں دولت منداور سخی مسلمان بھائی غربا کو کھلاتے اور خیرات دیتے ہیں۔ وہ ایسے جلسے یا مجلسیں کرتے ہیں جہاں ان کے مقدس نبیؐ کے نواسے کے کارناموں اور شہادت کے بارے میں مرثیے پڑھے جاتے ہیں۔ ان کے سننے کے لیے ایک بڑی تعداد میں لوگ مدعو ہوتے ہیں۔ راقم الحروف کو ایک بار خوشی قسمتی سے محرم کے زمانہ میں لکھنؤ میں قیام کرنے اور وہاں کی عزداری میں شرکت کر نے کا موقع ملا تھا۔

امامباڑوں میں خوب چراغاں کیا گیا تھا اور عمارت کے وہ اندرونی حصے جہاں مجلسیں ہوتی تھیں

بڑے بڑے جھالروں سے روشن تھے۔ پوری عمارت بقعہ نور بنی ہوئی تھی اور ایک متین خاموشی اس پر چھائی ہوئی تھی۔ مسلمان بھائی بانس کی تیلیوں کے تعزیئے بناتے ہیں اور اسے رنگین کاغذ، ابرک اور پنی سے خوب سجتے ہیں۔ ان تعزیوں کو سڑکوں پر گھماتے ہیں۔ ایک دوسرے سے چند گزے فاصلہ پر رہتے ہیں۔ عورت مرد سب اپنی اپنی نذریں ان پر چڑھاتے ہیں۔ بلا آخر محرم کے آخری دن یعنی عشرے کو ان تعزیوں کو کربلا کے میدانون میں دفن کر دیتے ہیں۔ کربلا عراق میں وہ زیارت گاہ ہے۔ جہاں امام حسینؑ کی شہادت واقع ہوئی اور جہاں پر وہ دفن ہیں یہ حضرت رسولؐ کے ماننے والوں کے لیے ایک حد درجہ مقدس اور پاکیزہ مقام ہے۔

فی زمانہ یہ مسئلہ بہت کچھ زیر بحث ہے کہ مسلمان بہ نسبت دوسرے مذاہب والوں کے زیادہ افلاس زدہ اور بے کار کیوں ہیں۔ اس کا خاص سبب یہ ہے کہ مسلمان باعزت مزدوری سے گریزاں ہیں اور پریشان حالی میں زندگی بسر کرنے کی طرف مائل ہیں۔ محرم کے تہوار کا اقتصادی اثر یہ ہے کہ ان میں سے بہت سے لوگوں کو اپنی اپنی معاش حاصل کرنے کے مختلف مواقع اور ذرائع بہم پہنچ جاتے ہیں۔ یہ امر قابل طمانیت ہے کہ یہ پس افتادہ قوم بھی اب مزدوری کی اہمیت کو سمجھتی جاتی ہے۔ کاہلی کو ترک کرنے لگی اور افلاس اور تنگ وستی کی ناخوشگوار زندگی سے تنگ آ چکی ہے۔ ان میں سے بوڑھوں اور جوانوں کی ایک بڑی جماعت تعزیوں کے بنانے میں لگ جاتی ہے اور انہیں صنعت اور کاری گری کا مجموعہ بنا کر پیش کرتی ہے۔ کس قدر صحیح ہے۔ یہ مقولہ کہ تم اپنی معاش اپنی پیشانی کے پسینے سے ہی حاصل کر سکتے ہو۔ بہر نوع اگر ہمارے بیکار مسلمان محنت اور مزدوری کے عادی ہو جائیں تو وہ زمانہ کچھ دور نہیں کہ یہ پس ماندہ قوم بھی ہندوستان کی ترقی یافتہ قوموں کی دوش بدوش دکھائی دے۔

مسلمانوں میں مختلف فرقے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک اپنے مذہبی نقطہ نظر سے محرم مناتا ہے۔ سال میں ایک بار تمام دور افتادہ احباب واعزا اپنے اپنے وطن چلے جاتے ہیں۔ ان ایام عزا کے منانے کے ذریعہ ایک دوسرے سے مل لیتے ہیں وہ لوگ جن کو مذہبی معاملات سے زیادہ دلچسپی نہیں کرتے ہیں تو ان میں ایک طرح کی مذہبی بیداری پیدا ہو جاتی ہے اور وہ ان مجلسوں سے بہت کچھ اپنے دین کے متعلق سیکھتے ہیں۔

بعض وقت فسادات اور تصادم بھی ہو جاتے ہیں لیکن ایسے فسادات کو تمام بافہم اصحاب حد درجہ

مذموم سمجھتے ہیں۔محرم کا زمانہ حد درجہ پاکیزہ دھیان کا زمانہ ہے۔اسے ہر طرح کی بری خواہشات سے پاک ہونا چاہئے۔

اوراس میں اخوت ومحبت کا وفور ہونا چاہئے ایسے ہی معاملات میں شرکت سے اخوت ومحبت میں استواری ہے۔اتحاد ہی قوت ہے اور جب تک کہ ہمارے نسلی اور مذہبی اختلافات بالکل فنا نہ کر دیئے جائیں۔اس وقت تک ہم ترقی راہ پر کسی طرح گامزن نہیں ہو سکتے۔

(انگریزی سے ترجمہ)

محرم نمبر ۱۳۵۴ھ

سرفراز

ذلّت کی زندگی سے عزّت کی موت بھتر ھے

(وہ معرکہ آرا تقریر جو پنڈت ویاس دیو صاحب مصرا بیرسٹرایٹ لاء نے بمقام لاہور ''حسین ڈے'' کے جلسہ میں فرمائی)

ہفت روزہ اسد۔ لاہور۔ مجاہد اعظم نمبر ۷ ۱۳ھ

ذلت کی زندگی سے عزت کی موت بہتر ہے۔ یہ ہے وہ قول جناب امام حسینؑ کا جس پر معرکہ کربلا ہوا۔ اور یہی وہ قول ہے جس پر دنیا آخر تک چلتی رہے گی۔

اس میں دو چیزیں بہت غور طلب ہیں۔ یعنی ''عزت'' کیا ہے اور ''ذلت'' کیا ہے۔ عام دنیا کے نزدیک عزت وہ ہے۔ جو عموماً انسان دوسروں کو دیکھ کر کہا کرتے ہیں کہ فلاں شخص مال وزر رکھتا ہے صاحب جاہ وجلال ہے۔ شان وشوکت کا مالک ہے۔ اور بڑا ہی باعزت ہے، ان کا نظریہ یہ ہے کہ بغیر ان چیزوں کے عزت حاصل نہیں ہوتی۔ مگر یہ انسان کی بہت بڑی غلطی ہے کہ وہ مادی اور فانی چیزوں کو ''عزت'' کا نام دیتا ہے۔ درحقیقت عزت وہ ہے۔ جو خدا خود دیتا ہے۔ اور یہی عزت لافانی ہے۔ اگر ایک صاحب زر کو خدا نے عزت نہیں دی، تو یقیناً وہ ہمیشہ ذلیل رہے گا۔ پس آپ کے اس قول کو مدّنظر رکھتے ہوئے دیکھیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنی زندگی کس طرح گزاری۔

ابتداء سے آج تک زندگی کا مقصد اسی قول کے مطابق حاصل کیا جاتا رہا ہے۔ اگر عزت صرف مال وزر جاہ وحکومت سے ہوتی تو جناب رسول خداؐ اپنے لیے بڑے بڑے محل بناتے دولت جمع کرتے اور قیمتی پوشاکیں پہنتے۔ مگر آپ دیکھیں گے۔ انہوں نے ایسا نہ کیا اور فقیرانہ زندگی بسر کی۔ دنیا نے ذلیل کرنا چاہا اور اعداء نے راستے چلتے وقت آنحضرت پر کوڑا کرکٹ پھینکا اور ذلیل کرنا چاہا مگر ان خرافات سے آپ کی عزت میں کچھ نہ فرق آیا۔ بلکہ آپ کی عزت وتوقیر بڑھ گئی اور اعداء ذلیل ہوتے رہے۔

حضرت علیؑ کی مثال لیجیے جب بیت المال میں کچھ روپیہ جمع ہوتا تو اپنے غلاموں سے کہتے جاؤ سب کچھ غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم کردو اور آپ ذکر الٰہی میں مشغول ہوجاتے جب غلام سب کچھ تقسیم کرکے آپ کو اطلاع دیتا تو سجدۂ شکر بجالاتے۔ ان کی نگاہ میں مال وزر کی بس اتنی ہی قدر تھی کہ وہ جلد

سے جلد سے مستحقین کوتقسیم کر دیں اور بارگاہ ایزدی میں عزت کے طالب ہوں۔

اسی لیے رسول خداؐ نے ہمیشہ یہی دعوت دی کہ دنیاوی جاہ وجلال کا خواہاں نہ ہونا چاہئے ہمیشہ صراط مستقیم پر چلنا چاہئے تاکہ مرنے کے بعد خداوند عالم عزت بخشے۔ آپ نے اپنے اخلاق کردار سے ہدایت دی۔ مگر رسول خداؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی دنیا ان کے بتائے ہوئے راستوں کو بھول گئی اور اہلبیت رسولؐ پر مصائب کا آغاز ہوگیا۔ وہ مسجد جس میں پناہ ملنی چاہئے اسی میں رسولؐ کے جانشین حضرت علیؑ کو شہید کر دیا۔ حضرت امام حسنؑ نے تمام حکومت وسلطنت کوٹھکرا کرلڑائی کا خاتمہ کر دیا۔ اور صلح کر کے امن قایم کیا۔ اس کے باوجود انہیں زہر دیکر شہید کر دیا اور کسی نے اس جرم کی تحقیق نہ کی۔ بات آئی گئی ہوگئی۔ راز راز ہی رہ گیا۔

اب امام حسینؑ کی باری آئی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ امام حسینؑ نے حکومت کے لیے لڑائی کی۔ یہ خیال بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔ اگر اس امر کے لیے لڑائی کرنا ہوتا تو اس وقت لڑائی شروع کر دیتے جب امام حسنؑ کے جنازے پر تیر برسائے جا رہے تھے۔ مگر اس وقت جنگ نہ کی۔ اور نہ اس وقت تلوار اٹھائی۔ جب معاویہ نے صلح کی شرائط کی خلاف ورزی کی۔ امام خاموش رہے اور بھائی کی صلح کو قائم رکھا۔

بعضوں کا قول ہے کہ جب امام حسینؑ جنگ کے خلاف تھے تو ایسی جگہ اور ایسے لوگوں اور ایسے بادشاہ کی سلطنت میں کیوں گئے۔ جہاں ان کی جان کا خطرہ تھا اور جن لوگوں نے ان کے پدر بزرگوار اور بڑے بھائی کو شہید کر دیا تھا۔ ایسے حالت میں بہتر یہی تھا کہ امام حسینؑ کسی اور طرف چلے جاتے۔

ایسے لوگوں کے ان اعتراضات کو جوابات اتنا ہی کافی ہے کہ آپ ایسی موت مرنا چاہتے ہیں کہ جس کا علم ہر ایک کو ہو جائے کہ کس نے شہید کیا اور ظلم کس کی طرف سے ہوا کیونکہ اسی سے قبل حضرت علیؑ کی شہادت ہوئی اور امام حسنؑ شہید ہوئے مگر کوئی تفتیش نہیں ہوئی کسی نے سراغ لگانے کی تکلیف نہ اٹھائی اور ان واقعات پر پردہ ڈال دیا گیا۔ امام حسینؑ نے میدان جنگ میں شہید ہو کر یہ ظاہر کر دیا کہ شہادت علیؑ اور حسنؑ کے مرتکب کون تھے۔ حسینؑ کی وہ شہادت ہوئی کہ دنیا قیامت تک اسے بھلا نہیں سکتی۔ ظالم ہمیشہ ظالم اور مظلوم ہمیشہ مظلوم رہے گا۔ اور یہیں سے حق وباطل کی حدیں قائم ہوگئیں۔

دوسری طرف لڑائی میں عام طور پر وہ لوگ جاتے تھے، جو مال غنیمت کے طالب ہوتے تھے۔ اور جہاں مال وزر کی امید کم ہوتی تھی۔ بھاگ جاتے تھے۔ لیکن امام نے اپنے ایسے اصحاب منتخب کئے

کہ جو محض رضائے خداوندی کے منتظر تھے۔ اور اپنی جانوں کو امام کے قدموں پر قربان کرنا اپنا مقصد حیات سمجھتے تھے۔ دنیا لڑائی کے لیے فوج تیار کرتی ہے۔ اور سپاہیوں کو طرح طرح کا لالچ دیا جاتا ہے۔ لیکن امام کی فوج اس سے مختلف تھی۔ ان میں بچے بھی تھے ان میں مستورات بھی تھیں۔ ان میں نوجوان بھی تھے۔ اور ان میں ضعیف العمر بھی تھے۔ اور امام ہر منزل پر ان سے کہتے جاتے تھے کہ میں تو قتل ہونے جا رہا ہوں۔ لوگ میرے خون کے پیاسے ہیں تم لوگ واپس چلے جاؤ۔ اور میرے ساتھ خطرہ میں نہ پڑو۔ مگر رفیقان امام جانتے تھے کہ کس طرح عزت ملے گی اور رضائے خداوندی کدھر ہے۔ جتنا امام اپنی شہادت کی خبر دیتے تھے۔ اتنا ہی ان جان بازوں کا جذبۂ شہادت زور مارتا تھا۔ اور وہ موت کو لبیک کہتے تھے۔

اکثر لوگ یہ کہہ دیتے ہیں کہ امام حسینؑ سیاست نہیں جانتے تھے ہاں جسے ہم سیاست سمجھتے ہیں اسے واقعی آپ نہ جانتے تھے۔ ہماری سیاست یہ ہے کہ مکر کیا جائے، فریب دیا جائے، اور دھوکے بازی سے کام لیا جائے۔ مگر امام عالی مقام ان تمام برائیوں اور اس قسم کی سیاست کو برا جانتے تھے۔ مگر حق مبین کے لیے امام حسینؑ زبردست سیاست دان تھے۔ اور اپنے مقصد میں ہر قدم پر برابر کامیاب ہوتے رہے آپ کی سیاست کی اصل یہ تھی کہ حق و باطل میں ہمیشہ کے یے فرق ہو جائے باطل کے سامنے نہ سر جھکا ہے، اور نہ جھکے۔ اس کے برعکس یزید کی سیاست کیا تھی۔ یہی کہ امام اس کے ہاتھ پر بیعت کر لیں، تاکہ حرام کاری، مکروفریب، زنا کاری وعیاشی، سب حلال اور عین مذہب ہو جائیں۔

اس مرحلہ پر اس دنیوی سیاست کو حضرت امام حسینؑ خوب جانتے تھے۔ آپ اپنے ساتھیوں سمیت بڑھ رہے تھے۔ پوچھا گیا کہاں جا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ لوگوں نے دعوت دی ہے، کہ وہ حق کا ساتھ دیں گے۔ اور باطل کو ترک کر دیں گے۔

اگر امام اس دعوت کو قبول نہ کرتے تو آج تک لوگ یہ کہتے کہ کیسے امام تھے، کہ متواتر خط پر خط بھیجے جا رہے تھے کہ آکر اپنے نانا کے دین کو پھیلائیں۔ لیکن وہ اپنے کنبے اور اپنی جان بچانے کی فکر میں تھے۔ اور مسلمانوں کی دعوت قبول نہ کی۔

مگر امام جانتے تھے کہ حق کی راہ کیا ہے۔ اور اس پر چلنے کے لیے جانیں دینا ہوں گی۔ اور یہ یقین رکھتے تھے اگر اس راہ میں اپنا تمام کنبہ قربان ہو جائے۔ اور بھرا گھر اجڑ جائے تو بھی مضائقہ نہیں۔ مگر راہِ

حق دنیا پر نمایاں ہوجائے۔کیا کہنا حسینؑ کی سیاست کا۔دشمن اپنے گھوڑوں سمیت تشنگی کی شدت سے چور ہوکر امام کے سامنے آتا ہے، اور ایسے ہی موقعوں پر دنیا کے سیاست داں دشمن کو پسپا کردیتے ہیں بلکہ اگر یہ معلوم ہوگیا وہ دشمن فلاں مقام پر گھرا ہوا ہے۔تو آب وغذا بھی بند کردیتے ہیں تاکہ یا تو وہ مطیع ہوجائے۔یا تڑپ تڑپ کے مرجائے۔مگر واہ رے حسینؑ کی سیاست، دشمن کو بھی پانی پلایا۔اور دشمن کے گھوڑوں کو بھی پانی سے سیراب کیا۔ یہ تھی سیاست حسینیؑ ،مگرایک یزیدی سیاست کا رخ دیکھ لیجئے۔ ساتویں سے امام پر امام کے اہل وعیال پر اور رفیقوں پر پانی بند ہے۔فوج کثیر نے دریا پر گھیرا ڈال رکھا ہے۔سوال یہ ہے کہ بیعت کرو۔ یا لڑائی کے لیے تیار ہوجاؤ۔اُدھر ۳۵ ہزار، اور اِدھر گنے گنائے صرف ۷۲، جن میں ایک ششماہہ بھی ہے۔

آخر شب عاشور بھی آئی۔امام نے ایک شب کی مہلت عبادت الٰہی کے لیے مانگی۔تمام جانثاروں، عزیزوں اور دوستوں کو جمع کیا۔اور عاشور کے مصائب سے انہیں پھر آگاہ کیا۔اور خواہش کی کہ جو جانا چاہیں۔وہ چلے جائیں۔ بلکہ بیعت بھی اٹھالی، تاکہ جانے میں تامل نہ ہو۔جب کوئی نہ گیا تو شمع گل کردی۔ اور کہا کہ اس رات کی تاریکی میں جو جانا چاہیں چلے جائیں۔مگر کوئی نہ گیا۔اور سب نے کہا کہ ایک بار کیا، اگر ستّر دفعہ بھی قتل کئے جائیں اور زندہ ہوں۔تو پھر جانیں انہیں قدموں پر نچھاور کردیں گے۔ یہ تھی سیاست حسینؑ جو دلوں پر حکومت کررہی تھی۔کب دنیا میں کوئی ایسی مثال ملتی ہے۔میں سچ کہتا ہوں کہ اگر یزید اپنی فوج سے کہتا کہ تم سب کو کل مرجانا ہے اور یقینی مرنا ہے۔اور جس کا جی چاہے وہ خوشی سے چلا جائے مجھے عذر نہیں تو یقینا چراغ بجھانے کی بھی ضرورت نہ پڑتی اور تمام فوج جان بچا کر بھاگ جاتی۔

حسینؑ کا مقصد بقائے اسلام تھا۔ یزید کی بیعت گوارا نہ کی۔عزت کی موت کو ذلت کی زندگی پر ترجیح دی۔اسی اصول پر قائم رہے اور اسی اصول پر قائم رہنے کی دعوت دی۔

اس شہادت نے دنیا پر واضح کردیا کہ حق کے راستے پر کون ہے۔اور باطل کے راستے پر کون اور آج دنیا کی ہر قوم حسین کو شہید راہ مستقیم مانتی ہے۔اور ان کے اس قول ''ذلّت کی زندگی سے عزت کی موت بہتر ہے۔'' پر عمل کرنے کو اپنا ایمان اور اصل انسانیت سمجھتی ہے۔

❁❁❁

حسین علیہ السلام نے اپنی قربانی سے انسانیت کی لاج رکھ لی

از عالیجناب نیک رام صاحب از کوہ کسولی

مجھے اس پر ناز تھا کہ دنیا کا کوئی واقعہ خواہ کتنا ہی اہم کیوں نہ ہو میرے دل پر اثر نہیں کرسکتا، ہر وقت خوش رہنا طول حیات کا باعث سمجھتا تھا۔ایک روز اپنے کار ہائے روزمرہ سے فارغ ہو کر صحن مکان میں بیٹھا ہوا تھا کہ یکا یک طبیعت گھبرائی، ذرا دور نکل کر ٹہلنے لگا مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی ۔ ہر چند کوشش کی کہ کسی طرح دل بہلے مگر انتشار بڑھتا گیا جس سمت نظر اٹھی ہر شے پر اداسی کا عالم نظر آیا۔ ذروں کا پریشان ہو کر اٹھنا اور پھر بیٹھ جانا۔بلبل کا گلوں سے الگ بیٹھنا،گلوں کا رنگ زدہ پڑ جانا ہوا کا خاموش رہ کر سناٹا پیدا کرنا، ابھی اشیاء ارضی پر بھی غور کر رہا تھا کہ نگاہ بلند ہو کر شفق پر رک گئی۔غیر معمولی سرخی نے اور بھی مضطرب کر دیا۔نگاہ اور اٹھی تو چاند پر سیاہ داغ زیادہ معلوم ہوئے۔ابھی چاند سے نگاہ نہ مڑی تھی کہ ستارے ٹوٹتے ہوئے نظر آئے اور ایک ستارہ دوسرے ستارہ کے پاس جا رک جاتا تھا جیسے کوئی پرسا دینے جاتا ہو۔آخر میں بھی بشر تھا۔دل بھر آیا۔اور اشتیاق ہوا کہ معلوم کرنا چاہئے کہ آخر آج یہ زمین و آسمان کے رہنے والے کس کے سوگوار بنے ہوئے ہیں سرنگوں ہو کر عالم تصور میں سمند رفکر کو عرصۂ تحقیق میں دوڑا یا یکا یک میری نظر میں عرب کے ایک تپتے ہوئے ریگستان پر جا کر اٹک گئی ۔ سامنے ایک لق ودق چٹیل میدان میں ہزار ہا خیام نصب دیکھے۔جن میں شاہانہ جشن منائے جا رہے تھے ۔کوئی شراب میں مست تھا۔کوئی تلوار پر صیقل کر رہا تھا۔غرض ایک ہلڑ تھا اور معلوم ہوتا تھا۔کہ یہ تمام لوگ بڑے خوشحال ہیں اچانک کانوں میں کچھ ایسی بھنبھناہٹ کی صدا آئی جیسے شہد کی مکھیوں کے چھتے میں پیدا ہوتی ہے۔بعد از جستجو دریا سے دور چند خیمے اور نظر آئے جنہیں کچھ بوڑھے کچھ جواں اور کچھ کمسن فرش پر بیٹھے ہوئے ہاتھوں میں تسبیحیں لیے ہوئے ذکر خدا میں مشغول دیکھے ایک سمت سے کچھ بچوں کے رونے کی آواز آئی اور دم بدم ان کا گریہ بڑھتا گیا۔معلوم ہوتا تھا کہ اپنی ماؤں سے کوئی چیز مانگتے ہیں اور نہ ملنے

پر زیادہ ہٹ کرتے ہیں۔ یکا یک جنگی باجے کی آواز ان میں آئی۔ فوجوں نے اپنی جگہوں سے حرکت کی۔ صحرا گرد و غبار سے مڑ گیا۔ اور ہزاروں فوجوں نے ان مقدس بزرگوں کو گھیر لیا۔ انہوں نے بھی اپنی تسبیحوں کو چھوڑ کر تلواریں سنبھالیں۔ اور ایک ایک کر کے ان سے لڑنے لگے۔ یہ دیکھ کر تعجب ہوا۔ کہ باوجود قلت سپاہ کے ایک دوسرے پر سبقت کرتا تھا۔ ان کے چہروں سے بھوک اور پیاس کے آثار نمایاں تھے۔ غرض کہ گھنٹوں تک یہی سما رہا۔ سب سے آخر میں ایک بزرگ جو اس چھوٹی سی فوج کا جرنیل معلوم ہوتا تھا۔ بڑھا اور ایسی جوانمردی سے لڑا۔ کہ کسی نے دیکھا تو کیا سنا بھی نہ ہوگا۔ مگر ایک اور لاکھوں کا مقابلہ تھا۔ تھوڑی دیر میں اس بزرگ کو بھی فوج نے گھیر کر مثل گوسفند کے ذبح کر دیا۔ ابھی تک یہ عقدہ نہ کھلا تھا کہ یہ مقدس کون تھا۔ کہ اتنے میں خیمے کا پردہ اٹھا۔ اور ایک معظّمہ چلاتی ہوئی مقتل کی طرف دوڑی کہ ہائے بھائی حسینؑ اب آپ کے بعد ہمیں کون بچائے گا۔ ابھی وہ معظّمہ لاشے تک نہ پہنچی تھی۔ کہ فتح کا باجہ بجنے لگا۔ اور اس مقدس بزرگ کا سر نیزے پر بلند نظر آیا۔''

آہ دل بھر آیا آنکھوں سے آنسو بہنے لگے بیہوشی کا طلسم ٹوٹا اور خود کو اپنے جھونپڑے میں جو کہ ایک پہاڑ کی بلند چوٹی پر ہے سرنگوں پایا۔ چونکہ میں ایک ہندو تھا۔ اب تک دسہرہ کے ایام میں رام لیلا دیکھتا رہا۔ اور شری رام چندر جی کے واقعہ سے اہم کسی واقعہ کو نہ سمجھتا رہا۔ اور اس بات پر ناز تھا۔ کہ انہوں نے اپنے والد کی خوشنودی کو مدنظر رکھتے ہوئے راج پاٹ چھوڑ کر چودہ برس کا بن باس اختیار کیا۔ اور صرف یہی اک نمایاں صفت تھی۔ جس کی وجہ سے ان کو خدا کا اوتار سمجھتا تھا۔ مگر اس واقعہ نے اس امر پر آمادہ کیا۔ کہ دیکھوں اس واقعہ کی اصلیت کیا تھی۔ جس کو عالم تصور میں دیکھ چکا ہوں۔ کتابیں اٹھا کر واقعات کربلا پر نظر ڈالی۔ تو معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے پیغمبر کے نواسے حسین کو تین دن کی بھوک پیاس کے بعد نام کے مسلمانوں نے کربلا کی جلتی ریت پر مع اعزا و انصار کے دسویں محرم کو مثل گوسفندان قربانی شہید کر دیا۔ اور بات صرف یہ تھی کہ یزید جو کہ اپنے باپ کی ناجائز کوششوں سے بادشاہ بن گیا تھا حسینؑ سے اپنی بیعت لینا چاہتا تھا۔ مگر حسینؑ نے اس ننگ و عار کی زندگی پر موت کو ترجیح دی۔ اور دنیا والوں کو بتا دیا کہ ذلت اختیار کرنے سے موت بہتر ہے۔ افسوس مسلمانوں نے اپنے رسول کے نواسے کی یہ قدر کی۔ اگر ایسا مجسمۂ صفات ہم اہل ہنود میں ہوتا تو خدا جانے ہم اس کو کیا سمجھتے!

یزید ایک شرابخوار اور انتہا درجہ کا بدکار شخص تھا۔ حسین کے نانا کا پھیلایا ہوا دین بازیچۂ اطفال بن

چکا تھا۔ کفر کی گھٹائیں چاروں طرف سے امنڈ رہی تھیں۔ صرف اسلام ہی نہیں بلکہ ہر ایک مذہب اس ظلم کے دیوتا کی بھینٹ چڑھنے والا تھا۔ سب سے پہلے اس نے اسلام کی بیخ کنی کرنی چاہی۔ اور اصل اسلام پر حملہ کرنا چاہا۔ مگر چند مقدسوں کی جماعت اٹھی۔ اور کربلا کی ریتیلی زمین پر اپنی بھینٹ چڑھا کر ایسی مضبوط بنیاد قائم کی کہ لاکھ طوفان آئے۔ لاکھ ہل چل ہوئی مگر اس میں ذرا بھی حرکت نہ ہوئی۔''

اسلام کو یزید کے باپ دادا نے نہیں پھیلایا تھا۔ بلکہ حسینؑ کے باپ دادا نے پھیلایا ہے۔ یہی وجہ تھی جس وقت شجر اسلام کو مرجھاتے ہوئے دیکھا۔ تو حسینؑ نے اپنے باوفا دوستوں کا خون اس کی جڑوں میں دیا۔ جب ناکافی ثابت ہوا تو اپنے بھائی، بھانجوں اور کڑیل جوان بیٹے کو بھی اس پر بھینٹ چڑھا دیا۔ یہاں تک کہ ششماہ بچہ بھی اس کی نذر کر دیا۔ پھر بھی کمی رہ گئی۔ تو خود اس شجر پر قربان ہو گئے۔ اور کچھ اس طرح سینچا کہ اب لاکھ بادِ سموم چلے۔ مگر قیامت تک نہ مرجھا سکے گا۔''

ہر ایک جنگ کا قاعدہ ہے کہ جو فریق شکست کھاتا ہے۔ وہ لوگوں کی نظر میں حقیر ہو جاتا ہے۔ بظاہر حسینؑ کو شکست ہوئی اور ایسی شکست اور ذلت کہ بعد شہادت اسلام کی شہزادیوں کو اونٹ کی ننگی پیٹھوں پر بیٹھا کر کوفہ اور شام کے بازاروں میں پھرایا گیا۔ مگر خدا جانے کہ اس پستی میں کیا اثر تھا۔ کہ جتنا پست کیا اتنا ہی بلند ہوا۔ حسین کی شہادت خدا کا ایک قہر ثابت ہوئی۔ جس نے بنی امیہ کے ظلم و استبداد کو بنیاد تک سے اکھاڑ کر پھینک دیا۔ حسینؑ پست ہو کر ابھرے اور ایسا کہ آج کروڑہا نفوس پر ان کی حکمرانی ہے۔ اور یزید ابھر کر ایسا پست ہوا کہ آج ہر انصاف پسند شخص اس پر لعنت کرنا فرض انسانیت سمجھتا ہے۔''

اگر حسین شہادت کو گوارا نہ کرتے۔ تو اسلام کا تختہ تو یزید الٹ ہی دیتا مگر تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر مذاہب بھی اس کے دہریت نواز ہاتھوں سے فنا ہونے والے تھے۔ اگر اس کی اسکیم کامیاب ہو جاتی تو دہریت پھیل جاتی مگر اے حسین تو بڑا جوانمرد اور سیاست داں تھا۔ تو نے موقع کی نزاکت کو خوب سمجھا۔ تو نے اپنے اور اپنے عزیزوں کی جانیں دے کر صرف اسلام ہی نہیں بلکہ انسانیت کی لاج رکھ لی۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان کہتے ہیں۔ ہمارا حسین نصاریٰ کہتے ہیں ہمارا حسین یہودی کہتے ہیں ہمارا حسین اور اہل ہنوذ کہتے ہیں ہمارا حسین۔''

اے مظلوم حسین اے غریبوں کے رکھوالے حسین تجھ کو عاشور کے روز نام نہاد مسلمانوں نے پانی نہیں دیا۔ مگر آج سرزمین ہند پر دیکھ کہ تیرے نام پر مرنے والے مسلم و غیر مسلم تیرے نام کی سبیلیں

کھول کر پیاسوں کو پانی پلاتے ہیں غریب و پردیسی حسین تجھ کو یزیدیوں نے بعد شہادت دفن نہ ہونے دیا۔ آ اور آ کر دیکھ۔ کہ کتنے کروڑ دل آج تری قبر بنے ہوئے ہیں۔ کچھ لوگ عاشور کے روز خوشی کرنا اور اپنے راحت و آرام کا سامان کرنا ضروری سمجھیں مگر میری ناچیز رائے میں حسینؑ کی عظیم الشان قربانی کے دن جس نے انسانیت کی حفاظت اور بقا کے لیے اپنی اور اپنی آل اولاد کو قربان کر دیا ہو اور اپنا گھر لٹانے میں جسے لذت محسوس ہوئی ہو اس کی شہادت کا دن ایسا نہیں ہے کہ وہ فنا ہونے والے عیش و عشرت میں پڑ کے کوئی غیرت دار انسان بھلا سکے اور دین کے اس سبق آموز اور تاریخی واقعہ کو فراموش کر دے۔‘‘

الواعظ

۲۴ر فروری و یکم مارچ

1938ء

معرکہ کربلا کے اثرات

نوشتہ: جناب ویاس دیو صاحب مصرا، بار ایٹ لا، دہلی

ہر جنگ کا اثر زمانے پر پڑتا ہے اور اسی اثر کی بدولت وہ جنگ یاد رہتی ہے۔ آجکل ہی دیکھ لیجئے کہ گذشتہ جنگ کے اثرات باقی ہیں گرانی زوروں پر ہے۔ کشیدگیاں بڑھ رہی ہیں امن و امان نصیب نہیں اور پھر اندیشہ اس درجہ کہ نہ جانے کل کیا گزرے۔ انتہا یہ کہ خوراک کی کمی سے ناتوانی اپنی معراج کو پہونچ چکی ہے اسی طرح دیگر جنگوں کا بھی اثر ہوا گرانی تو بڑھی ہی اس کے علاوہ مختلف وبائیں اور بیماریاں بھی جھیلیں جس سے ملک کے ملک تباہ ہو گئے مگر اثرات آہستہ آہستہ فنا ہو جاتے ہیں انسان رفتہ رفتہ ان واقعات کو بھول جاتا ہے اور ان کا تذکرہ بعض کتابوں میں باقی رہ جاتا ہے اور وہ بھی جب زمانے کی تاریخ بدلتی ہے تو یہ تذکرے بھی مفقود ہو جاتے ہیں۔ کوششیں کی جاتی ہیں کہ ایسی جنگوں میں جو بہادر مرے ان کی یاد تازہ کی جائے۔ ان کی یاد میں جلسے کئے جائیں اُن کے بت بنائے جائیں اور اب تو فلمیں بھی بننے لگی ہیں تا کہ لوگ ان کو بھولیں نہیں مگر ہوتا ہے وہی کہ جب مرنے والا خود زندہ رہنے کی اہلیت نہیں رکھتا تو اگر دنیا باقی رکھنے کی کوشش بھی کرے تو بھی اسے حیات جاودانی نصیب نہیں ہوتی۔ جنگ تو وہ جنگ ہے جس کی بقا مندرجہ بالا چیزوں کی محتاج نہ ہو اور بہادر وہ بہادر ہے جو دنیا کا محتاج تعارف نہ ہو جس کو گزرے ہوئے چاہے چودہ سو سال سے زائد ہو چکے ہوں مگر دنیا کا ذرہ ذرہ اب بھی اس کو یاد کر رہا ہے اب بھی اس کے استغاثے دلوں میں گھر کر رہے ہوں اب بھی لوگ اس کی آواز پر لبیک کہہ رہے ہوں دل میں تمنائیں ہوں کہ کاش وہ معرکہ پھر ہو جائے اور وہ بیشہ معرفت کا شیر آواز دے اور پھر ہم لوگ سر بکف ہو کر اس کی طرف دوڑیں اور جنگ میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کریں۔ راہ حق پر ڈٹ جائیں۔ شہید کہلائیں حیات جاودانی نصیب ہو مگر ایسی قسمت کہاں اور ایسے نصیب کہاں یہ مراتب تو حسینؑ اور ان کے رفقاء کے لئے مخصوص تھے جن کی جنگ بے مثل تھی جن کی شجاعت کا جواب نہیں۔ یہ وہ شمع امامت کے پروانے تھے جنھوں نے تکلیف کو راحت سمجھا بھوک اور پیاس کو اطمینان قلب سمجھا ناطاقتی کو شجاعت سمجھا اور حکم امام کو حکم خدا سمجھا ان کے خون ناحق نے دشت کربلا کو ہمیشہ کے لئے لالہ زار بنا دیا خود مٹ گئے حق کو مٹنے نہ دیا خود ریگ کربلا پر سو گئے مگر دنیا کو ہمیشہ

کے لئے بیدار کر گئے اور دل میں یہ تمنا لے کر گئے کہ اگر ہزار بار بھی زندہ کئے جائیں تو پھر اپنی جانیں امام کے قدموں پر نثار کر دیں وہ جانتے تھے کہ جان دینے سے بھی حق امام ادا نہیں ہوتا مر جانا ایک معمولی سی بات ہے مگر خوشنودی امام حاصل کرنا مشکل ہے بزدلوں کا تعاقب موت کرتی ہیں مگر یہ بہادر خود موت کو تلاش کر رہے تھے۔ اور جذبہ شہادت یہ کہ ضعیف ہو یا جوان، بچہ ہو یا بوڑھا ایک دوسرے پر سبقت لے جانا چاہتا تھا اگر عباسؑ کا جلال فتح وظفر کے ڈنکے بجا رہا تھا تو حبیب ابن مظاہر کی ضعیفی جوانوں کو شکست دے رہی تھی اگر اکبرؑ کا شباب گروہ اعدا پر چھا رہا تھا تو علی اصغرؑ کا تبسم ظلم کی بنیادیں ہلا رہا تھا اگر مردوں کے رجز نے فوجوں کے قدم اُکھاڑ دیئے تو بیبیوں کی آہ و بکا نے انقلاب پیدا کر دیا۔ یہ وقت تھا کہ بڑے بڑے بہادر گھبرا گئے۔

فوج یزید کا شیرازہ منتشر ہونے لگا مگر ان گنے چنے بہادروں کی ہمت میں فرق نہ آیا۔ مردوں کو چھوڑیئے اہل بیت کی عورتوں کی ہمت دیکھئے جن کے بکھرے ہوئے بال بہتے ہوئے آنسو اور دل فگار آہیں راہ خدا میں جہاد کر رہی تھیں جو اپنی پونجی راہ خدا میں قربان کر چکیں جن کے چھوٹے بڑے بچے تڑپ کر نظروں کے سامنے شہید ہو گئے جن کے وارث داغ مفارقت دے گئے جن کی آرزوئیں برباد ہو گئیں جن کے پھولے پھلے باغ نذر خزاں ہو گئے جن کا وارث سوائے خدا یا ایک بیمار امام کے اور کوئی نہ رہا مگر کیا مجال کہ دل میں گھبراہٹ پیدا ہو کیا معنی کہ غیر کے سامنے ہاتھ اُٹھ جائیں کیا مطلب کہ غیر کی مرہون منت ہوں اور یہ انتہائی محبت وایثار کہ اگر کوئی بی بی روئی تو اپنے بچے کے لئے نہیں اپنے شوہر کے لئے نہیں بلکہ مظلوم امام کی مصیبت پر اب بھی دل میں یہ آرزو کہ اگر ظالم زمانہ موقع دے تو ایک جگہ بیٹھ کر اچھی طرح غم حسین میں روئیں ان کی مجلس برپا کریں ان کی مصیبتیں یاد کریں اور فاطمہ زہراؑ کو پرسا دیں اور دست بستہ عرض کریں کہ اے مادر گرامی معاف کرنا کہ ہم دل بھر کے حسین کی خدمت نہ کر سکے جی کھول کر ان کے غم میں نہ رو سکے اے خاتون جنت ہم نے حسین کو بچانے کی بہت کوششیں کیں جو کچھ بھی ہمارے پاس تھا لٹا دیا چھوٹے بچے تین روز کے بھوکے اور پیاسے تھے مگر پھر بھی انھوں نے جوانمردی سے اعدا کا مقابلہ اور حسین کے قدموں پر جانیں نچھاور کر دیں۔ مگر جو لکھا تھا وہ ہو کے رہا۔ ہم حسین کے سائے سے محروم ہو گئے، ہمارے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے ہماری زندگی کا کوئی سہارا نہ رہا، ہماری چادریں چھینی گئیں بچوں کے زیور اتارے گئے خیموں میں آگ لگائی گئی بیبیاں رسن بستہ ہوئیں عابد بیمار کو بیڑیاں پہنائی گئیں۔ زینب نے درے کھائے اور سکینہ کو طمانچے لگائے گئے اور ہماری نظروں کے سامنے حسین کا سر نیزے پر بلند کیا گیا۔

واقعہ کربلا کو صدیاں گذر گئیں زمانے نے کروٹوں پر کروٹیں بدلیں بڑے سے بڑے انقلاب آئے مگر معلوم ہوتا ہے کہ معرکہ کربلا ابھی کل ہی ہوا ہے۔ جتنا زمانہ گزرتا جاتا ہے کربلا کی یاد تازہ ہوتی جاتی ہے اور اگر غور سے سنئے تو اب بھی امام کا استغاثہ کانوں میں گونج رہا ہے اب بھی وہ راہ حق پر چلنے کی دعوت دے رہا ہے اب بھی وہ کہہ رہا ہے کہ میرا ماننے والا غیروں کی پیروی نہیں کرتا۔ ہر قدم پر وہ کربلا کی یاد دلاتا ہے وہ کھلم کھلا کہہ رہا ہے کہ روز عاشورہ میرا شغل عبادت الٰہی تھا۔ آہ وبکا اور گریہ وزاری تھا اور یزید کا شیوہ عیش دنیا تھا اور گانا بجانا تھا اور اب بھی جو میرے پیرو ہیں ان کا مقصد حیات صوم وصلوٰۃ مجلس وماتم اور آہ وبکا ہے جو یزید کے پیرو ہیں ان کا شیوہ جام وسبو، رنگ وبو ہے۔۔۔۔۔ دیکھنا تم میرے راستے پر چلنا یہی وہ راستہ ہے جسے صراط مستقیم کہتے ہیں اور اگر تم ثابت قدمی سے اس پر گامزن ہوگے تو یہ راستہ تم کو مجھ تک پہونچا دے گا اور تم گمراہ نہ ہوگے۔

سرفراز
محرم نمبر ۱۳۷۴ء

مقدس حسین علیہ السلام

بابو کالی پدا بنر جی نیشا ناتھ رائے

انسانی تاریخ میں یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ شیطانی اور خدائی طاقتوں میں برابر تصادم ہوتا رہا ہے جب انسان کا شیطانی رجحان انصاف وصداقت کا تختہ الٹنے کی کوشش میں مصروف نظر آتا ہے تو کوئی نہ کوئی عظیم ہستی جو ہم ایسے معمولی انسانوں سے کہیں بلند تھی ظاہر ہوتی رہی ہے، معمولی انسان ان کی مثالوں سے ہدایت پاتے ہیں اور ان میں ان کے اعمال کی پیروی کرنے کا حوصلہ پیدا ہوتا ہے۔ اس انقلاب سے حیوانی طاقت مغلوب ہوتی ہے اور دنیا میں خدائی بادشاہت قائم ہوتی ہے خدا کی طرف سے بہت سے برابر ایسے فوق البشر انسان دنیا میں پیش کئے گئے ہیں۔

گیتا میں کرشن جی کہا ہے کہ میں مختلف زمانے میں دنیا میں مذہب کی بنیاد کو مضبوط کرنے کے لئے ظاہر ہوتا رہتا ہوں۔ ساتویں صدی مسیحی کے آخر میں جبکہ یزید فرمانروائے دمشق کی سرکردگی میں عوام کے ایک گروہ نے اسلام مقدس کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تو متقی و پرہیزگار حسینؑ نے مذہب اور صداقت کی حمایت میں کربلا کے میدان میں شجاعت و بہادری کے ساتھ اپنی جان کی قربانی پیش کردی۔

مادی طور پر یزید کو فتح حاصل ہوئی لیکن روحانی حیثیت سے اس کی یہ فتح اس کی شکست ثابت ہوئی وہ اسلام کو جو صورت دینا چاہتا تھا اور باطل کی جس بنیاد پر اسلام کو قائم کرنا چاہتا تھا وہ صورت و بنیاد بہت جلد معدوم ہوگئی۔

حسینؑ کی شہادت کا نتیجہ فتح وکامرانی کی صورت میں نکلا اور اسلام یعنی سچے اور حقیقی اسلام نے از سر نو نشوونما حاصل کی۔

مافوق البشر ہستیوں کا یہ مذہبی فریضہ رہا ہے کہ وہ عوام کی دماغی تربیت وتعلیم کا سامان بہم پہونچائیں وہ اس راہ میں دنیا کے رنج ومصائب کا کوئی لحاظ نہیں کرتے کرشن نے ایک شکاری کے ہاتھوں اپنی جان گنوائی۔ مسیح کی زندگی کا خاتمہ بھی افسوسناک طریقہ پر ہوا۔ لیکن مذہب کے متعلق انھوں نے جو شاہراہ دکھائی وہ اب تک انسانوں کو منفعت پہونچا رہی ہے۔

مقدس حسینؑ کی الم انگیز قربانی نے ضلالت کی تاریکی کا خاتمہ کر دیا اور ایک نئی روشنی پھیلا دی وہ قربانی آج تک ہزاروں مسلم اور غیر مسلم میں اس جذبہ کو متحرک کر رہی ہے۔ کہ فرائض کے ادا کرنے میں جان کے جانے اور موت کے آنے کی پرواہ نہیں کرنی چاہئے۔ لہٰذا آج جب کہ قومیت کی روح بیدار ہو رہی ہے ہم کو دعا کرنی چاہئے کہ خدا مقدس حسینؑ کی روح کو عظمت و برتری نصیب کرے۔

(حسین دی مارٹر)

❁❁❁

سرفراز محرم نمبر

۱۳۷۹ء

مشھد اعظم

(ہز اکسیلنسی رام راجیان سرکشن پرشاد مہاراجہ بہادر یمین السلطنت کے۔سی۔آئی؛ای۔جی۔سی۔آئی
پیشکار صدر اعظم باب حکومت سور گباشی)

نہ فقط دنیائے اسلام بلکہ از آغاز تا انجام کوئی مثال دنیا میں واقعہ روح فرسا ارض نینوا ڈھونڈھے سے بھی نہ ملے گی یہ سانحہ اپنی نوعیت اور اہمیت کے لحاظ سے اپنی مثال خود ہی ہوسکتا ہے یہی وہ واقعہ ہے جس سے بنی نوع انسان انسانی تکمیل کے واسطے ہر قسم کی نصیحت اور سبق حاصل کرسکتا ہے۔

بہ خدا اخلاق حسنہ اور ترک اطوار مذمومہ کے واسطے کوئی امر باقی نہیں ہے جو اس واقعہ کی تکمیل میں نہ پایا جاتا ہو یہی وہ واقعہ ہے جس میں انسان کے اخلاق حسنہ اس کی مروت، فراست، شجاعت، سخاوت، صبر، رضا، حلم، ستاری، غفاری، رحم، کرم، عبادت، ریاضت، زہد، تقویٰ، خرم حیا، خلوص وصدق وصفا، صلہ رحم، مہربانی، شفقت، ہمدردی وغیرہ کون بات ہے جس کا عملی سبق مثالاً نہیں ملتا۔ واقعہ کربلا ہی ایک ایسا واقعہ ہے کہ اس کے جزئیات پر نظر ڈالنے سے انسان کو تہذیب اخلاق کا پورا پورا میدان ہاتھ آتا ہے۔ ہائے کون سا دل ہے جو اس درد کو محسوس نہ کرتا ہوگا نہیں بلکہ ہر قلب میں ایک خار ہے جو اس واقعہ کے وقوع کے بعد کھٹکتا ہے۔ مظلوم حسینؑ نے جس استقلال اور مضبوط ارادے کے ساتھ دنیا میں صداقت اور حق کا علم گاڑا، وہ صرف اسی کی ذات سے ہوسکتا تھا جس کو خدا نے ایسا بہادر دل دیا تھا۔

اس واقعہ سے جو اغراض حسینؑ کی تھیں ان کے نشر کے واسطے ضروری تھا کہ اس واقعہ کی یادگاریں قائم کی جاتیں چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ دنیا کے عقلاء نے اس واقعہ کو تازہ رکھنے کے لئے مختلف طریقوں سے اظہار غم کیا ان واقعات کو ہر سال کرنا شروع کیا، کیوں؟ محض اس غرض سے کہ دنیا میں اُن اغراض کی اشاعت ہو جن کو مظلوم حسینؑ نے اپنے واقعہ کو اہم سے اہم درجے تک پہنچا کر اہل دنیا کے سامنے مکمل سبق کی شکل میں پیش کیا تھا۔

حضرت امام حسینؑ کی شہادت ایک ایسا واقعہ عظیم ہے جیسا نہ کبھی کہیں ہوا اور نہ خود تاریخ اسلام

اس کا مقابل لاسکی۔ملل مافیہ اوران کی تاریخ اگر اسی طرح قبول کر لی جائے جس طرح اسوقت ہمارے سامنے موجود ہے تب بھی ان کا کوئی شہید یا سلسلہ شہدا مشکل سے ہمارے شہید کی عظمت وشرافت اعمال کا مقابلہ کر سکے گا۔اولیا مذاہب اورانکی تکلیفیں حسینؑ کے انبوہ مصائب پر غلط انداز نظر میں تھرا جائیں گی کسی صلیب رسیدہ جسم کی چندکیلیں حسینؑ کے جسم اقدس میں چبھنے والے بیشمار تیراور نیزوں کے سامنے بے حقیقت ہوں گی۔ اس حیثیت کو تاریخ دشمنوں ہی کی زبان اور قلم نے ہمارے حوالہ کی۔ حسینؑ کا دوست واقعہ نگار کوئی زندہ نہ چھوڑا گیا اگر کوئی واقعہ نگاری کر سکتا تھا تو علیؑ بن الحسین اور مخدرات عصمتؑ امام زین العابدین اپنی قید سے بہت پہلے بستر علالت پر مقید تھے اور پردہ نشین بیبیاں حسینؑ کی زندگی تک بیرونی حالات سے بہت بے خبر تھیں لیکن حسینؑ کی شہادت کے بعد نہ صرف علی بن الحسینؑ اپنے بیماری میں بستر سے کھینچے گئے کہ وہ اس کے بعد کے واقعات دیکھیں بلکہ مخدرات عصمت وطہارت نے بھی یہ دیکھا کہ ہمیں اپنے تقاضائے غیرت کے خلاف عام نگاہیں دیکھتی ہوں گی۔

حسینؑ کی شہادت نے تاریخ اسلام پر عام اس سے کہ وہ گزشتہ ہو یا آیندہ ایسی تیز روشنی ڈالی ہے جس سے واقعات کا اصلی رنگ معلوم ہوگیا اور ثابت ہوگیا کہ دشمنوں نے خاندان رسالت کے مٹادینے میں کس شرمناک کوشش سے کام لیا ہے۔ جو گھر مہبط جبرئیل اور سجدہ گاہ میکائیل تھا اور ہر وقت جس گھر سے صدائے تکبیر وتہلیل بلند تھی اب اُس گھر سے آواز نماز واذان بھی کسی کے کان میں نہیں آتی کوئی گھر عالم میں ایسا تباہ وبرباد نہ ہوا ہوگا جیسا کہ خاندان رسالتؐ تباہ وبرباد ہوا ہے۔

جو کچھ مجھے اپنے اس سب سے پر غم فرض کے متعلق عرض کرنا ہے وہ یہ ہے کہ میں اس دعویٰ پر قناعت نہ کرلوں کہ شہادت امام حسینؑ ایک واقعہ عظیم ہے بلکہ یہ دیکھانا چاہتا ہوں کہ حقیقتاً یہ نہ صرف اسلام بلکہ عالم کی تاریخ کے مشہور واقعات میں ایک سرمایہ حیرت اور عظیم سانحہ ہے۔محرم ۶۱ ھ کی دوسری تاریخ پنجشنبہ کے دن امام حسینؑ وارد صحرائے کربلا ہوئے اعثم کوفی کی تحقیق کے موافق دریائے فرات کے کنارے اسباب اتارا گیا خیمے نصب کئے گئے بنی ہاشم اپنے اپنے واسطے خیمے لگانے لگے حضرت کے خیمے کے گرد احباب واعزا کے خیمے کھڑے کئے گئے سب اپنے خیمے میں آرام سے لیٹ رہے اور امام حسینؑ اپنی تلوار کے صیقل کرنے میں مصروف ہوئے۔ابن زیاد کو خبر ملی کہ حسینؑ ابن علیؑ وارد کربلا ہوئے ابن سعد کو حکومت کی طمع دے کر چار ہزار سواروں کا افسر کر کے کربلا کی طرف روانہ کیا۔حر بن یزید ریاحی

بھی ایک ہزار سوار لے کر ابن سعد سے آ کر مل گیا شمر ذی الجوشن بھی چار ہزار کی جمعیت لیکر آیا۔ اب ابن سعد کے پاس نو ہزار سپاہ ہوگئی۔

یزید ابن رکاب کلبی دو ہزار کی جمعیت لے آیا اس کے پیچھے ہی حصین بن نمیر سکونی چار ہزار آدمی لیکر پہونچا معائر بن مرینہ مازنی تین ہزار ایک اور سردار دو ہزار پھر اور مختلف قبائل کے سردار یکے بعد دیگرے آئے یہاں تک کہ ساتویں تاریخ تک پینتیس ہزار کی تعداد ہوگئی دریا پر قبضہ کر کے پہرے بٹھادئے کہ حسینؑ بن علیؑ کے خیمہ تک پانی نہ جائے۔

صحرائے کربلا میں ہوا کیا بُری چلی
پانی طلب کیا تو گلے پر چھری چلی

حُر نے جب آپ کو کوفہ کی طرف آتے ہوئے راہ میں روکا تھا تو اس وقت وہ اور اس کے ہمراہی پیاس سے بیتاب ہو رہے تھے سب کی زبانیں باہر نکل آئی تھیں امام حسینؑ سے دیکھا نہ گیا اپنے بھائی عباسؑ سے فرمایا کہ ان کو پانی پلاؤ یہاں تک کہ سب سیراب ہوئے حتیٰ کہ گھوڑوں تک کو سیراب کر دیا اپنی آئندہ ضرورتوں کو مطلق ملحوظ نہ رکھا اللہ اللہ جائے حسرت ہے کہ ایسے رحیم وفیاض حسینؑ اور ان کے عزیز و رفقاء پر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد انھیں اعدا کی طرف سے پانی بند کیا گیا۔

ایسا ہی واقعہ حضرت علیؑ کے ساتھ پیش آ چکا تھا جنگ صفین میں جب معاویہ سے امیر امومنین کو لڑائی کا سابقہ پڑا تو حضرت علیؑ کا لشکر ایسی بے موقع جگہ میں اُترا جہاں پانی نہ تھا۔ دریائے فرات معاویہ کے قبضے میں تھا جو اپنے مخالف کے ساتھ کرم کرنا جانتے ہی نہ تھے۔ امیر المومنینؑ نے بزور شمشیر فرات کو اپنے قبضہ میں لیا اب معاویہ نے امیر المومنینؑ سے پانی کی درخواست کی حضرت نے فوراً اجازت دی اور فرمایا کہ پانی ایسی چیز ہے جس پر وحوش وطیور، مور دمردم سب کے سب یکساں حق رکھتے ہیں اس سے کسی کو ممانعت نہیں کی جاسکتی ایسے معاملات جو علیؑ اور حسین ابن علیؑ کو پیش آتے گئے ہیں دنیا میں ان کی کہیں نظیر نہیں ملتی اور یہ ایسے معاملات ہیں جو خاندان پیغمبر کی معصومیت کو بڑی کشادہ پیشانی کے ساتھ ثابت کئے دیتے ہیں۔

بہر حال نویں تاریخ کو حضرت نماز صبح سے فارغ ہوئے کہ ابن سعد کے لشکر میں حرکت ہوئی اور وہ آگے بڑھا سپہ سالار لشکر خود فوج کے سامنے تھا قیاس آسان ہے کہ نمائش اور اظہار شوکت کے لئے

قریب قریب تمام فوجیں ترتیب اور انتظام سے بڑھائی جا رہی ہوں گی سواروں اور پیادوں کی بیشمار صفیں بڑھ رہی ہوں گی تیس پینتیس ہزار سوار اور پیادے یہ فوجی ۔۔۔۔۔۔ بجائے خود ایک مہیب منظر ہوگا اور جنگی باجوں کے شور نے ایک عالم پیدا کیا ہوگا یقیناً یہ موقع نہ تھا جب کہ شجاعت کو شام کے لشکر کی آمادگی پر ناز ہوتا ستر نمازیوں پر تیس ہزار سوار پیادوں کی چڑھائی۔ ناسخ التواریخ اور روضۃ الشہداء کی تحقیق کے موافق گویا حضرت کا چھوٹا سا لشکر اس وقت سے خصوصیت کے ساتھ فوجی محاصرے میں آ گیا اس ٹڈی دل لشکر کے لئے بیس اکیس خیموں اور بہتر آدمیوں کا محصور کر لینا آسان سے زیادہ آسان تھا۔

شب عاشور شہدائے کربلا کی حیات کی آخری رات زمانہ کے اس ٹکڑے میں ہے جسے چند آمادگان شہادت نے اس لئے مختص کیا تھا کہ اس میں خدا کی عبادت کریں، محفوظ ہو جانے کے لئے نہیں، تدبیروں کے لئے وقت حاصل کرنے کے لئے نہیں عبادت کے لئے۔ تمام مورخین ہمزبان ہیں کہ لشکر کے ٹھہر جانے کے بعد امام حسینؑ نے تمام رات اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گذاری رکوع وسجود میں مصروف رہے اور گریہ وزاری کے ساتھ دعائیں مانگتے رہے۔ اس طرح آپ کے بھائی اور فرزند اور تمام اہل بیت اور دوست رات بھر مصروف عبادت رہے دم بھر کے لئے بھی نہ سوئے تسبیح وتہلیل میں مصروف رہے۔

صبح ہوگئی دنیا کی سب سے مشہور صبح وہ صبح جسے روز الست سے آنے والی اور ابدالآباد تک گذر جانے والی صبحوں پر فخر ہے کہ ہم وہ تھے جس نے عالم کا یہ سرمایہ حیرت تماشہ دیکھا کہ ہزاروں ہزار مطمئن دشمنوں کے مقابلہ میں چند نفوس کو بھوک اور پیاس نے دل شکستہ نہیں کیا انھیں شب کی عبادت نے سیر نہیں کیا آخری مرتبہ کمر بندی کے قبل اپنے امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں۔ مایوس نہیں ہوئے اپنے اعتقاد میں متزلزل نہیں ہوئے۔ وہ ایک تالاب تھے جنھیں محیط زمین نے ہوا اور موجوں سے مستغنی کر دیا تھا ان کے سکوت میں تغیر لانی والی کوئی قوت پیدا نہیں ہوئی تھی وہ ایک پہاڑ تھے جسے تیز اور تند ہوائیں متحرک نہیں کر سکیں، وہ تھے اور عبادت تھی، عبادت تھی اور وہ تھے کاش ابن مریم انھیں دیکھتے کاش موسی عمران انکی زیارت کرتے، کاش داؤدان کا معالعہ کرتے، کاش رشی گوتم غور کرتے کہ انکی شانتی کا تصور اپنے درجہ میں اس سے کہاں تک مقابل تھا۔ ان کے لئے کوئی خوف نہ تھا ان کے لئے آرزو، آرزو نہ تھی صرف اُن کے خاموش چہروں میں آنکھیں تھیں جو اِدھر اُدھر پھرتی تھیں جدھر امام حرکت فرماتے تھے دل میں ایک حرکت تھی کہ ہم کس طرح اپنے امام کی بہتر طریقہ سے حفاظت کر سکیں اسکی فکر نہ تھی کہ ہم رہیں گے۔ اس کا

غم تھا کہ ہمارے بعد امام پر کوئی قربان ہو کر امام پر آنچ نہ آنے دے گا۔

سپہ سالار لشکر تعین لشکر میں مصروف ہوا اور یقینا کوئی کثیر لشکر اپنے اسلحہ اور سامان اپنے سپاہیوں اور انتظام کے باوجود اپنی ترتیب کے وقت ایسا ذلیل نہیں ہوسکتا تھا جیسا شام کا یہ لشکر شاید ہی کسی لشکر کو اپنی فتح کا ایسا یقین ہوا ہو جیسا لشکر شام کو تھا اور شاید کوئی لشکر اپنی فتح کے یقین کے بعد بھی ایسا ذلیل ہوا ہو جیسا کہ یہ لشکر ہوا، آخر یہ کون سے مقابل کے لئے صفیں درست کر رہا تھا مقابل کون تھا؟ کوئی لشکر کہاں تھا جو تیس ہزار سپاہیوں کی گھنی صفوں سے ٹکراتا۔ کہے اگر کوئی کہہ سکے کہ حسینؑ کے چند رفقاء کا شمار لشکر میں ہے حسینؑ کے تمام لشکر میں مشکل سے ایک آدمی لڑنے کے قابل تھا ضعیف اور متزلزل ڈھانچوں کو جن شدت عطش اور نقاہت سے بغیر ٹھوکر کھائے چلنا دشوار ہوتا اب اپنے عالم نزع میں ان سپاہیوں سے لڑتا تھا جسے شجاعان پر عرب کے فخر ہوسکتا تھا۔ تاہم حسینؑ انکی آخری وصیت تھے نوجوان نمو پاتے ہوئے جن کا شباب بھی ابھی پورا نہ ہوا تھا اور جنکی شادی کی حنا کی سرخی نہ مٹی تھی ان سے انکی ماؤں اور بہنوں نے شہید ہوجانے کی خواہش کی تھی۔ قاسم کے ایسے بارہ برس کے بچے جنھیں گھوڑے پر سوار ہونے کے لئے دوسرے کی مدد کی ضرورت تھی دیو خصال پہلوانوں کے مقابلے میں کھڑے تھے، عون و محمد حسین ابن علیؑ کے بھانجوں کی عمریں کیا تھیں آٹھ نو برس کی مجھے اس قدر اور کہہ دینا ہے کہ شام کے انبوہ کثیر کے مقابل میں حسینؑ کے سپاہیوں کی تعداد اس وقت پوری ہوتی ہے جس وقت حسین کے لشکر میں علی اصغر کا جھولا بھی رکھ دیا جاتا ہے۔

اور کیا مجھے یہ بھی کہنا ہوگا کہ دنیا میں کوئی چھوٹا سا لشکر اس شان سے نہیں کھڑا ہوا جیسے حسینؑ کے یہ چند بچے جوان اور بوڑھے رفقاء کھڑے تھے ہاں وہ زمین، وقت اور اتفاق پیدا نہیں ہوا جس میں اپنے لشکر کے مقابلے میں باوجود شدید گرمی اور پیاس کی شدت کے اس طرح قلب مطمئن سے تیار اور منتظر ہوتے، شاید ہی کسی لشکر کو اپنی شکست اور سپاہی کو اپنے قتل کا ایسا یقین ہو جیسا حسینؑ کے لشکر اور سپاہیوں کو تھا۔ اور شاید ہی کوئی لشکر اس یقین کے بعد اس استقلال اس شان اور شہادت کے شوق میں موت کا ایسا منتظر ہوا اور انکی یہ خونی مصائب پر صبر واستقلال اور جان سے لاپرواہی نہ ہوتی اگر وجہ ایسی عظیم نہ ہوتی اور شاید باوجود وجہ کے بھی دنیا کا یہ حیرت خیز واقعہ واقعہ کی صورت میں نہ آتا اگر مرکز ایسا نہ ہوتا جیسے حسینؑ تھے ابن سعد کے لشکر کی تعداد کم سے کم تیس ہزار۔ امام حسین کے لشکر کی تعداد زیادہ سے زیادہ

بہتر (۷۲) نفوس۔

جنگ کا آغاز ہوالشکر حسینؑ کے ایک ایک جانباز سپاہی نے اپنے دل کو سپاہیانہ ہوش میں بلکہ شہادت کے جوش میں اور موت کی جلدی کے لئے دشمنوں پر دے مارا۔اصحاب حسینؑ ہزاروں کافروں کو خاک وخون میں آلودہ کر کے عالم راحت کی طرف رخصت ہو چکے۔ اندوہناک واقعات میں غم کی زیادتی ہوتی جارہی تھی کہ بے مثل رفقاء ایک ایک کر کے تمام ہو گئے۔ انھوں نے اپنی حیات تک اہل بیت تک کوئی آنچ نہ آنے دی۔ یہی تھے جنھوں نے اپنے دلوں کو زرہ اور آستینو ں پر پہن لیا تھا اور اپنی جان دینے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت کرتا تھا ان کو فخر تھا کہ یہ حسینؑ کے اصحاب تھے اور ان کے جانکاہ مصائب میں شرکت کرتے ،انھوں نے حسینؑ کا نام بلند کرنے اور قوت دینے میں اس طرح مدد دی جس طرح ممکن تھی یہ حسینؑ کی طرح زندہ جاوید ہوئے کون ہے حسینؑ کا ذاکر جو ان کی خاک کو آنکھوں سے لگانا اپنی نجات کا باعث نہ سمجھے کربلا کسی ایک یا چند قبروں کا نام نہیں ہے بلکہ انھیں شہدا کی قبروں کا ہے جنکی لوح مزار سید الشہدؑ کی قبر مطہر ہے۔

ایک ایک شاخ کٹ گئی لیکن جڑ کی حفاظت کرتی رہی اب کوئی نہ تھا جو بنی ہاشم سے کہتا کہ ہم اپنی زندگی تک آپ کو میدان میں نہ جانے دیں گے کسے حق تھا کہ حسینؑ کے فرزند کے پہلے جام شہادت نوش کرنے کے لئے آگے بڑھتا۔

بنی ہاشم اذن جہاد حاصل اور لشکر شام کو تہہ وبالا کر کے آگے ہونے والے قافلے سے جا ملے عباسؑ کی نگاہ بھائیوں کی طرف اٹھتی ہے جس میں استغاثہ محبت اور حکم سب کچھ ہے زبان یہ کہتی ہے کہ بہادروں کی طرح ابن سعد کے لشکر کی طرف بڑھو اور لشکریوں کے چہرے اور سینوں کو زخموں سے بھر دو۔ دیکھا کہ ایک ایک بھائی حیدری زور دکھا کر خون میں نہایا عباسؑ اپنی شہادت کے لئے راستہ بنا رہے تھے جانتے تھے کہ علمداری کا عہدہ جہاد کی اسوقت تک اجازت نہ دینے پر مجبور نہ کرے گا جب تک کوئی تلوار اٹھانے والا رہے گا۔ اجازت جہاد مل گئی مرجھائے ہوئے پھولوں کو دیکھ کر مناسب سمجھا کہ ایک مشک بھی ساتھ رکھ لیں۔ یہ علیؑ ہی کے فرزند کی دہشت تھی کہ چوبیس پہر کی پیاس میں اس ٹڈی دل لشکر کو ہزیمت کا منھ دکھا کر گھاٹ پر قبضہ کرنے کا مستقل ارادہ کرے۔ ایک نہ رکنے والے جوش کے ساتھ حملہ کر دیا۔ میمنہ، میسرہ اور جناح کو تہہ وبالا کرتا ہوا فوج کو ادھر دریا پر پہونچا گھوڑا دریا میں ڈال دیا جھک

کر مشک بھری خود پانی نہ پیا، پیاسے ہی نکل آئے فوج نے مجموعی قوت سے پھر حملہ کیا مگر علیؑ کے بپھرے ہوئے شیر کے لئے کھلا ہوا میدان تھا جس میں یہ شکار کھیل رہا تھا دشمن پس پشت سے وار کرنے کی فکر میں تھا تنہا پر ہزاروں کا نرغہ کس کس کے حملے کا جواب دیں وار چل گیا عباسؑ کا ہاتھ فرش زمین پر تڑپنے لگا ہوسکتا ہے کہ عباس پر مایوسی کی ایک خفیف سی لہر آ گئی ہو خصوصاً اس لئے کہ وہ ہاتھ کٹ گیا جس سے اپنے بھائی کی حمایت کر رہے تھے لیکن عباسؑ کا استقلال انھیں بایاں ہاتھ دکھا دیتا ہے اور اب دشمن کش بجلی اس ہاتھ میں چمکتی ہے پھر لڑنے لگے اور اب دشمن کے لئے پیشتر سے آسان تھا کہ دوسرے ہاتھ پر بھی وار کرتا ضرب چل گئی دوسرا ہاتھ بھی کٹ گیا دونوں قوی بازوؤں سے خون کی چادر بہہ رہی تھی لیکن عباسؑ کا چہرہ ویسا ہی غیر متحرک اور شاندار تبسم کا مرکز ہے نگاہیں دشمنوں کو ان ویسی ہی حقارت سے دیکھ رہی ہیں مشک ابھی تک تو محفوظ ہے اب بھی عباسؑ نیزے کی نوک سے دشمنوں کو دور کر رہے تھے اور خیمہ کی طرف بڑھتے جا رہے تھے قیاس آسان ہے کہ شیر کو مجبور دیکھ کر دشمن کی نامردانہ شجاعت میں کس قدر زیادتی ہوئی ہوگی اس طرح کچھ دیر یہ عبرت خیز منظر قائم رہا، عباسؑ اپنا خون آلود جنازہ لئے جا رہے تھے کہ مشک پر تیر لگا سر پر گرز پڑا اور عباسؑ کے مقدس خون کے ساتھ یہ پانی بہہ گیا جس کی قیمت کا اندازہ ممکن نہیں۔ راہ خدا میں جہاد کر چکے تھے اب اپنی قوت بازو سے فتح کی ہوئی فرات کی ترائی کو ابدالآباد تک کے لئے اپنی آرامگاہ قرار دیا سو گئے عباسؑ۔

علی اکبرؑ نے اپنے پدر بزرگوار کی طرف دیکھا جوان بیٹے نے باپ سے مرنے کی رضا مانگی اجازت مل گئی حسینؑ دیکھ رہے ہیں علی اکبرؑ بپھرے ہوئے ہیں ولولہ ہے شوق شہادت ہے رُکیں گے نہیں آنکھ نیچی کر لی جاؤ کیا قدرت نے علی اکبرؑ کو اسلئے شبیہ پیغمبرؐ بنایا تھا کہ میدان جنگ میں ایک ہیجان پیدا کر دے ابن سعد نے تو حضرت رسالتمآب کو دیکھا تھا کتنے ہوں گے جنھوں نے دیکھا ہوگا پھر وہ سوچ رہے ہوں گے کہ جناب رسالتمآبؐ اپنے فرزند حسینؑ کی سفارش کرنے آئے ہیں اس کی بے گناہی کی وکالت کر رہے ہیں اور اس کے لئے شمشیر بکف ہیں آثار ہیں کہ لشکر میں علی اکبرؑ اس طرح دشمنوں کی طرف دوڑ رہے تھے گویا اس موت کے مشتاق تھے جو دشمنوں کے حربے میں تھی۔ خبریں ہیں کہ علیؑ کا پوتا مشہور اور یادگار جنگ سے واپس آیا ہوسکتا ہے کہ بچپن شباب اور اسکی امنگوں نے کہا ہوگا کہ اس کارنامے کے بعد باپ کی نگاہ حاصل کروں گر سوال آب تھا اس لئے کہ جنگ کی وقت آجائے بشارت

شہادت اور پلٹ پڑے دشمن کے انبوہ میں کمیں سے سر پر گرز لگا نیزہ کی انی سینہ توڑ گئی ہاتھ رکا تھا کہ بے شمار حربے چل گئے حسینؑ کو معلوم ہوا کہ علی اکبرؑ لٹ چکے حضرت کس طرح لاش لائے چہرے اور دانتوں سے خون پونچھ رہے ہیں۔

اب میں حسینؑ کے آخری سپاہی کی شہادت بیان کرنے کے لئے اپنے کو تیار کر رہا ہوں لیکن تیار نہیں ہوتا اپنے کو کھینچتا ہوں لیکن منقلب ہورہا ہوں ایک مجاہد جو حیرت خیز حربے سے لڑا گھوڑے پر سوار نہیں ہوسکتا پاؤں پاؤں چل نہیں سکتا سواری باپ کا ہاتھ یا آغوش ہے اور حربہ وہ سوکھی زبان ہے جو ورق گل سے باہر نکلی ہے

بنا کے شکل مجاہد کی لے چلے حضرت
الٹ دیا علی اصغر کی آستینوں کو

(رشید)

اس کے بعد کیا ہوا اس کے سمجھانے کے لئے بجائے اس کے کہ میں ایک معصوم بچہ کی صورت دکھاؤں حسینؑ کے کپڑوں کی سرخی دکھاتا ہوں اُسکا خون حسینؑ کے سینے پر جاری تھا۔ نوحہ کے قابل ہے کہ اب کوئی نہیں اور قافلہ سالار اہل بیت سے اسلحہ جنگ طلب کر رہا ہے۔ حضرت زینبؑ ہوں یا شہر بانو اسلحہ جنگ دیتی ہیں بیقراری نہیں۔ شکایت نہیں تسلیم و رضا ہے کیا یہ برداشت کے قابل تھا کہ حسینؑ کو رخصت کرنے کے لئے کوئی مرد نہیں ہے کہ رکاب تھام کر سوار کرے علی کی بیٹی یہ رسم ادا کرتی ہے شجاعان عالم اس بی بی کے قدم کی خاک اپنی آنکھوں میں لگائیں اور فخر کریں شہدائے عالم دیکھیں اور وجد کریں کہ کوئی بے یار و مددگار بی بی جو اس کے بعد اپنے لئے دنیا کی مصیبتیں دیکھ رہی ہے اس فرض کو کس طرح ادا کرتی ہے حضرت میدان میں تشریف لائے حجت تمام کی اور ایک پر جوش حملہ کیا ابومخنف کے نزدیک حضرت نے پہلے حملے میں پندرہ سو سواروں کو قتل کیا اکثر مضمون نگار اور واقعہ نویس حضرات نے مسٹر جیمس کارکرن مولف تاریخ چین کے وہ فقرات جو انھوں نے حضرت امام حسینؑ کے متعلق نوٹ کئے ہیں لیکن چونکہ ایک غیر قوم کے مورخ کی انصاف پسندی کا اعتراف نہ کرنا میرے نزدیک مستحسن نہیں ہے میں بھی اس موقع کو ضائع نہیں کرتا کہ اس قابل مصنف مورخ کے پر اثر فقرات کو ناظرین کے دلچسپ غور کے حوالہ کروں اسکے الفاظ یہ ہیں:

''دنیا میں رستم کا نام بہادری میں مشہور ہے لیکن کئی ایسے اشخاص گزرے ہیں کہ ان کے سامنے رستم کا نام لینے کے قابل نہیں چنانچہ اول درجہ میں حسین ابن علیؑ کا مرتبہ بہادری میں ہے کیونکہ جسے میدان کربلا کی ریت پر تشنگی میں ایسا کام کیا ہو اسکے سامنے رستم کا نام وہی شخص لیتا ہے جو تاریخ سے واقف نہیں کس کے قلم کی قدرت ہے کہ حسینؑ کی بہادری کا حال لکھئے کس کی زبان میں یہ طاقت و بلاغت ہے کہ ان بہتر بزرگوں کی ثابت قدمی اور تہور و شجاعت اور تیس ہزار سوار خونخوار شامیوں کے جواب دینے اور ایک ایک کے ہلاک ہو جانے کے باب میں مدح جیسی کہ چاہے کر سکے کس کی نازک خیالی کی یہ رسائی ہے کہ ان لوگوں کے دلوں کے حال کو تصور کرے کہ ان پر کیا کیا گزر گئی اس وقت سے ہے کہ جب ابن سعد نے انھیں گھیر لیا اس وقت تک جب کہ شمر ملعون نے سر کاٹ لیا کیونکہ ایک کی دو اور مثل مشہور ہے اور مبالغہ کی ہے جب کسی کے حال میں یہ کہا جاتا ہے کہ دشمن نے چار طرف سے گھیر لیا لیکن حسینؑ اور بہتر تن کو آٹھ قسم کے دشمنوں نے تنگ کیا تھا اور اس پر بھی قدم نہ ہٹا۔ چنانچہ چار طرف تو یزید پلید کی فوج تھی جن کے تیروں اور نیزوں کی بوچھار مثل آندھی کے آتی تھی اور پانچواں دشمن عرب کی دھوپ، چھٹا دشمن وہ ریگ کا میدان تھا جو آفتاب کی تمازت میں تنور خاکستر سے زیادہ پُرسوز تھا بلکہ اس کو دریائے قہر کہنا چاہئے جس کے بلبلے بنی فاطمہ کے پاؤں کے چھالے تھے اور دو دشمن سب سے زیادہ دشمن بھوک اور پیاس مثل دغا باز ہمراہی کے جس کے برابر عدد نہیں ساتھ تھے پس جنھوں نے ایسے معرکہ میں ہزارہا کافروں کا مقابلہ کیا ہو ان پر بہادری کا خاتمہ ہو چکا۔''

ابو اسحاق اسفرائینی حضرت کے ایک حملے کے متعلق لکھتے ہیں کہ حضرت شیرانہ جوش میں قلب لشکر کی طرف حملہ آور ہوئے اور دائیں بائیں ہر طرف تیغ زنی شروع کی اس وقت آپ کی تیغ زنی آپ کے والد ماجد شیر خدا علی مرتضیٰ کی نبرد آزمائی کا سماں باندھ رہی تھی ایک سوار کو گردن سے پکڑ کر دوسرے سوار کے ساتھ اس طرح ٹکراتے تھے کہ دونوں مر جاتے تھے اور دو سواروں کو پکڑ کر دو سواروں کو اس زور سے ٹکراتے تھے کہ جان ہوا ہو جاتی تھی، آپ کا گھوڑا ذوالجناح بھی برابر کام میں مشغول تھا کسی سوار کو دانتوں سے پکڑتا اور جھنجھوڑ کر ہلاک کرتا کسی کو دولتی رسید کرتا اور پرخچے اُڑا دیتا کسی کو دم اس زور سے مارتا کہ وہ اسکی جان کے لئے خدائی تازیانہ کا کام دیتی دیر تک یہی حالت رہی حتیٰ کہ دشمن کی فوج کا یہ حال ہو گیا کہ کوئی زخمی پڑا ہے کوئی خاک و خون میں ٹھنڈا ہو رہا ہے کوئی بھاگ جانے کی کوشش کر رہا ہے۔

مقتل ابومخنف میں حضرت کے تیس حملے ذکر کئے گئے ہیں ہر حملہ میں کئی کئی ہزار کافروں کا قتل کر کے میدان صاف کر دیا شمر بن سعد کے پاس گیا اور کہا کہ اب وہ وقت ہے کہ ہمارے لشکر کا ایک آدمی بھی باقی نہ رہے گا ابن سعد نے کہا پھر کیا کرنا چاہئے ۔۔۔۔ کہا تمام لشکر مجموعی طاقت سے تیروں، نیزوں تلواروں آگ اور پتھر سے حملہ کرے یہی ہوا حضرت زخموں سے چور ہو گئے تمام مورخین ہم زبان ہیں کہ پیشانی اقدس سے ناف مبارک تک ایک ہزار نوسو اکیاون زخم تھے با این ہمہ لشکر نے داہنے سے حملہ کیا حضرت نے ان کو پسپا کر دیا بائیں طرف سے حملہ کیا انکو بھی متفرق کیا۔

ابن اثیر کا قول ہے کہ ایسا کوئی شخص نہیں دیکھا گیا جسکے بھائی بھتیجے بھانجے اور عزیز مارے گئے ہوں تین دن کا بھوکا پیاسا ہو اور ایسی جرأت و بہادری دکھائے پورے لشکر کے باوجود بھی آپ لڑتے رہے۔ اس درمیان ایک تیر آ کر پیشانی پر لگا اب حضرت گھوڑے پر نہیں سنبھل سکتے۔

اگر غلط نہ کنم عرش برزمیں افتاد

ابی مخنف اور روضۃ الشہدا کی تحقیق ہے کہ جب قاتل حضرت کے قریب پہنچا حضرت نے غش سے آنکھیں کھول دیں فرمایا کیا وقت ہے جب معلوم ہوا کہ نماز عصر کا وقت ہے تو حضرت نے فرمایا اس قدر صبر کرو کہ ہم نماز پڑھ لیں لیکن ابھی سجدہ ختم نہ ہوا تھا کہ لشکر شام سے تین تکبیروں کی آواز بلند ہوئی کسی نے ان تکبیروں کو سن کر کہا۔

ویکبرون اذا قلت وانما

قتلوانك التكبير والتهليل

آپکو قتل کر کے تکبیر کہہ رہے ہیں حقیقتاً آپکو قتل کر کے انھوں نے تکبیر اور تہلیل کو قتل کر ڈالا حضرت مولانا روم نے تاریخ کا کیا خوب مصرعہ فرمایا ہے۔ سر دیں زبر یدسد نے

حضرت خواجگان معین الدین چشتیؒ فرماتے ہیں۔

شاہ است حسین بادشاہ است حسین	دین است حسین دیں پناہ است حسین
سر داد نہ داد دست در دست یزید	حقا کہ بنائے لا الہ است حسین

سرفراز ۱۹۷۹ء   محرم الحرام ۱۳۵۳ھ

❁❁❁

بارگاہ حسینی میں دانشوروں

اور

لیڈروں کا خراج عقیدت

موہن داس کرم چندر گاندھی 'مہاتما گاندھی'

میں نے کربلا کی المناک داستان اس وقت پڑھی جبکہ میں نوجوان ہی تھا۔ اس نے مجھ کو دم بخود اور مسحور کر دیا۔

'میں اہل ہند کے سامنے کوئی نئی بات نہیں پیش کرتا۔ بلکہ میں نے کربلا کے ہیرو کی زندگی کا بخوبی مطالعہ کیا ہے اور اس سے مجھ کو یقین ہو گیا ہے کہ ہندوستان کی اگر نجات ہو سکتی ہے تو ہم کو حسینی اصول پر عمل کرنا چاہیے۔ بحیثیت شہید کے امام حسینؑ کی مقدس قربانی میرے دل میں ثنا و صفت کا لازوال جذبہ پیدا کرتی ہے۔ کیونکہ انہوں نے تشنگی کی اذیت اور موت کو اپنے لیے اپنے بچوں اور تمام خاندان کے لیے گوارا کیا۔ لیکن ظالمانہ قوتوں کے سامنے سر نہیں جھکایا۔

میرا عقیدہ یہ ہے کہ اسلام کی ترقی اس کے ماننے والوں کی تلواروں کی رہین منت نہیں ہے بلکہ اس کے اولیاء کرام کی قربانیوں کا نتیجہ ہے۔''

پنڈت جواہر لال نہرو

تاریخ کا ایک سبق آموز واقعہ وہ عظیم اور جاودانی اثر ہے جو کربلا کے غم انگیز سانحہ سے دنیائے اسلام پر مترتب ہوا۔ تعجب خیز امر یہ ہے کہ ان طویل صدیوں میں کروڑوں نفوس پر یہ عظیم الشان اثر جاری رہا اور لاتعداد مسلم و غیر مسلم افراد کی ہمدردیاں حاصل کرتا رہا۔ لیکن پھر بھی یہ امر تعجب خیز نہیں ہے اس لیے کہ کسی خاص مقصد کے لیے قربانی نوع انسان پر ہمیشہ اثر انداز ہوتی رہی اور قربانی جس قدر پر خلوص اور اس کا مقصد جتنا اعلیٰ ہوگا اتنی ہی اس کی آواز بازگشت زمانہ کے گنبد میں گونجتی چلی جائے گی۔

اور مردوں، عورتوں کی زندگیوں پر اس کا اثر ہوتا رہے گا۔ لابدی ہے کہ ایک غم انگیز واقعہ ہمارے جذبات غم کو ابھارے۔ تاہم اس جذبۂ غم میں ایک جذبہ کامرانی بھی نمودار ہوتا ہے۔ یعنی انتہائی مخالف ماحول پر انسانی قوت ارادی کی فتح اور یوں شکست وغم سے فتح مندی اور مسرت پیدا ہوتی ہے اور اس لیے یہ بہت اچھا ہے کہ ہم اسے یاد رکھیں اور اس سے ہدایت وسبق حاصل کرتے رہیں۔

اس شہادت میں ایک عالمگیر پیغام ہے۔ حضرت امام حسینؑ نے اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ مگر ایک ظالم حکومت کے سامنے سر نہیں جھکایا۔ ہر فرقہ اور قوم کے لیے یہ قربانی شمع راہِ ہدایت ہے۔

ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور

حسینؑ نے کیا سکھایا؟ یہ مادّی دنیا جس میں ہم رہتے ہیں اسی وقت اپنا توازن کھو دیتی ہے جب اس کا رشتہ محبت کی دنیا سے ختم ہو جاتا ہے۔ اسی حالت میں ہمیں نہایت ارزاں اور فرد مایہ چیزوں کی قیمت اپنی روح سے ادا کرنی پڑتی ہے۔ یہ صرف اس وقت ہوسکتا ہے جب مادّیت کی مقید کرنے والی دیواریں حیات کی آخری منزل ہونے کی دھمکیاں دیتی ہیں۔ جب یہ ہوتا ہے تو بڑے بڑے تنازعے، حاسدانہ فتنے اور مظالم اپنے لیے جگہ اور موقع تلاش کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ محدود ہیں۔ ہمیں اس خرابی کی دلگداز خبر ملی ہے اور ہم ناقص صداقت کے محدود دائرے ہی کے اندر ہی توازن قائم رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ اس میں ناکامیابی ہوتی ہے۔ اس موقع پر صرف وہی ہماری مدد کرتا ہے جو اپنی حیات مستعار سے یہ ثابت کر دکھاتا ہے کہ ہم روح بھی رکھتے ہیں وہ روح جس کا مسکن محبت کی بادشاہت میں ہے اور پھر جب ہم روحانی آزادی حاصل کر لیتے ہیں تو مادّی اشیا کی مصنوعی قیمتوں کا زور ہماری نگاہوں میں ختم ہو جاتا ہے۔

ہر ہائنس مہاراجہ پوربندر

حق وانصاف کی خاطر موت اور انسانیت کی نجات کی خاطر فنا بہتر اور اچھی زندگی گزارنے والوں کے لیے ایک لافانی پیغام ہے۔ موت قربانی کا دوسرا نام ہے۔ ایسی قربانیوں نے نہ صرف یہ کہ تہذیب کو زندہ رکھا ہے بلکہ اس کو مالا مال کیا ہے۔ اور ترقی بخشی ہے۔

امام حسین علیہ السلام کی قربانی بھی ایسی ہی تھی اور اس نے نہ صرف یہ کہ اسلامی فکر وعمل کو تابش بخشی ہے بلکہ تمام انسانیت کو سنوارا ہے۔ آج جبکہ افراد اور قوم میں بغض وحسد کی آگ بھڑک رہی ہے

اور خون بہانا اصول بن چکا ہے کیا ہم تباہ و برباد نہ ہو جائیں گے۔ اگر ہم امام حسینؑ اور ان کے رفقاء کی تعلیمات کو اپنے افکار کا سرمایہ اور اپنے عمل کا مرکز نہ بنالیں؟

آج ہم کو اپنے دل میں ٹھان لینا چاہیے کہ ہم قیام امن و ترقی اور انسانیت کے ارتقاء کے لیے خدمت اور قربانی کے ان جواہر ریزوں کو عمل کی شکل میں تبدیل کر دیں گے جو کربلا کے شہداء سے ہم کو حاصل ہوئے ہیں۔

ہز ہائنس مہاراجہ جگ جیت سنگھ بہادر (والی ریاست کپورتھلہ)

انسانی تاریخ میں شہیدوں کا مرتبہ بہت بلند ہے اور سچے شہید چاہے وہ کسی قوم وملک کے ہوں ہر مذہب وملت کے لیے قابل عزت ہیں، کوئی پابند اصول انسان ہرگز یہ نہیں کہہ سکتا کہ شہید کسی خاص قوم یا زمانے کے لیے رہنما ہیں بلکہ شہیدوں کی روشن مثال ہر فرد بشر کے لیے سبق آموز ہے اور اس نقطۂ نظر سے حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے واقعات ساری دنیا کے لیے قابل مطالعہ ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ حضرت امام حسینؑ کی شجاعت کی یاد تازہ رکھنے کی کوشش میں سکھ، ہندو، عیسائی دل سے شامل ہوں گے میرا یہ پیغام معمولی یا رسمی پیغام نہیں ہے بلکہ میرے خیالات کا صحیح عکس ہے۔

سر رادھا کرشنن سابق صدر جمہوریہ ہند

امام حسینؑ نے اپنی قربانیوں اور ایثار سے دنیا پر یہ ثابت کر دیا کہ دنیا میں حق وصداقت کو زندہ و پائندہ رکھنے کے لیے ہتھیاروں اور فوجوں کے بجائے جانوں کی قربانی پیش کر کے کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔ انہوں نے دنیا کے سامنے ایک بے مثل نظیر پیش کی ہے آج ہم اس بہادر جان فدا کرنے والے اور انسانیت کو زندہ کرنے والے عظیم الشان انسان کی یادگار مناتے ہوئے اپنے دلوں میں فخر ومباہات کا جذبہ محسوس کرتے ہیں۔ امام حسینؑ نے ہم کو بتا دیا کہ حق وصداقت کے لیے اپنا سب کچھ قربان کیا جا سکتا ہے۔

بابو پرشوتم داس ٹنڈن (سابق اسپیکر یو۔ پی)

شہادت حسینؑ میرے لیے ہمیشہ ایک المیہ کشش رکھتی تھی۔ اس زمانہ میں بھی جب میں کمسن بچہ تھا میں اس عظیم تاریخی واقعہ کی یاد منانے کی اہمیت کو سمجھتا تھا۔ اتنی بلند قربانی نے جیسی کہ امام حسینؑ نے پیش کی ہے انسانیت کو اس کے درجہ سے بلند کر دیا ہے اور ان کی یادگار منانے اور قائم کرنے کے قابل ہے۔

بی۔جی کھیر (سابق وزیر اعلیٰ بمبئی)

امام حسینؑ نے ہمیں جو سبق سکھایا ہے وہ ہماری زندگی کے لیے چراغ کا کام دیتا ہے۔ یہ آسان بات ہے کہ حق اور سچائی کے لیے اپنی جان دی جائے۔ مگر یہ مشکل ہے کہ ہزاروں دشمنوں کے مقابلہ میں چند گنے چنے ساتھیوں اور رشتہ داروں کو لے کر ان کا مقابلہ کیا جائے اور یکے بعد دیگرے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو قتل ہوتا ہوا دیکھا جائے۔

انہوں نے ۱۳ سو سال قبل جو سکھایا تھا وہ سبق آج تک ہم سیکھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہندوؤں کا کوئی بڑا پنڈت یا عالم اس وقت تک حقیقی معنی میں عالم و پنڈت نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ حسینؑ کے اس پیغام اور اصول کو اچھی طرح نہ جانے اور اس پر عمل نہ کرے۔ امام حسینؑ صرف مسلمانوں ہی کے نہیں بلکہ ہندوؤں کے بھی ہیں اور ہندو مسلمان ان کے نقش قدم پر چل کر ظلم و ستم کے خلاف سینہ سپر ہو سکتے ہیں۔

پنڈت گوبند بلبھ پنتھ (وزیر امور داخلہ حکومت ہند)

امام حسینؑ کی ذات اس ظلمت و تاریکی میں ایک منارۂ نور کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان کی شہادت انسانیت کو درس بصیرت دیتی رہے گی اور اس کو وحشیانہ قوت اور بہیمت کے مقابلہ میں ثبات قدم عطا کرے گی اور جب بھی انسان کے لیے ان لافانی خوبیوں کے تحفظ کا موقع آجائے گا جو انسانی تمدن کا جزو لاینفک ہیں اس وقت یہی شہادت ٹڈی دل دشواریوں کا مقابلہ کرنے کی تاب و طاقت دے گی۔

ڈاکٹر راجندر پرشاد (صدر جمہوریہ ہند)

کربلا کا واقعہ شہادت انسانی کا وہ واقعہ ہے جسے کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا اور دنیا کے کروڑوں مردوں اور عورتوں کی زندگی پر اثر انداز رہے گا۔

ہندوستان میں اس واقعہ کی یادگار بڑی سنجیدگی سے منائی جاتی ہے۔ جس میں نہ صرف مسلمان حصہ لیتے ہیں بلکہ غیر مسلم افراد بھی مساویانہ دلچسپی کا اظہار کرتے ہیں۔ ان شہیدوں کی زندگیاں ایسے زمانہ میں جبکہ ہم اس ملک میں جنگ آزادی میں مصروف ہیں اور قوم وطن کی خاطر قربانیاں پیش کر رہے ہیں۔ ہمارے لیے منارۂ روشنی کی حیثیت رکھتی ہے۔

مسٹر گوکھلے (سورگیہ) صدر انڈین نیشنل کانگریس)

اگر حسینؑ اپنی شہادت سے اسلام کے اصول کو از سر نو زندہ نہ کرتے تو یا تو اسلام مٹ جاتا اور اگر

اسلام کا وجود ہوتا بھی تو بے اصول اور بدترین مذہب کی حیثیت سے جس کے اندر بڑی آزادی سے وہ سب برائیاں پھیل جاتیں جن کا رواج یزید اور اس زمانہ کے مسلمانوں کی روزمرہ زندگی میں پھیل گیا تھا۔

پروفیسر رگھوپتی سہائے فراق گورکھپوری

حسینؑ کی بلند اور پاکیزہ سیرت محسوس کیے جانے کی چیز ہے۔ ایسے الفاظ کا پانا آسان نہیں جو ان کے کردار کی عظمت کے مکمل مظہر ہوں۔ یوں تو ان کی سیرت، روحانیت اور آنسوؤں کی سب سے زیادہ تابناک روشنی میں کربلا (کرب و بلا) کے اندر چمک دکھاتی ہے۔ لیکن جو لوگ حسینؑ کی زندگی سے کربلا میں شہادت واقع ہونے سے پہلے سے واقف ہیں ان کے لیے اس زندگی کی بے داغ اور استوار پاکیزگی، اسکی بشریت، اس کا خلوص اور وقار، سچ کی عجیب اور سخت امتحان کے مقابلہ کی طاقت، یہ باتیں اتنی نمایاں ہیں کہ بلالحاظ مذہب وملت ہر فرد سے بہ خوشی خراج عقیدت حاصل کرنے کا مطالبہ کرتی ہیں ایسے رہبر روز نہیں پیدا ہوا کرتے ۔

کیا صرف مسلمانوں کے پیارے ہیں حسینؑ
چرخِ نوع بشر کے تارے ہیں حسینؑ
انسان کو بیدار تو ہو لینے دو
ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؑ

مجھ جیسے گنہگار انسان کے لیے حسینؑ کے اخلاقی کمالات کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ لگانا غالباً اپنی قابلیت سے بڑھ کر جرأت آزمائی کا مترادف ہوگا۔ وہ دنیا کے بڑے بڑے خدا رسیدہ رشیوں اور شہیدوں کے ہم پلّہ ہیں۔ ان کا نام اور کام، ان کی زندگی اور موت کے واقعات ان نسلوں کی روحوں کو بیدار کریں گے جو ابھی پیدا نہیں ہوئیں۔

ڈاکٹر رادھا کمار مکرجی (صدر شعبۂ تاریخ لکھنؤ یونیورسٹی)

تاریخ جن عظیم ترین شخصیتوں سے واقف ہے ان میں امام حسینؑ بھی ہیں، فانی ہو کر لافانی تک پہونچ جانا محدود ہو کر لامحدود کو پالینا یہی ان کی زندگی تھی۔ وہ تھے تو ایک فرد مگر انہوں نے اپنی ہستی کو وسعت دے کر پوری کائنات بنا دیا۔ اس طرح وہ فانی انسانیت کی مجسم امید بن گئے ہیں۔ ان کی زندگی

بتاتی ہے کہ انسان کس طرح دیوتا ہوسکتا ہے امام حسینؑ نہ کسی عہد کے ہیں نہ کسی ملک کے ہیں۔ ارضی حد بندیاں ان کی عظمت کو محدود نہیں کرسکتی ہیں وہ تمام قوموں اور تمام زمانوں کے ہیرو ہیں۔ یہ کیوں؟ اس لیے کہ وہ اس بلند ترین معیار حق کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے جو تمام نوع انسانی کے دل میں مستقل طور پر گھر کیے ہوئے ہے۔ اسی کے لیے جیئے اور اسی کے لیے مرے۔ حق امام حسینؑ کے خون میں جاری تھا۔ اور ان کے نظام ہستی کا ایک لازمی جز تھا۔

امام حسینؑ حق کا عین شعلہ بن کر چمکے جس سے نور بھی پھیلا اور حرارت بھی۔ ان کی شجاعت کی حرارت نے ان کے دشمنوں کو جلا کر خاک کر دیا۔ ان کی بے مثال شخصیت کا ضوفشاں نور آج بھی خیال کی دنیا کو روشن کیے ہوئے ہے۔

اصول کی پیروی میں ایسی زبردست قربانی تاریخ میں اپنا جواب نہیں رکھتی۔ امام حسینؑ انسانیت کے ایک بڑے ہیرو ہیں۔ جن کی یاد کو ہر زمانے اور ہر ملک میں پوجنا چاہیے۔ وہ اب بھی ایک زندہ طاقت ہیں جس سے مناسب موقعوں پر ہم کو مدد مانگنا چاہیے۔

رائے بہادر راجہ مہیشور دیال سیٹھ سورگیہ (سابق وزیر زراعت اتر پردیش)

اس بڑی اور شاندار قربانی کا کیا بھید ہے؟ ظاہری اور جسمانی نقطۂ نظر سے واقعات کو دیکھ کر لوگ یہ محسوس کرتے ہیں کہ حسینؑ نے بھوک اور پیاس، دکھ اور درد، رنج اور غم کی تکالیف برداشت کیں۔ لیکن جب ہم ان واقعات پر ذرا اور بلندی سے اور روحانی نقطۂ نظر سے غور کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ایک بڑی آتما ان میں تھی اور وہ ایک بڑی آتما میں تھے۔

حسینؑ نے اپنی عظیم المرتبت اور شاندار قربانی حق اور انسانیت کی حفاظت کے لیے پیش کی۔ ان کی شہادت انسانیت کے لیے مسلسل درس ہے کہ حق اور انصاف کبھی دبائے نہیں جا سکتے اور بالآخر فتح پاتے ہیں۔

تاریخ اسلام میں پیغمبر اسلام کے بعد وہ سب سے بڑی ہستی کہے جانے کے مستحق ہیں۔ صداقت، انصاف اور فرض کی قربان گاہ پر انہوں نے تیرہ سو برس پہلے اپنے آپ کو بھینٹ چڑھایا۔ لیکن ایک بلند اور اعلیٰ مفہوم میں وہ آج بھی زندہ ہیں اور فرض شناسی، جرأت اور حب الوطنی کے پیغام کے ساتھ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

لالہ دینا ناتھ، اڈیٹر ''ویر بھارت''

بزرگ ہستیاں خواہ ان کا تعلق کسی مذہب سے بھی ہو ہمارے نزدیک واجب الاحترام ہیں اور غیر مذہب کے رہنماؤں کی عزت کرنا ایک ایسا وصف ہے جو ہندوؤں کو اپنے رشیوں سے ورثہ میں ملا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ برہم سماج جیسی سوسائٹیاں ہندوؤں میں قایم ہوئیں اور اب بھی ہندوؤں کی سرپرستی اور مدد سے چل رہی ہیں۔ اندریں حالات اگر ہم عرب کے اس شہید اعظم کو خراج تحسین ادا کرتے ہیں تو اس کا مقصد مسلمانوں کو خوش کرنا نہیں بلکہ درحقیقت ایک عظیم الشان شخصیت کا مطالعہ کرنا اور انسانیت کے تئیں اپنا فرض ادا کرنا ہے۔

جے آر گوڑسے۔ ایڈوکیٹ بمبئی

دنیا میں حسینؑ کے علاوہ اور بھی بہت سے انسان شہید ہوئے۔ حسینؑ پہلے شہید نہیں تھے۔ اگر ہم ان کی شہادت کو اس زاویہ نگاہ سے دیکھیں تو اس میں کوئی خاص بات نظر نہیں آتی ہے۔ مگر جب ہم ان واقعات پر نظر ڈالتے ہیں جن سے حضرت حسینؑ کو گزرنا پڑا اور ان مقاصد پر غور کرتے ہیں جن کے لیے حسینؑ نے اپنی اور اپنے ساتھیوں کی جانیں قربان کیں تو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ حسینؑ سے بڑا شہید دنیا کی ابتدا سے لے کر آج تک کوئی پیدا ہی نہیں ہوا۔

انہوں نے حق کی مدافعت، انسانیت کی بقا، اسلامی اصولوں کی حفاظت اور ملوکیت کے خاتمہ کے لیے جدو جہد کی اور ایسی شدید تکلیفیں برداشت کیں جن سے انبیاء بھی شاذ و نادر ہی دوچار ہوئے ہوں گے۔ اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ انہیں تاریخ عالم کا عظیم کردار قرار نہ دیا جائے اور ان کی قربانیوں کو فراموش کر دیا جائے۔

ان کی پاکیزہ زندگی، ان کی اعلیٰ تعلیم، ان کا عزم و عمل اور استقلال و شجاعت رہتی دنیا تک انسانیت کی رہنمائی کرتی رہے گی۔ وہ روشنی کا مینار ہیں۔ منزل کے متلاشی ان سے روشنی حاصل کر کے اپنی منزل مقصود کی طرف بڑھتے رہیں گے۔

سی۔ ایس رنگا آئر (سابق ایم۔ ایل۔ اے۔ مرکز)

اگر حسینؑ کی زندگی اور قربانی کے مقصد اعلیٰ کو سمجھ لیا جائے تو ہر ہندو، شیعہ، سنی اور انگریز، بالکل اس نتیجہ پر پہونچے گا کہ ''پست سیاست حسینؑ کی نظر میں بیکار تھی۔'' اپنے دشمن کی فوج میں تفرقہ اندازی یا

پھوٹ ڈالنے کی کوشش کا خیال ہی ان کے دماغ میں نہ تھا۔ وہ اپنے ہی ساتھیوں سے فرماتے تھے کہ متفرق ہو جاؤ اور میرے ساتھ اپنی جان نہ دو مگر ان کے مٹھی بھر اصحاب باوفا کے قدموں کو جنبش نہ ہوئی اور اپنی زندگی کے آخری سانسوں تک ان کا ساتھ دیا نہ موت کی تلخی، نہ حیات کی شیرینی ان کو اپنے آقا سے جدا کر سکی۔ اس لیے کہ وہ لوگ حسینؑ میں تجلیات الٰہی کا مشاہدہ کر رہے تھے۔

حسینؑ دنیاوی مقاصد رکھتے ہی نہ تھے۔ بس ان کا مقصد یہ تھا کہ مستقبل میں تاریک اور یزید پرست دنیا کے لیے ایک مثالی انسان، ایک نور ہدایت اور ایک غیر فانی رہنما ہو کر رہیں۔ انہوں نے موت کو خود دعوت نہیں دی۔ لیکن یزید کی بیعت اور اپنے ضمیر کا خون کر کے زندہ رہنا بھی انہیں گوارا نہ تھا وہ صرف اپنے ضمیر کے پابند تھے جو اس فرمانروا (یزید) کو تسلیم نہ کرتا تھا۔ اس لیے کہ وہ نااہل، فاسق اور اسلام سے کوسوں دور تھا وہ بخوشی کنارہ کشی اختیار کر لیتے۔ اگر یزید شیطان کا بندہ نہ ہوتا بلکہ حسینؑ کی طرح خدا کا برگزیدہ بندہ ہوتا۔

اگر حسینؑ کو حکومت ملتی تو ان کی حکومت زمین پر آسمانی حکومت ہوتی تاہم مرنے کے بعد بھی وہ ایسی حکومت کر رہے ہیں جو کوئی حکمراں نہیں کر سکتا۔ وہ لازوال تخت وتاج کے مالک ہیں وہ ہمارے غیر فانی بادشاہ ہیں۔ انہوں نے فطرت انسانی کو غیر محدود وسعت عطا فرمائی ہے۔

حسینؑ کے وفادار آسمان کے ستاروں کی طرح جگمگا رہے ہیں۔ نسل انسانی جب تک صفحۂ ہستی سے خود نہ مٹ جائے گی ان کے کارناموں کو فراموش نہیں کر سکتی۔

پروفیسر بشمبر ناتھ سکسینہ ایم اے (حیدرآباد سندھ)

محمدؐ اور حسینؑ۔ اگر تاریخ اسلام سے ان دو ناموں کو نکال دیا جائے تو کچھ باقی نہیں رہتا۔ اول الذکر نے تعلیم دی اور ثانی الذکر نے اس پر عمل کر کے دکھا دیا۔ اول الذکر نے آواز دی اور ثانی الذکر نے ''لبیک'' کہا۔

اسلام مجوعہ ہے دو الفاظ کا، علم اور عمل، محمدؐ علم تھے اور حسینؑ عمل۔ ان دونوں کے مجموعہ سے اسلام کی تاریخ بنتی ہے۔ اگر حسینؑ اپنے خون سے محمدؐ کے علم کو عمل نہ بناتے تو بعض معترضین کے نزدیک دین کا عملی پہلو کمزور رہ جاتا۔

کس قدر عظیم اور مقدس تھا وہ انسان جس نے اپنا خون دے کر دین کی تکمیل کی اور معترضین کو

اعتراض کا موقع نہ دینے کے لیے اپنی جان دینا گوارا کی۔ کاش میرے ہندو بھائی غور کریں اور دیکھیں کہ وہ مذہب کیسے باطل ہوسکتا ہے جس کے پرستاروں میں یہ روح کارفرما ہے کہ اپنی جان دے کر اپنے مذہب کی صداقت ثابت کرتے ہیں اور جس کے معمولی پیرو ہی نہیں بلکہ اس کے اکابر بانی مذہب کے نواسے اور دوسرے رشتہ دار تک وقت آنے پر قربانی سے دریغ نہیں کرتے۔

حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کی قربانیوں اور ہولناک مصائب تاریخ میں اپنی نظیر نہیں رکھتے۔ انہوں نے جس ہمت استقلال اور بہادری سے حق کی خاطر باطل سے جنگ لڑی۔ یہ جاننے کے باوجود کہ انجام کار ہم قتل کر دیے جائیں گے۔ وہ اس قابل ہے کہ سارا عالم اس سے سبق لے اور اپنی زندگیوں کو اسی سانچے میں ڈھال لے جس میں حسینؑ کی زندگی ڈھلی تھی تو آج ہی دنیا سے سارے مصائب کا خاتمہ ہوجائے اور ہر طرف آشتی کا راج ہو۔

ڈاکٹر ایس وی پنتم بیکر (صدر شعبۂ تاریخ ہندو یونیورسٹی بنارس)

حسینؑ تاریخ عالم میں شریف ترین سیرت کے حامل ہیں کربلا میں ان کی شہادت ایک ایسا تاریخی واقعہ ہے جس کی اہمیت اور عظمت روز بروز بڑھتی جاتی ہے، انسان جن بڑی اور عظیم المرتبت شخصیتوں کی تعریف کرتے اور ان سے محبت کرتے ہیں۔ حسینؑ ان پاکیزہ ہستیوں میں سے ایک ہیں۔ ان میں شریف خیال، پاکیزگی، سادگی اور خلوص کی صفات مجمع تھیں۔ جو لوگ دنیا میں انسانی محبت اور عزت اور امن وسکون کے خواہشمند ہیں ان کے لیے یہ صفات ایک مستقل ذریعہ الہام وحصول انسانیت ورواداری ہیں اور رہیں گی، یہ تمام اصول امام حسینؑ کی زندگی میں پائے جاتے ہیں اور انہیں کے لیے شہادت کی موت اختیار کی۔

پنڈت امرناتھ (سورگیہ واشی) سابق وائس چانسلر الہ آباد یونیورسٹی)

تاریخ انسانی کے غمناک واقعات میں کوئی بھی اتنا دلخراش واقعہ نہ ہوگا جتنا کربلا کے میدان میں جنگ حسینؑ کا خاتمہ ہے۔

وہ عین نماز کی حالت میں قتل کیے گئے، اور شہادت کا درجہ حاصل کر گئے۔ ہمارے نزدیک قدیم سورماؤں کے کارناموں کو مدِ نظر رکھنا بہت بہتر ہے کہ وہ لوگ کیا تھے اور کیا کر گئے انکی کامیابیاں روح کی پر استقلال فتح کا باعث ہیں جن کا انہیں سخت امتحانات میں سامنا کرنا پڑا۔

ڈاکٹر ایس کے بنرجی (پی۔ایچ۔ڈی لندن) شعبہ تاریخ (لکھنؤ یونیورسٹی)

حسینؑ نے خود داری اور اپنے نہ مٹنے والے حق کے سلسلہ میں استقامت کر کے ایک شہید کی موت مرنا اور تکلیف اٹھانا پسند کیا۔ دنیا کی تاریخ کے صفحات میں وہ منظر سب سے زیادہ درد انگیز ہے۔ جب یہ مقدس ہستی چٹیل اور ویران ریگستان سے روانہ ہوئی اور کربلا میں بہادرانہ مقابلہ کیا۔ جس کے نتیجے میں حسینؑ اور ان کی جماعت کے بہت سے افراد کو جام شہادت نوش کرنا پڑا۔

اس طرح کی عدم جارحانہ زندگی کا سلسلہ جس کی پشت پر انسانی شجاعت سے بھی بلند کوئی چیز تھی۔ شہادت کے وقت باقی رہی اور یہ اس کی شایان شان تھی۔ جو برکات امن کے پیغامبر کا نواسہ ہو۔ حسینؑ کی روحانی عظمت کا اندازہ روح کو بے چین کرنے والے ان اصولوں سے لگ سکتا ہے۔ جن کا مظاہرہ ان کے ساتھیوں نے کیا جب رسد، غذا، پانی سب کے دروازے ان پر مسدود کر دیے گئے تھے۔ اس وقت بھی انہوں نے اس کا خواب نہ دیکھا تھا کہ وہ حسینؑ کو چھوڑ کر چلے جائیں۔ اس وقت بھی انہوں نے اپنے دشمنوں کے خلاف کوئی کلمہ بد نہیں کہا۔ بلکہ اپنے قائد کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اس کی برکت و دعا حاصل کرنے کے متمنی ہو کر اپنی جانیں دیدیں۔

حسینؑ کی تعلیمات اور بہادرانہ شہادت نے ان بعض حقائق و صداقت کی تصدیق کر دی جن پر رسولؐ یعنی ان کے جد نے روشنی ڈالی تھی۔ اپنے مقصد پر مضبوطی سے قایم رہنا دنیا کے مادی مفاد کی پرواہ نہ کرنا، ان سے قطع تعلق کر لینا مصائب میں صبر و استقلال کا سبق میدان کربلا میں اس طرح دہرایا گیا جس طرح عرب میں کبھی اس کی تلقین نہیں کی گئی تھی اس پاک مقصد میں۔

حسینؑ نے اپنے اور اپنی اولاد کے لیے ایک، غیر فانی کامیابی اور لازوال شہرت حاصل کر لی۔ کربلا کے شہدا کی زندگی کے ساتھ کے بلند نصب العین کا خاتمہ نہیں ہوا۔ یہ نصب العین اکثر دہرایا گیا اور دنیا کے ہر گوشہ میں آج بھی اس کی یاد تازہ ہے۔

پروفیسر آتمارام۔ایم اے (گورنمنٹ کالج ہوشیار پور)

ایسی فضا میں جبکہ ہندو مسلم کشیدگی اپنے عروج پر ہے۔ ایک غیر مسلم کا ایک مسلمان رہنما کو خراج عقیدت پیش کرنا بظاہر تعجب کی بات ہے اور ممکن ہے میرے ہندو بھائی میرے اس فعل کو اچھی نظر سے نہ دیکھیں۔ مگر ان کے پاس اس کا کیا علاج ہے کہ ''حسینؑ'' جنہیں میں خراج عقیدت پیش کر رہا ہوں اپنی

منفرد شخصیت اپنی الوالعزمی اپنے بلند کردار اور پاکیزہ مقاصد، اپنے کردار اور اپنی ہمت وحوصلہ کی وجہ سے تاریخ اسلام ہی نہیں بلکہ تاریخ عالم میں بے نظیر حیثیت کے مالک ہیں۔ دنیا کے بڑے بڑے انسانوں اور خاص طور پر شہدائے عالم کی زندگیوں پر نظر ڈالو اور بتاؤ کہ مقاصد کی پاکیزگی، ارادوں کی بلندی، بے خوفی اور مصائب کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کی قوت میں حسینؑ کا مقابلہ کرنے والا کوئی اور شہید نظر آتا ہے۔؟

جن حالات میں تکالیف کی شدت اور طوالت میں حسینؑ نے اپنا امتحان دیا اور کامیابی حاصل کی ایسا سند یافتہ کوئی اور ہے؟ پھر اس میں کیا تعجب ہے کہ اگر میں غیر مسلم ہوتے ہوئے ایک مسلم شہید کی بارگاہ میں نذرانہ عقیدت پیش کر رہا ہوں۔ جو درحقیقت مسلم شہید نہیں بلکہ شہید انسانیت تھا۔

کاش اس بدقسمت ملک کے بدقسمت باسی ہندو مسلمان کے بجائے انسان کے نقطۂ نظر سے غور کرنا سیکھیں کاش ہم محدود مقاصد کے بجائے وسیع مقاصد کو پیش نظر رکھیں تو ہم بلا تفریق مذہب ملت حسینؑ کے سامنے سر نیاز جھکا دیں گے اور اس طرح حقیقی معنی میں اس انسان کی یاد منائیں گے جو اپنی ذات کے لیے نیز بلکہ ساری انسانیت کے لیے شہید ہو گیا۔

خدا اس پر اپنی ہزار ہزار رحمتیں نازل کرے۔

پروفیسر راج کمار شرما (گورنمنٹ کالج لدھیانہ)

حسینؑ کی زندگی اور موت دونوں قابل رشک اور عالم انسانیت کے لیے نمونہ ہیں۔ وہ زندہ رہے تو ایک پاکباز انسان کی حیثیت سے۔ اگر وہ یزید کی بیعت کر کے اسے اپنا خلیفہ تسلیم کر لیتے تو دنیا کی کون سی نعمت تھی جو ان کے قدموں میں نہ ڈال دی جاتی اور وہ کون سا منصب تھا جو یزید انہیں نہ دیتا۔ اس صورت میں وہ دنیوی جاہ وثروت تو حاصل کر لیتے۔ لیکن نیک نامی کے ساتھ ہمیشہ کی زندگی سے محروم ہو جاتے۔ انہوں نے یزید کی بیعت نہ کر کے دنیاوی جاہ وثروت اور عارضی امارت ومقاصد کو ٹھوکر ماردی کہ یہ ان جیسی عظیم المرتبت ہستی کے شایان شان ہی نہیں تھا اور اس کے خلاف صف آرا ہو گئے۔ کیونکہ وہ انہیں ایک ایسے کام کے لیے مجبور کر رہا تھا جو اسلام کی روح کو فنا کر دینے والا تھا۔ حسینؑ نے اپنی جان کا خاتمہ گوارا کر لیا مگر اپنے مذہب کی روح کا فنا ہونا گوارا نہ کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نہ اسلام فنا ہوا اور نہ حسینؑ۔ حسینؑ بھی زندہ رہے اور اسلام بھی۔ یہ ہیں حسینؑ۔

(سکھ رہنما) سردار سنت سنگھ صدر یو پی سنٹرل سکھ دیوان (ایڈیٹر انصاف)

حضرت امام حسینؑ نے جو جنگ لڑی وہ ان کی ذاتی جنگ نہ تھی بلکہ انسانیت وحق پرستی کی حمایت کی جنگ تھی۔

حضرت امام حسینؑ نے اپنی اور اپنے ساتھیوں اورعزیز اقارب کو بھینٹ چڑھا کر شہادت اور قربانی کی، کربلا میں وہ نظیر قائم کردی جس کے مطالعہ سے آج تیرہ سو سال بعد ایک پتھر دل انسان کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔

مذہب اسلام کے موجودہ عروج وترقی میں حضرت امام حسینؑ اور ان کے عزیز واقارب ورفقا کی شاندار قربانیوں کا راز مضمر ہے۔

سردار خزان سنگھ ایم۔اے (پروفیسر لدھیانہ کالج)

سکھ قوم کی روایات ہمیشہ بہادری اور شجاعت سے وابستہ رہی ہے۔اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ وہ دوسرے مذاہب کے بہادروں کی عزت نہ کریں۔امام حسینؑ کی عزت کرنا تو سکھوں کے نزدیک ایک لازمی امر ہے۔کیونکہ وہ معمولی درجہ کے بہادر نہیں تھے۔انہوں نے کربلا کے میدان میں ایک مٹھی بھر ساتھیوں کی ہمراہی میں ٹڈی دل لشکر کا جس پامردی سے مقابلہ کیا اور بڑی سے بڑی مشکل کو جس طرح ہنس کھیل کر برداشت کیا اس نے ان کا مرتبہ اس قدر بلند کردیا ہے کہ وہ بہادران عالم میں ممتاز جگہ پر فائز ہیں۔انہوں نے اپنی اور اہل خاندان حتیٰ کہ شیر خوار بچے کی جان قربان کرنا تک گوارا کرلی۔مگر ظلم وستم اور فسق وفجور کے آگے سر تسلیم خم کرنا گوارا نہیں کیا۔انہوں نے حق کی خاطر بڑی مردانگی سے جنگ کی۔ کون کہتا ہے کہ وہ اپنے دشمنوں کے مقابلہ پر شکست کھا گئے؟ شکست تو ان کے دشمنوں کو ہوئی۔جن پر آج ساری دنیا لعنت بھیج رہی ہے اور فتح تو حضرت امام حسینؑ کو ہوئی۔جن کی غلامی کا دعویٰ بڑے بڑے فرمانروایان عالم فخر سے کرتے ہیں۔

سردار کرتار سنگھ ایم اے ایل ایل بی ایڈوکیٹ (پٹیالہ ہائی کورٹ)

بظاہر مسلمان اوسطاً سب سے زیادہ غریب ہے۔لیکن مسلمان سب سے زیادہ امیر ہے جبکہ حسینؑ علیہ السلام جیسی شخصیت اسے ورثہ میں ملی ہے اگر آپ حسین علیہ السلام کو بھول جائیں تو اس کا نتیجہ نقصان ہی نقصان ہوگا۔حضرت محمدؐ سے پہلے دنیا اس نقطہ سے ناآشنا اور بیگانہ محض تھی۔جذبہ شہادت مسلمانوں

ہی نے دنیا کو دیا ہے۔ انہوں نے اسے لفظ کی حیثیت ہی سے دنیا کے سامنے پیش نہیں کیا۔ بلکہ اسے عملی جامہ پہنایا اور اس سلسلہ میں بہترین نمونہ شہید کربلا ہیں۔

حسینؑ نے دنیا والوں کو خندہ پیشانی کے ساتھ مرنا سکھایا محمدؐ صاحب نے جو انسانیت کے لیے بہترین اصول پیش کیے تھے حسینؑ نے اپنی قربانی اور شہادت سے انہیں زندہ کر دیا۔ ان پر ابدیت کی مہر لگا دی۔ حسینؑ کا اصول اٹل ہے اور سدا اٹل رہے گا۔ حسینؑ نے جو قلعہ تیار کیا ہے اسے کوئی گرا نہیں سکتا۔ کیونکہ یہ قلعہ پتھر اور چونے سے نہیں بلکہ انسانی زندگی اور خون سے تیار کیا گیا ہے۔

حسین علیہ السلام زمانہ کی سیاسی باتوں کے نبض شناس تھے۔ کربلا کے میدان میں حسینؑ نے تین حربے استعمال کیے وہ انصاف، پریم اور قربانی ہیں حسینؑ کا کیرکٹر کمزوری سے برتر و بالا ہے۔ شہادت حسین علیہ السلام نے انصاف کو درجہ کمال تک پہونچا دیا۔

حسینؑ انصاف، پریم اور قربانی کا دیوتا ہیں۔

سردار جسونت سنگھ ایم۔اے۔بی ایس سی۔ان ڈی (لندن)

حسینؑ نے اپنے لیے نہیں بلکہ دوسروں کے لیے جان دی۔ ان کی قربانی حقیقی شہیدوں میں سب سے زیادہ بلند ہے۔ انہوں نے اپنی قربانی کسی خودغرضانہ مقصد کے لیے نہیں پیش کی تھی۔ بلکہ صرف حق اور انصاف کو بلند کرنے کے لیے دنیا کی تاریخ میں بے شمار لڑائیاں لڑی گئیں۔ لیکن کربلا کی لڑائی اپنی اہمیت کے لحاظ سے بیحد نمایاں جنگ تھی۔ کیونکہ یہاں ہم کو یہ دکھائی دیتا ہے کہ نیکی اور بدی کی قوتیں اپنے انتہائی درجہ کمال تک پہونچ کر ایک دوسرے سے صف آرا تھیں۔

حسینؑ صداقت اور فرض شناسی کا مجسمہ تھے۔ جو سختیاں ان کو برداشت کرنا پڑیں وہ اتنی اندوہناک ہیں کہ ایک سنگین سے سنگین دل کو بھی توڑ دیتی ہیں لیکن حسینؑ کے قدم کو ادائے فرض میں ذرا بھی لغزش نہیں ہوئی۔ انہوں نے نہایت بہادری سے موت کا مقابلہ کیا۔ لیکن کیا حسینؑ مر گئے؟ نہیں وہ آج تک زندہ ہیں وہ گرے نہیں بلند ہو گئے۔ اور جب سے اب تک اور زیادہ بلند ہو چکے ہیں۔ حسینؑ زندہ ہیں اور آخر تک زندہ رہیں گے۔ البتہ ظالم یزید جو یہ سمجھتا تھا کہ وہ اپنی قوت کی بدولت جو کچھ چاہے کر سکتا ہے ختم ہو گیا۔

(عیسائی) کارلائل (مصنفہ، ہیروز اینڈ ہیپر وزورشپ)

واقعہ شہادت حسینؑ پر جس قدر غور کیا جائے اسی قدر اس کے اعلیٰ اور عمیق مطالب روشن ہو جائیں گے کہ دنیا میں موجودہ جنگ سے زیادہ کوئی خونریز جنگ نہیں ہوئی۔ مظالم، بے رحمیاں، اور ناانصافیاں جس حد تک واقعہ کربلا میں ہوئیں ان کا عشر عشیر بھی کبھی کسی معرکہ میں نہیں ہوا۔ یہ ہوتا رہا ہے کہ آدمی زیادہ مارے گئے ہیں۔ یہ دیکھا گیا ہے کہ خون زیادہ بہا ہے۔لیکن یہ نہیں دیکھا گیا کہ دل اور روح کے پاک اور عزیز ترین جذبات کے ساتھ ایسی بے رحمی ہوئی ہو جیسی کہ کربلا میں ہوئی۔ ہٹ دھرمی، ناانصافی ظلم و جور اور ہر طرح کی سختی جو اس میدان میں مظلوموں کے ساتھ برتی گئی۔ اس کی دوسری مثال کہیں نہیں ملتی۔

آج توپ اور تلوار سے بہادروں کی قسمت کا فیصلہ ہونے والا ہے۔ آج دنیا جلد دیکھنے والی ہے کہ کون حق پر ہے۔ ایسی حالت میں انصاف سفارش کر رہا ہے کہ مظلومین کربلا کی بہادری اور حق پرستی کہ پہلے دیکھ لے اور تب اس کے بعد کوئی فیصلہ کرے۔ اچھا آؤ ہم دیکھیں کہ واقعہ کربلا سے ہمیں کیا سبق حاصل ہوتا ہے۔ سب سے بڑا سبق یہ ہے کہ فاتحین کربلا کو کامل یقین تھا کہ وہ اپنی آنکھوں سے اس دنیا کو اچھی طرح دیکھ رہے تھے۔ اس کے علاوہ قومی غیرت اور حمیت کا بہترین سبق ملتا ہے۔ جو کسی اور تاریخ سے نہیں ملتا۔ اور غضب وغیرہ زیادہ ہو جاتے ہیں تو خدا کا قانون قربانی مانگتا ہے اس کے بعد تمام راہیں صاف ہو جاتی ہیں۔

لارڈ ہیڈلے (لندن)

حضرت امام حسینؑ نے میدان کربلا میں انتہائی جدوجہد سے لوگوں کو احکام رسولؐ کی طرف متوجہ کیا اور یہ بتایا کہ حق پر ثابت قدم رہنے کی سعی انسان کا فرض اولین ہے۔

اگر حسینؑ میں سچا جذبہ کارفرمانہ ہوتا تو اپنی زندگی کے آخری لمحات میں ان سے رحم و کرم، صبر و استقلال اور ہمت و جرانمردی ہرگز عمل میں آ ہی نہیں سکتی تھی جو آج صفحۂ ہستی پر ثبت ہے اگر وہ دنیا دار انسان ہوتے تو بلاشبہ دشمن کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے۔ مگر جذب الٰہی اور تعلیمات محمدیؐ کا یہ اثر تھا کہ وہ مع تمام رفقاء کے موت کے گھاٹ اتر گئے۔ لیکن فسق و فجور اور غیر اسلامی اصول کی حمایت نہ کرنا تھی نہ کی۔

جب انسان ان کے کارناموں اور شہادت کا حال تاریخ میں پڑھتا ہے تو حسینؑ کی عظمت اور ان کی سیرت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حسینؑ نے اپنے رفقا میں بھی وہی جذبہ پیدا کر دیا تھا اس لیے کہ اس کا کہیں سے پتہ نہیں چلتا کہ ان کے اصحاب خاص میں سے کسی ایک نے بھی اس وقت مصائب میں ان کا ساتھ چھوڑ دیا ہو۔

یہ ایک داستان غم ہے جس کا خاتمہ روح فرسا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ کس طرح ایک بلند سیرت کا عامل ایک بلند و عظیم مقصد کے لیے اپنی جان کی پرواہ نہیں کرتا۔ اپنے نفس کو قربان کر دیتا ہے۔ مگر اصول کی قربانی کا شائبہ بھی نہیں آنے دیتا۔

ڈاکٹر کرسٹوفر وکٹر (مشن اسپتال بمبئی)

میں نے حضرت حسینؑ کی زندگی اور ان کے کارناموں کا بہت گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے۔ میں نے ان میں خداوند عیسوع مسیح کی سی محبت بھی پائی ہے اور ان کی سی پاکیزگی اور انسان دوستی بھی دیکھی ہے۔ اگر حضرت مسیح کو صلیب پر چڑھایا گیا تو حضرت حسینؑ کا سر نیزہ پر چڑھایا گیا۔ مسیح بھی حق و صداقت کے لیے سولی پر لٹکائے گئے اور حسینؑ نے بھی حق و سچائی کے لیے اپنی اور اپنے بچوں کی جان قربان کی اس لیے عیسائی فرقہ ان سے جتنی بھی محبت کرے کم ہے وہ دنیا میں حق کا بول بالا کرنے کے لیے پیدا ہوئے تھے ان کے ہاتھ سے حق کا تو بول بالا ہو گیا مگر ساتھ ہی ساتھ خود ان کا بھی بول بالا ہو گیا۔ اب جب کبھی کسی کی زبان پر حق و شجاعت یہ دو نام آئیں گے تو ناممکن ہے کہ حضرت حسینؑ کا نام نہ آئے۔

حسینؑ کی قربانی کی عظمت کا یہ ایک زندہ ثبوت ہے۔ کاش دنیا حسینؑ کے پیغام، ان کی تعلیم او رمقصد کو سمجھنے اور ان کے نقش قدم پر چل کر اپنی اصلاح کرے۔

ڈاکٹر۔ ایچ ڈبلو۔ پی مورنیو

امام حسینؑ اصول صداقت کے سختی سے پابند رہے اپنی زندگی کے آخری لمحات تک مستقل مزاج اور غیر متزلزل رہے۔ انہوں نے ذلت کی زندگی پر موت کو ترجیح دی۔ ایسی روحیں کبھی فنا نہیں ہوتیں اور حسینؑ آج بھی رہنمایان انسانیت کی فہرست میں بلند مقام کے مالک ہیں وہ تمام مسلمانوں کے واسطے روحانی پیغام عمل پہونچانے والے ہیں اور دوسرے مذاہب کے پیروؤں کے واسطے نمونۂ کامل ہیں۔ اس لیے کہ وہ نڈر تھے اور خدا پرستی کی منزل میں کوئی طاقت ان کو خوف نہیں دلا سکتی تھی اور وہ اپنے نصب

العین کے حاصل کرنے میں سچائی کے ساتھ کوشاں رہے۔

سر جارج ٹامس

کون ہے جو امام حسینؑ کی حق اور صداقت کو بلند کرنے والی اس لڑائی کی تعریف کیے بغیر رہ سکے گا۔

دوسروں کے لیے جینے کا اصول اور کمزوروں اور دکھیاروں کی امداد کو اپنا مقصد حیات بنانے کی بے نظیر مثال اور امام حسینؑ کی بے لوث شخصیت سے زیادہ روشن کہیں اور نہیں مل سکتی جنہوں نے اپنی نیز اپنے محبوب ترین عزیزوں اور ساتھیوں کی جان کی بازی لگادی۔لیکن ایک ظالم اور طاقتور بادشاہ کے سامنے سر جھکانے سے انکار کر دیا۔گوحق وصداقت کی بے بہا خوبیوں کی حفاظت اور دوسروں کی بھلائی کے لیے امام حسینؑ نے آج سے تیرہ سو برس پہلے اپنی جان دی تھی لیکن پھر بھی ان کی لافانی روح آج بھی دنیا میں لاتعداد انسانوں کے دلوں پر حکمرانی کر رہی ہے۔انکی شہادت کی پاکیزہ یادگار ہر سال محرم کے مہینے میں تازہ کی جاتی ہے۔

فریڈرک، جے (گولڈ آف لندن)

درحقیقت امام حسینؑ اس انسانی فہم وذکاوت کا اعلیٰ نمونہ ہیں جو جنگ کی تاریک وادیوں میں سے ہوتی ہوئی ریگستان اور سمندروں کو عبور کرتی ہوئی امن وامان اور تعاون ہمدردی کی منزل کی طرف اپنا مقصد سفر جاری رکھتی ہے۔

امام حسینؑ کی زندگی ہمارے لیے ایک مفید عالم اور نصیحت آموز قصہ ہے۔پیغمبر اسلام کا نواسہ اور حضرت علیؑ مہتمم بالشان انسان کا فرزند جس نے جنگ قسطنطنیہ میں بہ حیثیت ایک بہادر سپاہی کے کام انجام دے دیا تھا اور جس نے بحیثیت ایک عادل حاکم کے حکومت کی تھی۔ان تمام طریقوں سے انہوں نے دکھا دیا کہ کس طرح نوجوانوں کو اپنے آباواجداد کے کارناموں کا احترام اور ان کے اوصاف حمیدہ اور جذبہ خدمت خلق کو جاری رکھنا چاہیے۔

مسٹر پرمیل پیٹر (یگوسلاویہ)

امام حسینؑ کی تاریخی حیثیت ہم پر ایک بار اور یہ امر ظاہر کرتی ہے کہ کوئی نہ کوئی خدائی آواز ہے جس کے مطابق ہر ملک کے افراد اور ہر قسم کی رہبری ہوتی رہتی ہے اور اس کا اثر ان پر پڑتا رہتا ہے۔

امام حسینؑ نے خدا کے بھیجے ہوئے کامل انسانیت کے نمونہ کو دنیا میں پیش کرنے میں کامل ترین

حصہ لیا۔ سب سے بالا ان کی اصلاحی کوشش ہے اور وہ جرأت ہے جس سے انہوں نے اس کام کے پورا کرنے میں مصائب کا مقابلہ کیا۔ وہ سمجھتے تھے کہ روحانی درستی وصداقت کو بالاتر رکھنے میں جو قربانی جھیلی جاتی ہے اس کی عظمت سے انسانی زندگی کی قیمت اور بڑھ جاتی ہے۔

اس بات میں خاصی معنی ہیں کہ اگر چہ خدا کے یہ سپاہی اپنے مقاصد اعلیٰ کے واسطے بظاہر مادی دنیا میں جنگ کرتے ہیں۔مگر ان کو فتح حاصل ہوتی ہے۔ عالم روحانی میں اور چونکہ اخلاقی اور روحانی دنیا کی رہبری کی اساس یا بنیاد ہے اور اخلاقی وروحانی دنیا کی رہبری کر سکتی ہے۔ اس لیے ان مہتمم بالشان انسانوں کی شکست بھی کچھ دنوں کے بعد مادی دنیا میں بھی فتح کی شکل میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس لیے یہ سپاہی دراصل خدا کی بادشاہت کے بنانے والے ہیں۔

امام حسینؑ حق وصداقت کے لیے جنگ کرنا سکھاتے ہیں اور یہ بھی سکھاتے ہیں کہ انسانوں کو خود غرضی اور ذاتیات کی وجہ سے نہ لڑنا چاہیے۔ بلکہ مظلوموں کے حقوق کی حفاظت کے یے اور صرف اپنے ہی واسطے انصاف کا خواستگار نہ ہو بلکہ ان لوگوں کی حمایت کرنی چاہیے جو بے انصافی کا شکار ہیں۔

حسینؑ کی سیرت سے ہم کو یہ بھی درس حاصل ہوتا ہے کہ ہم کو صداقت کی حمایت کے واسطے آمادہ رہنا چاہیے اور اس کے واسطے جنگ کرنا چاہیے۔ ایسا کرنے میں ہم کو ظاہری شکست ہی کیوں نہ حاصل ہو اور ہم کو قربانی ہی کیوں نہ پیش کرنی پڑے۔

جے۔آر۔رابنس

میری زندگی کا بیشتر حصہ تاریخ کے مطالعہ میں صرف ہوا ہے۔ مگر جو کشش اور مظلومیت مجھے تاریخ اسلام کے اس باب میں نظر آئی جو حسینؑ اور کربلا سے متعلق ہے وہ کہیں نہیں دیکھی۔

مسلمانوں کے پاک نبیؐ کے وصال کے بعد ان کے نواسے نے جو عظیم الشان کارنامہ انجام دیا وہ اسلام کی تعلیم کی صداقت اور حسینؑ کی عظمت کی بہت بڑی دلیل ہے۔ حسینؑ نے سیکڑوں مشکلات کے باوجود اپنے اصولوں اور اسلامی نظام حکومت کی حفاظت کی ایک جابر طاقت کے سامنے صف آرا ہونے میں ذرہ برابر جھجک محسوس نہیں کی۔ بڑی بہادری والوالعزمی اور خندہ پیشانی کے ساتھ مصائب کا مقابلہ کیا اور اپنے جاں نثاروں کے ساتھ شہید ہو گئے۔

بلاشبہ تاریخ عالم میں ایسی مثالیں نہ صرف کمیاب ہیں بلکہ نایاب بھی ہیں اور جب ہم اس واقعہ کو

اس نقطۂ نگاہ سے دیکھتے ہیں تو اس کی اہمیت اور حسینؑ کی عظمت بہت بڑھ جاتی ہے کہ انہوں نے جتنی تکلیفیں اٹھائیں اور جس شدید مصیبت کے عالم میں شہید ہوئے اس میں ان کا ذاتی فائدہ نہ تھا۔ انہوں نے جو کچھ کیا اسلام کے لیے اور خدا کے لیے کیا۔

تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ان سے پہلے اور ان کے بعد اب تک شہیدوں میں کوئی ان کے ہم پلہ نہیں گزرا۔

مسز سروجنی نائیڈو

حضرت امام حسینؑ نے آج سے تیرہ سو سال قبل دنیا کے سامنے جو پیغام اور اصول پیش کیا وہ اتنا بے نظیر اور مکمل تھا کہ آج ہم اس کی یادگار منا رہے ہیں۔ میرے پاس کوئی ایسے الفاظ نہیں اور نہ دنیا کی کوئی فصیح و بلیغ زبان ہے جس کے ذریعہ ان جذبات عقیدت کو بیان کر سکوں جو اس شہید اعظم کے لیے میرے دل میں ہیں۔ حضرت امام حسینؑ صرف مسلمانوں کے نہیں بلکہ رب العالمین کے سارے بندوں کے لیے ہیں میں مسلمانوں کو مبارکباد دیتی ہوں کہ ان میں ایک ایسا بلند انسان گزرا ہے جسے دنیا کی ہر قوم یکساں طریقہ سے مانتی اور ان کی عزت کرتی ہے۔

مہاراجہ جیواجی سندھیا والی گوالیار

رسول اسلام کے پیارے نواسے حضرت امام حسینؑ نے ظلم کے مقابلہ کا پختہ ارادہ کر لیا تھا وہ جور و تعدی کے سامنے سر جھکانے پر تیار نہ تھے۔ ان میں عقیدہ اور ضمیر کی پختگی تھی۔ اعلیٰ ترین مقاصد اور بلند ترین نصب العین ان کے سامنے تھے۔ اس لیے انہوں نے ایک بڑی طاقتور فوج کا دنداں شکن مقابلہ کیا۔ تاریخ اسلام کا یہ یادگار واقعہ عقائد کے اختلاف اور نسل و رنگ و مذہب کے تنگ نظریات سے بالاتر ہے۔ اور اس قابل ہے کہ انسانی نسل اس کو اپنے دلوں میں جاگزیں کرے۔

دستور کخیسر و مہاراکیتھور (پیشوائے اعظم پارسی)

اگر شہدائے اعظم کی قربانیاں نہ ہوتیں تو دنیا اخلاق مذہب اور صداقت سے ناآشناء رہتی دنیا ان شہداء کی ممنون ہے جنہوں نے موت کو ذلت پر ترجیح دی۔ امام حسینؑ ان شہداء میں ممتاز ہیں جنہوں نے انسانیت کی خدمت کے لیے جان دی۔ ہم کو ان کی یاد عمل سے منانا چاہیے اور ان کی قربانیوں سے بھی سبق سیکھنا چاہیے۔

جیمس کارکرن (مصنف تاریخ چین)

کس کے قلم کو قدرت ہے کہ امام حسینؑ کا حال لکھے کس کی زبان میں یہ فصاحت و بلاغت ہے کہ ان بہتر (۷۲) بزرگواروں کی ثابت قدمی اور شجاعت وقربانی کی مدح کر سکے ان بہتر (۷۲) تنوں کو آٹھ قسم کے دشمنوں نے تنگ کیا تھا اور اس پر بھی ان کا قدم نہ ہٹا۔۔۔۔۔۔۔۔۔پس جنہوں نے ایسے معرکہ میں ہزاروں کافروں اور انتہائی مصیبتوں کا مقابلہ کیا ہو ان پر بہادری کا خاتمہ ہو چکا۔

کے۔ال رلیارام (ہندوستانی عیسائیوں کے عظیم رہنما)

اس شخص کی زندگی پر میں کیا لکھوں جو روئے زمین پر حق وصداقت کا علم بلند کرنے والا پہلا فرد ہے۔امام حسینؑ کی شہادت کا واقعہ کسی ایک قوم سے متعلق نہیں۔امام حسینؑ اس وقت اپنی بلند سیرت کا اظہار فرما کر آنے والی قوموں کے سامنے ثبات واستقلال صبر وسکون اور حق پسندی کا ایک کامل نمونہ رکھ کر گئے ہیں۔تاکہ ان کی قربانی کو مدنظر رکھ کر ظالموں اور جفا کاروں کے سامنے سر تسلیم خم نہ کریں۔کربلا کے میدان میں امام حسینؑ کی سیرت کے وہ وہ جوہر کھلے ہیں جن پر غور کر کے انسان انگشت بدنداں رہ جاتا ہے۔اس چودھویں صدی میں جبکہ دنیا انسانیت سے اور صداقت سے کوسوں ہٹ گئی ہے۔آپ کی بلند سیرت لوگوں کے لیے مشعل ہدایت کا کام دے سکتی ہے۔امام حسینؑ نے چونکہ حق وصداقت کے ایک عالمگیر اصول کے لیے جان دی اس لیے ہر قوم و مذہب کے لوگ آپ کی مظلومیت اور فداکاری پر آنسو بہاتے ہیں ہر دور میں یزید پیدا ہوتے رہیں گے۔لیکن حسینؑ جیسا صداقت پسند بلند سیرت کا انسان اب نہ پیدا ہوگا۔

ہز ہائنس مہاراجہ ہولکر آف اندوز

آج یہ جلسہ تمام اقوام و مذاہب کے لوگ مشترکہ طریقہ سے کر رہے ہیں جس میں امام حسینؑ کے اس کارنامے سے سبق حاصل کریں گے جو آپ نے آزادی کے لیے وحشیانہ طاقت کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی جان کی بازی لگا کر وہ عظیم الشان قربانی دکھائی جس نے حق وانصاف کو دنیا میں قائم کر دیا۔اگر تمام ملک میں اس قسم کے جلسے ہونے لگیں تو مجھے یقین ہے کہ تمام قوموں اور مذہبوں میں اتفاق واتحاد ہو جائے۔

مسٹر ایف جے گولڈ لندن

حسینؑ کی زندگی میرے نزدیک عالمگیر مطالب پر مشتمل ہے۔ کربلا کے حسینؑ بلکہ دنیا کے حسینؑ شجاع اور فخر انسانیت حسینؑ نے اپنی زندگی اور موت دونوں کے ذریعہ قلب انسانی کو مسخر کر لینے کی بہترین مثال پیش کی ہے۔

مسٹر جے اے جیلوس

کربلا کا شہید اعظم جو سردار انبیا کی روح و جان تھا۔ اس کے کارنمایاں کو دنیا کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔

مسٹر ک چارلس ڈکسن

اگر حسینؑ سلطنت کی غرض سے جنگ کرتے تو اپنے ساتھ مستورات اور ننھے ننھے بچوں کو نہ لے جاتے۔

سر فریڈرک جیمس

ان اصولوں پر جن کی تعلیم خود حسینؑ نے دی تھی۔ یعنی انفرادی جماعتی اور بین الاقوامی زندگی میں رواداری اور آزادی تحفظ اور انصاف کی تعلیم اس قسم کے نئے نظام میں سلطنت کے غلبہ جبر وظلم کا امکان نہ رہے گا۔ بلکہ مشترک زندگی کی ایک انسانی وقومی اخوت قائم ہو جائے گی۔

سر جارج براؤوڈ

یہی شہادت حسینؑ ہے جو ہر سال اول عشرہ محرم میں منائی جاتی ہے۔ یہ واقعہ دردناک اپنی اصلی حیثیت میں پیش نظر ہو جاتا ہے۔

مورخ مونس ایچ لیمس

حسینؑ ان حالات کے ماتحت قتل کیے گئے کہ ان سے سخت ترین دل بھی ان خوفناک واقعات رنج وغم سے پگھل جاتا ہے۔

مورخ ڈوزی

بنی امیہ جو دل میں اسلام کے مخالف تھے اور اولاد رسول کے کھلم کھلا دشمن اب رسول کی جانشینی کا دعویٰ کر رہے تھے حالانکہ ان کے دل ذرا بھی نہ بدلے۔

مورخ واشنگٹن ارونگ

حسینؑ سمجھے کہ میں نے یزید سے بیعت کرلی تو یقیناً سارا عالم میرے ساتھ بیعت کرے گا اور تمام ناجائز افعال سنت ہوکر رواج پائیں گے۔ چنانچہ نہایت ایمانداری اور بڑی جوانمردی سے تمام مصیبتوں کے مقابلہ میں صاف انکار کر دیا۔

ڈاکٹر ایچ ڈبلیو بی مورنیو

اس دردناک واقعہ نے جو دسویں محرم ۶۱ھ کورونما ہوا بنی امیہ کی طاقت کو فنا کر دیا اور امام حسینؑ کی شان کو قائم کر دیا جس نے ہمیشہ کے لیے خونخواری، حرص وطمع کو مٹا دیا اور اسلام کو تمام دنیا میں قابل قبول بنا دیا۔

جرمن مورخ ڈاکٹر میسو ماربین

ڈاکٹر میسو ماربین نے اپنی کتاب کے باب ہفتم میں شہادت حسینؑ علیہ السلام کے واقعہ پر ایک بصیرت افروز تحریر حوالہ قلم کی ہے۔ اس میں سے ہم ایک دو پیراگراف کا ترجمہ درج ذیل کرتے ہیں۔

یزید کے معاویہ کا ولی عہد قرار دیے جانے کے بعد حسینؑ نے ایک جانب یہ دیکھا کہ بنی امیہ کی حرکتیں جنہیں عام سلطنت حاصل ہو چکی تھی۔ اور ریاست روحانی پر بھی مسلط ہو چکے تھے عنقریب مسلمانوں کے عقیدہ کو ان کے جد کے دین سے متزلزل کر دیں گی۔ اور دوسری طرف انہیں اس بات پر یقین ہو گیا کہ چاہے وہ یزید کی اطاعت اختیار کر لیں یا نہ کریں بنی امیہ اپنی دیرینہ عداوت اور انجام اندیشی کے خیال سے بنی ہاشم کے نابود کر دینے میں کسی قسم کی فرد گزاشت نہ کریں گے۔ اور اگر تھوڑے دنوں یہ حالت باقی رہی تو دنیا میں بنی ہاشم کا نام نشان تک باقی نہ رہے گا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے بنی امیہ کے خلاف اسلام میں انقلاب قائم کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ حسینؑ اپنے دوستوں سے جو انہیں اس سفر سے ممانعت کرتے تھے صاف طور پر یہ کہہ دیتے تھے کہ میں تو مقتول ہونے کے لیے جا رہا ہوں۔ چونکہ ان لوگوں کے خیالات محدود تھے۔ اور حسینؑ کی طرف سے یہ تھا کہ خدا کی مشیت یہی ہے۔ میرے نانا نے مجھے یہی حکم دیا ہے۔ اور جب وہ اصرار کرتے تھے کہ جب مقتول ہو جانے کی غرض سے جاتے ہیں تو عورتوں اور بچوں کو ہمراہ نہ لے جائیے۔ جواب میں فرماتے تھے کہ خدا کی مشیت یہی ہے کہ میرے اہل وعیال اسیر و مقید ہوں۔ اور حسین کے کلمات اس وقت چونکہ روحانی سیاست کی حیثیت سے لاجواب تھے یعنی کسی کو مجال دم زدن نہ ہوتی تھی اور یہ دلیل ہے اس بات کہ کہ حسینؑ سوائے ان عالمی خیالات کے جو ان کے دماغ میں تھے کوئی دوسری غرض خیال میں لاتے ہی نہ تھے اور ظاہر ہے کہ یہ مصائب انہوں

نے حکومت اور بادشاہی کے لیے برداشت نہیں کیے۔ اور نہ بغیر سمجھے ہوئے اس مملکت عظیم میں انہوں نے قدم رکھا جیسا کہ ہمارے بعض مورخین نے خیال کرلیا ہے۔ اور دلیل اس کی یہ ہے کہ وہ اپنے ان مخصوص اصحاب سے جن کے دماغ روشن اور عقل سلیم تھے میرے قتل ہوجانے کے بعد اور ان جانکاہ مصائب کے گزر جانے کے بعد خداوند عالم ایک جماعت کو آمادہ کرے گا جو حق کو باطل سے جدا کردے گی اور ہماری قبروں کی زیارت کیا کرے گی اور ہماری مصیبتوں پر رویا کرے گی اور دشمنان آل محمدؐ کو اچھی طرح ہلاک کرے گی، یہ لوگ خدا کے دین اور میرے نانا کی شریعت کی ترویج کریں گے۔ اور میں اور میرے بزرگوار انہیں دوست رکھیں گے اور وہ قیامت کے دن ہمارے ساتھ محشور ہوں گے۔

ظاہر ہے کہ وہ محبوبیت کا مرتبہ جو اس زمانہ میں حسینؑ کو مسلمانوں میں حاصل تھا اور اگر اس کے ساتھ اپنی قوت بڑھانا چاہتے تو ایک لشکر فراہم کرسکتے تھے۔ مگر اس صورت میں اگر وہ مقتول بھی ہوتے تو یہی کہا جاتا کہ سلطنت و بادشاہی کی خواہش میں مقتول ہوئے اور وہ مظلومیت جس کا نتیجہ عظیم الشان ریولیوشن تھا حاصل نہ ہوتا پس سوائے ان لوگوں کے جن کی جدائی امکان سے باہر تھی کسی کو اپنے ساتھ نہیں رکھا۔ مثل فرزند اور بھتیجے اور بنی اعمام اور چند مخصوص احباب باوفا کے تااینکہ انسے بھی فرمایا کہ تم بھی ہمیں چھوڑ کر جدا ہوجاؤ۔ مگر انہوں نے منظور نہ کیا۔ اور وہ بھی ایسے حضرات تھے کہ مسلمان کے نزدیک تقدس اور جلالت در کے اوصاف رکھتے تھے اور ان کا حسین کے ساتھ قتل ہوجانا اس واقعہ کی زیادہ عظمت و تاثیر کا سبب ہوا۔ جو شخص اس زمانہ کے حالات اور بنی امیہ کی طرز معاشرت اور نام نہاد اسلام گروہوں پر اس کا غالب آجانا اور مسلمانوں کی سست اعتقادی ان تمام باتوں سے اچھی طرح واقفیت رکھتا ہے۔ وہ بلا تامل اس امر کی تصدیق کرسکتا ہے کہ حسینؑ نے جان دے کر اپنے نانا کے دین اور اسلام کے قاعدوں کو زندہ کردیا۔ اور اگر یہ واقعہ پیش نہ آتا اور برقی رو جیسا جھٹکا حسینؑ کے شہید ہونے سے مسلمانوں کو نہ لگتا تو دین اسلام اور قوانین بالکل نابود ہوجاتے۔''

بعد کے فقروں میں ڈاکٹر میسو ماربین مزید لکھتے ہیں۔

''حسینؑ نے اپنی زندگی کے آخری وقت میں اپنے طفلِ شیر خوار کے باب میں وہ کام کیا کہ فلاسفہ کی عقول کو متحیر کردیا۔ حسینؑ کا واقعہ عالمانہ اور حکیمانہ اور سیاسی حیثیت کا تھا جس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

سرفراز ۱۹۷۹ء

عزاداری اور ہندوستان

شری وشوناتھ پرشاد ماتھر لکھنوی

مغموم ہونا، آنسو بہانا یا غم کرنا ہر انسان کی فطرت میں شامل ہے۔ چاہے وہ اپنے اس فطری فرض کا احساس کرے یا نہ کرے۔ جس طرح بچہ پیدا ہونے کے بعد رونے پر فطرتاً مجبور ہو جاتا ہے۔ اُسی طرح اگر کسی کا باپ، بھائی یا بہن قضا کر جائے تو وہ بھی ضرور روئے گا۔ کیونکہ اس کی فطرت میں غم ہے۔ ہمیں بعض مسلمان بھائیوں کا یہ خیال صحیح معلوم ہوتا ہے کہ دین اسلام انسان کی فطرت سے جتنا قریب ہے، کوئی اور مذہب اتنی قربت نہیں رکھتا۔ مگر ساتھ ہی بعض مسلمان یہ بنیادی دعویٰ کرنے کے بعد جب رونے یا گریہ کو بدعت کہتے ہیں، یا منع کرتے ہیں تو مجھے تعجب ہوتا ہے، اس لیے کہ جب اسلام انسان کی فطرت سے ملا ہوا ہے تو غم کرنے کا جذبہ بھی الگ نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر اسلام نے اپنے معاشی نظام کے ماتحت کھانے، پینے، لباس پہننے، یہاں تک کہ سونے، جاگنے کے آداب کی ہدائتیں کی ہیں، تو کوئی وجہ نہیں کہ آئین وسلام میں گریہ جیسی ضروری چیز شامل نہ ہو۔

اگر انسان اپنے مرنے والے عزیزوں اور دوستوں کی یاد میں آنسو بہا سکتا ہے، تو کسی بزرگ شخصیت کے غم میں رونا، خواہ وہ پیغمبر ہو یا امام انسان کی فطرت کا جزو قرار پائے گا۔ کیونکہ یہ بھی انسان کی فطرت ہے کہ اپنے مذہب کے مہاتما، یا دیوتا، یارشی، یا ایسی ہی ہستیوں کا غم، اپنے عزیزوں کے غم سے وہ بالاتر سمجھتا ہے، اور اعزا یا عزاداری غم کی یادگار منانے ہی کو کہتے ہیں، کیونکہ عزاداری مجموعہ ہوتا ہے غم انگیز مراسم میں ماتم، مجلس یا اسی سے ملتی جلتی سب ہی یادگاریں شامل ہوتی ہیں۔

ہندوستان اگر اپنی مہمان نوازی اور اخلاق میں دنیا کے تمام ملکوں پر فضیلت رکھتا ہے تو اس میں شبہ نہیں کہ ہندوستانیوں کے دلوں میں محبت اور خلوص کا جذبہ بھی دیگر مما لک کے رہنے والوں سے کہیں زیادہ ہے۔ آپ نے یہ تو بہت سنا ہوگا کہ ایران، افغانستان، مصر، چین، یا جاپان، یہاں تک کہ یورپ کے ملکوں سے مختلف حیثیتوں میں سیکڑوں، ہزاروں اور لاکھوں افراد ہندوستان آئے لیکن پاکستان کی تعمیر سے پہلے آپ ایسی مثال مشکل ہی سے پیش کر سکیں گے کہ ہندوستان کے رہنے والے بھی کسی دوسرے

ملک میں ہزاروں کی تعداد میں گئے ہوں یا آباد ہوئے ہوں۔اس کی وجہ یہی ہے کہ جو ملک میزبان ہوتا ہے اُس کو مہمان بننے سے کم لگاؤ ہوتا ہے اس موقع پر ہم لسان الشعراء مولانا شاعر لکھنوی کی یہ بات اپنے قول کے تصدیق میں ضرور پیش کریں گے جس میں انہوں نے ہندوسان کی تاریخی مہمان نوازی کے جذبے کو واضح فرمایا ہے ؎

کون کون اس کشور معروف میں آیا نہیں
کس نے کس نے ہم غریبوں کا نمک کھایا نہیں

ہمارا ہندوستان جہاں اخلاق، محبت، ایثار، قربانیوں یا مہمان نوازیوں میں امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ وہاں ہندوستان میں شادی وغم کے مراسم خصوصیات کے ساتھ اہمیت رکھتے ہیں۔

ہمارا موضوع غم ہے جس کا تعلق عزاداری سے ہے یہ لفظ اگر چہ لغوی یا معنوی اعتبار سے عام کہی جاسکتی ہے لیکن اصطلاحی حیثیت سے عزاداری مخصوص ہے حضرت امام حسینؑ اوران کے بہتّر ساتھیوں کا غم منائے جانے سے جس میں مجلس، ماتم، تعزیہ، دلدل بھی شامل ہیں۔

یوں تو شہید کربلا حضرت امام حسینؑ کی عزاداری دنیا کے ہر ملک میں ہوتی ہے، جو محرم کی پہلی تاریخ سے شروع ہو کر سوا دو مہینہ تک منائی جاتی ہے۔لیکن ہندوستان عزاداری امام حسینؑ کے سلسلہ میں دنیا کے ہر ملک سے آگے ہے۔اس لیے کہ ہندوستان میں حضرت امام حسینؑ کی عزاداری صرف شیعہ حضرات ہی نہیں کرتے بلکہ شہدائے کربلا نے اپنی مظلومیت کے نقوش ہر قوم اور ہر مذہب کے لوگوں کے دلوں میں اتنے گہرے ثبت کر دیے ہیں کہ ان کو اگر چہ مٹانے والے ہر سال مٹانے کی کوشش کرتے ہیں مگر وہ نہ مٹے ہیں اور نہ مٹ سکتے ہیں۔ کیونکہ اگر دامنِ فلک پر شہیدوں کے بے گناہ خون کی نشانی شفق کو کوئی انسانی طاقت مٹا سکتی ہے، تو عزاداری بھی ختم ہو سکتی ہے اور اگر آسمان والوں پر زمین کے رہنے والوں کا بس نہیں چل سکتا، تو آپ یقین رکھیں کہ عزاداری کا چراغ بھی دنیا کی کوئی طاقت نہیں بجھا سکتی۔قطعہ

رنگ گل کو کوئی بھی بجلی جلا سکتی نہیں
طاقتِ باطل حقیقت کو مٹا سکتی نہیں
جل رہا ہے اس طرح ماتھرؔ حقیقت کا چراغ
جس کو دنیا کی کوئی آندھی بجھا سکتی نہیں

ہم ہندو مذہب کے ماننے والے بھی خلوص ومحبت اور اتحاد کے ہمیشہ پجاری رہے ہیں۔ چونکہ شیعوں نے خصوصیت کے ساتھ ہم ہندؤں سے بھائی چارے کے تعلقات باقی رکھے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ ہم لوگ بھی محبت کا جواب محبت سے نہ دیتے۔

آپ نے سنا ہوگا کہ جب اودھ میں شاہی تھی اور یہاں کے بادشاہ سعادت علی خاں برہان الملک سے لے کر آخری تاجدار واجد علی شاہ اور شاہ برجیس قدر تھے، اس وقت شاید کسی بادشاہ کا عہد ایسا نہیں گزرا جس میں ہندو وزیر نہ رہے ہوں یا ہم ہندوؤں کے تیوہاروں میں ان بادشاہوں نے عملی طور پر شرکت نہ کی ہو۔ نواب آصف الدولہ سخی بھی تھے اور روادار بھی تھے، وہ سونے چاندی کی پچکاریوں سے ہولی کے تیوہار کو تزک واحتشام سے مناتے ہوئے رنگ کھیلتے تھے۔ ظاہر ہے کہ جب نواب رنگ کھیلتے ہوئے نظر آئیں تو پھر رعایا میں فطرتاً یہ جذبہ عام طور سے دکھائی دیتا تھا۔ ہندو شیعوں پر اور شیعہ ہندوؤں پر رنگ ڈالنا برا نہیں جانتے تھے۔ دونوں ایک دوسرے کو ہولی کی مبارک باد دے کر گلے ملتے تھے۔ محبت اور اخوت کا یہ سلسلہ مسلسل جاری رہا۔

واجد علی شاہ کا قیصر باغ ہولی کے دن رنگین نظر آتا تھا اور دیوالی میں شاہی محل چراغوں کی قطاروں سے جگمگا اٹھتا تھا۔ ظاہر ہے کہ جب اودھ کے شیعہ بادشاہوں نے رواداری اور خلوص ومحبت کا یہ عملی مظاہرہ کیا، تو ہندوؤں نے بھی محبت کا برابر سے جواب دیا۔ اگر نواب آصف الدولہ نے گوشائیں گنج ہندوؤں کے پوجا کرنے کے لیے مندر بنوائے تو راجہ ٹکیٹ رائے نے ہندو ہونے کے باوجود عظیم الشان مسجد تعمیر کی، جو آج بھی لکھنؤ کے محلہ حیدر گنج قدیم میں موجود ہے۔ جو صاحب چاہیں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ جھاؤلال نے بھی پل تعمیر کیا اور امام باڑہ بھی بنوایا۔

میوہ رام نے بھی امام باڑے کی تعمیر کی۔ یہی وجہ تھی کہ ہندوؤں میں بھی عزاداری کرنے کا جذبہ بڑھنے لگا۔

ہم کایستھ لوگوں نے تاریخ اسلام کا گہری نگاہوں سے مطالعہ کیا اور اصل واقعات ہماری نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رہ سکے ہم نے سمجھ لیا کہ پیغمبر اسلام کی وفات کے بعد کے اسلام دینی اور دنیوی دوراستوں میں میں تقسیم ہو گیا۔ ایک راستے میں دولت، ثروت، شاہی ملوکیت، دوسرے ملکوں پر حملہ کرنا، زبردستی لوگوں کو مسلمان بنانا نظر آرہا تھا۔

اس راستہ میں معاویہ اور یزید کے نام سرفہرست دکھائی دے رہے ہیں۔لیکن وہ حقیقی اسلام جو پیغمبر اسلام نے حضرت علیؑ کے سپرد کیا تھا وہ روحانیت، اخلاق، مذہب اور شرع کی چھاؤں میں آگے بڑھتا رہا۔

ملوکیت کے پرستاروں میں محمود غزنوی بھی تھا جس نے نہ صرف ہمارے ہندوستان پر جارحانہ حملہ کیا بلکہ سومناتھ کے مندر کو بھی ڈھایا۔ اور مختلف قسم کے مظالم کئے جس کو ہمارا قلم اگر نظر انداز بھی کر دے، جب بھی ہندوستان کی تاریخ کے اوراق سے یہ واقعات نکالے نہیں جا سکتے، اور ہم لوگوں کے دلوں سے یہ داغ کسی وقت بھی مٹ نہیں سکتا۔ یہ اُسی اسلام کا ماننے والا تھا جو نہ صرف ملوکیت کا حامی تھا بلکہ منشاء پیغمبر کے خلاف تھا جس اسلام نے قتل وغارتگری کو اپنا شیوہ بنالیا تھا۔

لیکن تصویر کا دوسرا رخ وہی ہے جس کو میں پیش کر چکا ہوں۔یعنی وہ روحانی اسلام جس کے سرپرست رسولِ اسلامؐ کے بعد حضرت علیؑ رہے۔ اور حضرت علیؑ کے بعد ان کے بڑے بیٹے امام حسنؑ رہے۔ اور ان بعد ان کے چھوٹے بھائی امام حسینؑ نے اس کو سنبھالا وہ اسلام واقعی وہی اسلام تھا جس کو حضرت محمدؐ لائے تھے۔ یہ امامت کا نورانی سلسلہ یکساں طور پر جاری رہا۔ اور شیعہ حضرات کے عقیدے کے مطابق اب بھی جاری ہے۔ اس لیے کہ حضرت امام مہدیؑ جو پیغمبر خدا کے آخری جانشین ہیں زندہ ہیں اور شیعہ حضرات کی تاریخوں میں اس کا ثبوت ملتا ہے کہ وہ ایک روز ظاہر ہو کر دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے۔

جب شیعہ حضرات نے ہندوستان میں آکر خلوص ومحبت کے دریا بہائے تو ہندوؤں نے بھی محبت کے جواب میں محبت بھرا دل پیش نہ کیا۔ چنانچہ آج بھی اگر شیعہ حضرات اپنے امام مظلوم حسینؑ کی عزاداری میں دل وجان سے منہمک رہتے ہیں، تو ہندوؤں میں بھی کثیر تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو تعزیہ داری کرتے ہیں اگر چہ وہ دس ہی روز کی کیوں نہ سہی۔ یہ کیا ہے اگر محبت نہیں ہے۔

بعض مسلمان لوگ یہ کہتے ہیں کہ رونا بدعت ہے، امام حسینؑ کی عزاداری حرام ہے۔ مگر ہم لوگوں کے دلوں پر ان کے کہنے کا کوئی اثر نہیں پڑتا اس لیے کہ ہم میں بھی پڑھے لکھے لوگ موجود ہیں اور سیکڑوں ہندو ایسے ہیں جن کے سامنے برسوں تاریخ اسلام رہی ہے۔

ہاں ٹھیک ہے مسلمان لوگوں پر نماز فرض ہے اور وہ پانچ وقت خدا کی حضوری میں سجدہ کرنے کے

بعد ثواب حاصل کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ ہر سال حج کرنے بھی حجاز تشریف لے جاتے ہیں۔ لیکن ان اعمال خیر میں سوائے عزاداریٔ امام حسینؑ اور کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو ہمارا دل لبھا سکے۔ یا ہندو مسلمانوں میں مشترک کہی جا سکے۔ کیونکہ دنیا جب سے خلق ہوئی اُس وقت سے آج تک سوائے حضرت امام حسینؑ کے کسی بھی مذہب میں کوئی ایسی ہستی پیدا نہیں ہو سکی، جس کو بین الاقوامی محبت کا مرکز کہا جا سکے۔ مثلاً حضرت عیسیٰ کو عیسائی مانتے ہیں۔ لیکن یہودی قوم کے دل میں حضرت عیسیٰ کی عداوت ہے۔ محبت نہیں ہے۔ ایس طرح حضرت موسیٰ کو یہودی اپنا سر پرست جانتے ہیں، مگر یہ ضروری نہیں کہ دنیا کی ہر قوم حضر ت موسیٰ کو اپنا رہبر سمجھے۔ یہاں تک کہ خود پیغمبر اسلامؐ سے مسلمانوں کو عقیدت ہے۔ اور ہونا ہی چاہیے لیکن یہ ضروری نہیں کہ بودھ، جین، یہودی، پارسی یا عیسائی کو بھی پیغمبر اسلامؐ سے ایسی ہی محبت ہو جیسی کہ مسلمانوں کو ہو سکتی ہے۔ مگر حضرت امام حسینؑ کی وہ شخصیت ہے جس کو دنیا کی ہر قوم نہ صرف امتیازی حیثیت دیتی ہے، بلکہ ان کے دروازے پر سرِ عقیدت خم کرنا اپنا فخر سمجھتی ہے۔ یہاں تک کہ جو لوگ خدا کو بھی نہیں مانتے وہ بھی حضرت امام حسینؑ کی عظمت و عزت واجب جانتے ہیں جیسے کہ حضرت جوشؔ ملیح آبادی کے کلام سے یہ ظاہر ہے کہ ان کو ذات خدا سے اتنا تعلق یا لگاؤ نہیں ہے جتنا کہ حسینؑ سے اور وہ بھی یہ کہہ کر حسینؑ کے در پر سجدہ کر لیتے ہیں کہ:

لیکن جب کوئی لیتا ہے نام حسینؑ
ہم ایسے خرابات بھی جھک جاتے ہیں

ظاہر ہے کہ جب کفر و الحاد سے دلی تعلق رکھنے والے لوگ بھی حضرت امام حسینؑ کی محبت واجب جانتے ہیں تو بھلا ان اہل مذاہب کی عقیدت کا کیا ذکر جن کے دلوں میں اگر اپنے مذہبی رہبروں یا پیشواؤں کی عقیدت ہے تو امام حسینؑ کی محبت بھی ان کے دلوں میں جگمگاتی رہتی ہے۔ اور انہیں لوگوں میں سے میں بھی ایک ہندو ہوں جس کو بچپن ہی سے اگر اپنے مذہب سے لگاؤ رہا تو حسینؑ سے بھی وابستگی رہی۔ کیونکہ حسینؑ کی محبت میرے مذہبی فرائض کی ادائیگی میں حائل نہیں ہے۔

میں جانتا ہوں کہ امام حسینؑ صرف مسلمانوں ہی کے نہیں بلکہ دنیائے انسانیت کے رہبر اعظم اور محسن ہیں۔ انہوں نے کربلا میں صرف چند گھنٹوں میں دنیا کو یہ عملی تعلیم دے دی کہ مظلومیت شکست کھانے کے بعد بھی مفتوح نہیں ہو سکتی اور ظالم مظلوم کا گلا کاٹ دینے کے بعد بھی فتح کا پرچم نہیں

اٹھا سکتا۔ظلم وتشدد یا جبر و استبداد کا نشو ونما صبر وحلم کے سامنے ناممکن ہے۔ یزید نے جو کچھ کیا اس پر دنیائے انسانیت قیامت تک لعنت کرتی رہے گی۔اور حسینؑ نے جس طرح صبر و استقلال اور ایثار وقربانی کے ہتھیاروں سے مقابلہ کیا اُسے دنیا قیامت تک فراموش نہیں کرسکتی۔

عزاداری انہیں حسینؑ مظلوم کی یادگار ہے جو میدان کربلا میں صداقت کا لباس، ہمت کی تلوار، صبر کا نیزہ، ایثار کا ترکش لے کر یزید کی ٹڈی دل فوجوں کے مقابلہ میں آئے تھے۔ چند گھنٹے یا کچھ دیر حق و باطل کا مقابلہ جاری رہا حضرت امام حسینؑ کو تین دن کی بھوک اور پیاس نے ضرور بے پناہ تکلیف پہونچائی۔ان کے خشک گلے پر کچھ دیر کند خنجر ضرور چلتا رہا جیسا کہ حسینی شاعر حضرت فضل نقوی کے اس شعر سے ظاہر ہے ؎

کچھ دیر تو ضرور تھی خنجر کی کش مکش
اب دو جہاں پہ تیری حکومت ہے اے حسینؑ

واقعی اب حسین کی ایک جہان پر نہیں بلکہ دونوں جہان پر حکومت ہے۔کوئی ملک ہو، کسی قوم کی حکومت ہو لیکن حسینؑ کی مظلومت کا سکہ ہر مقام پر ضرور چلتا رہتا ہے۔

ہمارے ہندوستان میں دنیا کے ہر ملک سے زیادہ عزاداری کے مراسم انجام پاتے ہیں۔ یہاں تک کہ جو پاکستان اسلام کے نام پر بنایا گیا تھا وہاں بغیر لائسنس لئے حسینؑ کی عزاداری کا جلوس نہیں نکل سکتا۔یہیں نہیں بلکہ پاکستان کی یزید نواز حکومت عزاداروں کا قتل عام کرنے میں بھی پیچھے نہیں ہے۔مگر خدا کا شکر ہے کہ ہمارا ہندوستان حضرت امام حسینؑ کی یادگار کو سیکڑوں برس سے مناتا چلا آرہا ہے اور آئندہ بھی مناتا رہے گا کیونکہ حسینؑ ہمارے ہیں اور ہم حسینؑ کے ہیں۔

❋❋❋

سرفراز محرم نمبر ۱۹۷۹ء

حضرت امام حسین علیہ السلام

(دیوان بہادر بلاس ساردابی، آر، ایس، ایل کے)

بہادری زندگی کو علو بخشتی ہے اگر ان بہادروں نے جو ہر ملک اور ہر زمانے میں نام آور ہوئے انسانی سوسائٹی کی اپنے اعمال سے قدر وقعت نہ بڑھائی ہوتی تو دنیا زندگی بسر کرنے کے لیے ایک نہایت بے حقیقت جگہ ہوتی۔ ان کی زندگی اور ان کے اعمال نسل انسانی کی ہدایت کا ایک دائمی ذریعہ ہیں اور گزری ہوئی نسلوں کے ان بہادروں کے سوانح حیات کے مطالعہ یا ان کے حالات سننے لکھے مرد اور عورتیں اپنی زندگی میں اور تسکین حاصل کرتی ہیں۔ ان بہادروں نے کرۂ ارض کے ہر حصہ میں اپنے کارناموں سے زندگی کی قدر و قیمت کو بڑھا دیا۔ اور سکھا دیا کہ فرائض کی راہ میں مردوں اور عورتوں کو کس طرح مضبوطی سے اپنے قدم جمائے رکھنا چاہیے۔ بہادر مر جاتے ہیں لیکن ان بہادروں کے کارنامے خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہمیشہ کے لیے زندہ رہتے ہیں جب کوئی شخص نظم میں یا نثر میں ان بہادروں کے شجاعانہ کارنامے سنتا ہے تو جوش سے اس کا سر اٹھ جاتا ہے۔ وہ اپنے کو ایک راحت بخش فضا میں پاتا ہے اور رنج و مصائب اور اس تکلیف دہ ماحول کو بھول جاتا ہے جو دنیا کی سرعت کے ساتھ میکنک کے محتاج ہوتے جانے کی وجہ سے زندگی کو روز بروز مصائب و آلام کی کشمکش میں مبتلا کئے ہوئے ہے۔

ہر ملک کے بے شمار مردوں اور عورتوں میں خاموشی کے ساتھ اپنے پیرو کی عظیم الشان کارناموں کی سماعت ان کے کیریکٹر پر ایک بہت اچھا اثر ڈالتی ہے اور خاموشی کے ساتھ انسانی سینوں میں شریفانہ خیالات اور جذبات کے متحرک کرنے کا سبب ہوتی ہے اور اس کا مطالعہ پر لازمی طور سے خاص اثر پڑتا ہے۔

حضرت امام حسینؑ اسلام کے مشاہیر کی صف میں ایک بلند مرتبت ہیرو کا درجہ رکھتے ہیں۔

آپ نے جو بلند اور اعلیٰ قربانی پیش کی اور جس شریفانہ اسپرٹ میں صداقت و عزت کے لیے اپنی جان دی وہ اس کی روشن مثالیں ہیں کہ ایک انسان جس کے دل میں اعلیٰ ترین جذبات خدمت نوعِ انسانی متحرک ہوں کیا کر سکتا ہے اور اسے کیا کرنا چاہیے۔

امام حسینؑ کی زندگی ایشیا اور افریقہ کے کروڑوں مسلمانوں کی زندگی اور کیریکٹر کو صحیح راستہ پر لا رہی

ہے اور انہیں یہ بتارہی ہے کہ زندگی کے ان شدائد ومصائب کو جن سے مردوں کو اور عورتوں کو آئے دن دوچار ہونا پڑتا ہے اور جس میں جدید تہذیب کی بدولت روز بروز اضافہ ہی ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے کس طرح مقابلہ کرنا چاہیے۔

بہار، اڑیسہ پراونشیل شیعہ کانفرنس نے رسالہ ''گولڈن ڈیڈس آف حسینؑ'' شائع کر کے ایک بہت بڑی پبلک خدمت انجام دی ہے اور اُس کے اس ارادے پر کہ وہ امام حسینؑ کے حالات کے متعلق ایک دوسرا مبسوط رسالہ نکالنا چاہتی ہے میں اسے مبارکباد دیتا ہوں۔

امام حسینؑ کے شجاعانہ کارناموں کے متعلق دنیا کو جتنی زیادہ معلومات ہوتی جائیں گی۔اور ان کے حالات کو جتنا زیادہ نشر کیا جائے گا وہ ہم سب لوگوں کے لیے بہت ہی مفید ہوگا۔

اس لیے اس سے نہ صرف اسلام کی عظیم الشان ہستی کے متعلق بہت سی غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی بلکہ امام حسینؑ کی زندگی سے ہم سبق حاصل کر سکیں گے کہ دنیا کے ہر گوشہ اور ہر موسم رکھنے والے ملک میں ہم اپنی زندگی کے معیار کو کیوں کر بلند کر سکتے ہیں۔(حسینؑ دی مارٹر)

سرفراز محرم ۱۹۷۹ء

لاثانی قربانی

(پنڈت برج ناتھ شرغہ ایم۔اے ایڈوکیٹ ممبر کورٹ لکھنؤ یونیورسٹی)

فلسفہ ہمہ اوست کے مطابق تخلیق عالم ذات والاصفات کی بہت بڑی قربانی ہے۔وحدت کے بے پایاں سے کثرت کی لہریں اٹھیں،سکون میں ہیجان پیدا ہوا جو ذات وصفات کی منت کش نہ تھی اس نے رنگ برنگی صفات کا خرقہ اوڑھا۔حقیقت کی عریانی نے مجاز کا جامہ پہنا۔عبدومعبود،شاہدومشہود،عاشق ومعشوق کی تفریق نمودار ہوئی۔ان میں سے ہر ایک اپنے کو دوسرے سے جدا سمجھنے لگا۔ہجر کی صعوبتیں جھیل کر ہر ایک وصل کا کوشاں ہوا،یہ کوشش بھی آسان نہ تھی۔اپنے آپ سے جب فصل پڑ گیا تو وصل کا مسلک نہایت سخت ہو گیا۔

چوں شاز ہفت سرنہ تہی درۃ ارّہ

ہرگز بہ سرفرق نگارے نہ رسی

گرہم چوحنا سووہ نگر دمی تہ سنگ

ہرگز نہ کفِ دست نگارے نہ رسی

کتنی قربانی کی ضرورت اسی راہ میں ہے خودکوزہ وخودکوزہ گروخودگل کوزہ،سے صاف ظاہر ہے کہ کوزہ گر کو چاک چلانا ہوتا ہے۔مٹی کو اس پر ناچنا پڑتا ہے اور دہکتی آگ میں تپنا پڑتا ہے تب کوزہ تیار ہوتا ہے، جوذات عقل وفہم کے پھندے میں پھنسی نہ تھی حواس خمسہ کے نیچے گرفتار ہوگئی جس وجود میں اسم وشکل کا نام ونشان نہ تھا اس پر نام اور روپ کا اتہام لگا لیکن تغیراتِ عالم میں کوئی اصلیت نہیں ہے اور نہ ان سے ذات مطلق پر کوئی اثر پڑتا ہے، وہ تغیرات سے مبّرا ہے،سالک کی حقیقت بیں نگاہ بالآخر دیکھ لیتی ہے کہ ان تغیرات کی حقیقت سراب سے زیادہ نہیں ہے اس لیے یہ قربانی بھی سراب ہی کے مانند ہے۔

نظام عالم کا دارومدار بھی قربانی ہی پر ہے۔تخم درخت کے لیے،ماں بچہ کے لیے،شہری وطن کے لیے ہر لحہ قربانی کیا کرتا ہے یہ اپنی ترقی وبہبود کے لیے کبھی ہوتی ہے۔نیکی وبدی کے قوتوں میں کشمکش ازل سے آج تک جاری ہے،اس کشمکش میں نیکی کی قوتیں اپنی قربانی کی بدولت بدی کی قوتوں پر فتحیاب ہوتی ہیں تاریخ اس کی شاہد ہے،بے شمار صدیاں گزر گئیں ایک ایسی ہی کش مکش میں نیکی کی طاقت کو یہ

محسوس ہوا کہ اسے کامیابی کسی نیک نفس خدا پرست زاہد کی قربانی ہی سے حاصل ہوسکتی ہے۔ اس نے دوہیچ سے عرض کیا کہ آپ کی ہڈیوں سے بنے ہوئے آلات حرب اگر استعمال کیے جائیں تو ہماری کامیابی ہوسکتی ہے۔ دوہیچ نے بخوشی جان دے کر اپنی ہڈیاں نذر کردیں، کچھ زمانہ بعد نوعمر رنتی دیو نے اپنی قربانی اس لیے کی کہ بنی نوع انسان اپنے گناہوں سے محفوظ رہے۔ حضرت عیسیٰ نے بھی اسی غرض سے صلیب پر جان دی۔ ان قربانیوں کا ناخوشگوار اثر ایک شخص واحد ہی تک محدود رہا۔ ان میں سے کسی نے اپنے کنبہ کو حق کی راہ میں قربان نہیں کیا، البتہ ایسی مثال ایک حضرت امام حسینؑ نے ہی قائم کی۔ اپنے والد کی وفات کے بعد یزید خلاف معاہدہ خلیفہ بن بیٹھا اور حضرت امام حسینؑ کو خلافت سے محروم رکھا۔ اگر امام حسینؑ طاقت کے دلدادہ ہوتے تو ان کے لیے مشکل نہ تھا کہ فوج جمع کر کے یزید پر حملہ کرتے اور بے شمار خدا کے بندوں کا خون بہا کر اپنی امامت قائم کرتے۔ جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ یزید اپنے اعمال سے مسلمانوں کو گمراہ کر رہا ہے تو انہوں نے اُس کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے انکار کردیا۔ اگر وہ عیش وراحت کے متمنی ہوتے تو دنیا کی تمام راحتیں ان کے قدموں پر لوٹتی ہوتیں، بشرطیکہ وہ یزید کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے، ان کے بزرگوں نے ہمیشہ دنیا کی دولت وراحت کو ہیچ سمجھا تھا اور راہ حق پر چلنا، دوسروں کو چلانا اپنا فرض اولین مانتے تھے، یہی راہ امام حسینؑ نے اپنے لیے پسند کی۔ جس وقت وہ کعبہ سے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ روانہ ہوئے وہ جانتے تھے کہ وہ موت کے منہ میں جا رہے ہیں، پھر بھی ان کے بہتّر آدمیوں کی جماعت میں چھوٹے بچے عورتیں اور بوڑھے بھی شامل تھے۔ ان کا ہر متنفس راہِ حق پر جان دینے کو تیار تھا، راستہ میں یزید کی وہ فوجیں جو آپ کے قتل کے لیے بھیجی گئی تھیں پیاس سے تڑپتی نظر آئیں۔ آپ نے اپنے ساتھ کے مشکیزے کھول کر اُن کے سوکھے گلوں کو تر کیا۔ اس کے صلہ میں انہیں نام نہاد مسلمان فوجوں نے آپ اور آپ کے ہمراہیوں کو پانی سے ترسایا۔ اور ایک بوند بھی پانی کی آپ تک نہ پہونچنے دی۔ کربلا کے جلتے میدان میں آپ کے ڈیرون کو دشمنوں نے گھیر لیا اور تیروں کی بوچھار کرنے لگے۔ اور آپ کے ساتھیوں کے خون سے زمین کی تشنگی بجھانے لگے۔ اس حالت میں بھی حضرت امام حسینؑ نے یزید کے سامنے سر نہیں جھکایا اور نہ ان کے ہمراہیوں نے یہ گوارا کیا کہ جان بچا کر چلے جائیں۔ یزید کے تنے ہوئے مکّے کے سامنے کسی طرح سر جھکانے کو تیار نہ ہوئے۔ یہاں تک نوبت پہونچی کہ آپ کے خیمے میں اہل حرم اور معصوم بچے پیاس کے مارے تڑپتے رہے اور باہر آپ کے

اقربا جاں بحق ہوتے رہے۔ ننھے سے بچے علی اصغرؑ کے ہونٹوں پر پپڑیاں جمی ہوئی تھیں، گلے میں کانٹے پڑ رہے تھے، کھال خشک ہو رہی تھی حضرت اپنے خیمے سے اُسے لے کر باہر نکلے، اس امید سے کہ شاید اس معصوم بچے کو دو بوند پانی مل جائے لیکن یزید کے بے رحم سپاہیوں نے شربت موت سے بچے کی پیاس بجھائی۔ بوڑھے، بچے، آزاد، غلام سب ہی کام آئے۔ امام حسینؑ کا سرسبز چمن انکی آنکھوں کے سامنے لٹ گیا، لیکن انہوں نے باطل پرستی قبول نہ کی۔ بالآخر جب گھوڑے سے گرے اور گویا سربسجود تھے، ایک سفاک کی شمشیر نے ان کی گردن تن سے جدا کر دی عورتیں بے پردہ یزید کے سامنے حاضر کی گئیں۔

حضرت امام حسینؑ نے اپنے خاندان والوں کو اس لیے قربان کیا کہ حق کی فتح باطل پر ہو، حیوانی طاقت کے مظاہرے سے راہِ حق پر چلنے والے خائف نہ ہوں بلک دلیری سے مقابلہ کریں۔ حسینؑ جان دے کر زندۂ جاوید ہوئے، یزید زندہ رہ کر موت سے ہم آغوش ہوا۔

تکبر اور انکسار، صدق اور کذب دنیا میں ایک دوسرے سے مقابلہ کرتے رہے ہیں حسینیت اور یزیدیت کی یہ جنگ اس وقت تک جاری رہے گی جس وقت تک خود غرض دنیا میں ایک دوسرے سے مقابلہ کرتے رہیں گے، یزیدیت کے شکست دینے کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ ہے حسینیت!

ایک اہم بات

کربلا کا ایک واقعہ اس ملک کے لیے بڑی اہمیت رکھتا ہے جب حضرت امام حسینؑ دشمنوں میں گھرے ہوئے تھے انہوں نے یزید کو یہ پیغام بھیجا تھا کہ اگر انہیں راستہ دے دیا جائے تو وہ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ ہندوستان چلے جائیں، لیکن یزید نے منظور نہیں کیا۔ یہ واقعہ بھارتیوں کے لیے ہمیشہ فخر کا باعث رہے گا کہ نام نہاد مسلمانوں پر بھروسہ نہ کر کے حضرت امام حسینؑ اپنی اور اپنے ساتھیوں کی زندگی اور عزت بھارتیوں کے ساتھ میں محفوظ سمجھتے تھے، آج بھی خدا کے فضل سے اسلامی اقلیت ہندوؤں کی اکثریت میں آزادی اور عزت سے زندگی بسر کرتی ہے اور دونوں میں تعلقات برادرانہ ہیں۔ حسینؑ کی یادگار میں خدا کرے تعلقات دن پہ دن گہرے ہوتے جائیں اور دونوں مل جل کر خدا سے دعا کریں۔

''باطل سے حق کی طرف، تاریکی سے روشنی کی طرف، اور فنا سے بقا کی طرف ہماری رہبری کر۔''

حسین علیہ السلام مکمل انسانیت کا ایک بہترین نمونہ ہیں

(نوشتہ۔ پرمیل پیٹراسکوائر پریگ۔ یوگوسلاویہ)

رسالہ موسومہ گولڈن ڈیڈس آف حسینؑ مرتبہ پراونشیل شیعہ کانفرنس بہار نے مجھے بیدار کردیا۔اور اس رسالہ کے ذریعہ سے مجھے مشرق کی اس اہم شخصیت کے متعلق معلومات حاصل ہوسکیں۔اس رسالہ سے مجھے اس امر کی ترغیب ہوئی کہ میں اس شخصیت اور اس کے حالات زندگی پر گہری توجہ منعطف کروں۔

امام حسینؑ کی تاریخی حیثیت ہم پر ایک بار اور یہ امر ظاہر کرتی ہے کہ کوئی نہ کوئی خدائی آواز موجود ہے۔جس کے مطابق ہر ملک کے افراد اور ہر قوم کی رہبری ہوتی رہتی ہے۔اوراس کا ان پر اثر پڑتا رہتا ہے، دنیا میں بڑے بڑے معلم خدا کے پیغامبر کی حیثیت سے آئے تاکہ وہ خدائی برکتوں کا مظاہرہ کریں اُس کی ہدایتوں پر روشنی وضاحت سے ڈالیں اور وہ ایسے طریقے بتائیں جو ہمارے مشترکہ مقاصد کے حصول کا براہِ راست اور قابلِ اعتماد ویقین کا ذریعہ ہوں۔ہرگاہ کہ ہم لوگ اُس انفرادی کڑی کی سی حیثیت رکھتے ہیں جو روحانی ارتقا کی زنجیر کو جوڑے ہوئے ہے۔اور یہ خدائی پیغامبر اُن مناروں کی حیثیت رکھتے ہیں جن پر یہ زنجیریں بھروسہ کئے ہوئے ہیں۔ہم اُن پر بھروسہ رکھتے ہیں انہیں بنیادوں پر عمارت کھڑی کرتے ہیں۔اوران کی طرف توجہ کرکے بلندی خیال حاصل کرسکتے ہیں۔

امام حسینؑ نے مکمل انسانیت کا بہترین نمونہ پیش کرنے میں ایک بہت اہم اور نمایاں خدمت انجام دی۔اس کے علاوہ اُن کی وہ کوشش اور وہ ہمت بھی تھی جو آپ نے اصلاح قوم اور اپنے مقصد کو تکمیل تک پہونچانے کے لیے ظاہر کی۔آپ واقف تھے کہ صرف خدائی صداقت کی حمایت میں قربانی کی عظمت انسانی زندگی کی قدروقیمت کو بڑھاتی ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ یہ خدائی مجاہد قوت کے بل بوتے پر ہی اپنے مقصد کے لیے جنگ کرسکتے تھے لیکن اس

پر بھی انہیں اخلاقی اور روحانی حلقہ میں فتح حاصل ہوئی، چونکہ اخلاقی اور روحانی دنیا کی بنیاد جسمانی طاقت واقتدار کی بنا پر ہے اوراس کے ذریعہ سے تمام انسانی افعال اور جسمانی قوت واقتدار کے جذبہ کو بھی متحرک کیا جا سکتا ہے لہٰذا اُن بڑے آدمیوں کی شکست وقت آنے پر جسمانی طاقت واقتدار کی دنیا میں بھی فتح سے مبدل ہوجائے گی۔

اسی طرح ایسے مجاہد ساتھ ہی ساتھ دنیا میں خدائی حکومت کے قائم وتعمیر کرنے والے ثابت ہوئے کیونکہ خدا صرف ممتاز تمناؤں کی روحانی دنیا اور بلندی تخیل کی فضا میں بادشاہت نہیں کرتا بلکہ ہمارے روزانہ کام اور دنیا سے بھی تعلق رکھتا ہے اور دنیا کی بھی بادشاہی کرتا ہے۔

عیسیٰ مسیح کی اس دعا کا جوانہوں نے خدا کو پکار پکار کر کی تھی، یہی مفہوم ہے، ''تیری حکومت آئے اور تیری مرضی جس طرح آسمان پر حکمراں ہے اسی طرح دنیا پر بھی حکمراں رہے۔''

اب ہمارا یہ فرض ہے ان معلمین کی زندگی کے حالات کو موجودہ حالات پر تطبیق دیں ہمیں ان کی تاریخی حیثیت سے اپنے کو بالکل ہی مربوط رکھنا چاہیے تا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ پیش کردہ مضامین آئندہ نسل کے لیے محض رسم ورواج بن کر رہ جائیں۔ اور ایک ایسی عبادت و پرستش کی صورت اختیار کرلیں جس سے ہماری موجودہ زندگی یا کیرکٹر پر کوئی اثر نہ پڑتا ہو۔ اگر ایسا کیا گیا تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ ہم نے خدائی منشاء کے حقیقی مفہوم کو بھلا دیا۔ غلط فہمی میں مبتلا ہوئے اور اصل مقصد کی صورت ونوعیت کو بدل دیا، مفہوم ومقصد کے اس قسم کے توڑ مروڑ کا نتیجہ خودنمائی، اپنے کو سب سے بلند سمجھنا دوسروں سے غیر دوستانہ رویہ رکھنا، فرقہ وارانہ تنگ دلی اور ان لوگوں کا عدم لحاظ ہوگا جو مختلف عقائد رکھتے ہیں۔

امام حسینؑ نے ہم کو یہ سکھایا ہے کہ ہم اپنے زمانے میں بھی صداقت اور نیکی سے محبت رکھیں اور اس کی حمایت میں جنگ کریں نہ صرف اپنے حقوق کے لیے لڑیں بلکہ ان کے حقوق کے لیے بھی جنگ کریں جن پر ظلم کیا گیا، نہ صرف اپنے ہی لیے انصاف چاہیں بلکہ ان کے لیے بھی انصاف چاہیں جو نا منصفی کا شکار ہورہے ہیں جس چیز کو ہم یہ محسوس کریں وہ مبنی پر صداقت ہے بلا اس لحاظ کے کہ شکست حاصل ہوگی یا قربانیاں دینی پڑیں گی۔ ہمیں ایسی صداقت کی حمایت کرنی چاہیے۔

بہرحال خدا کی مرضی اور خواہش ہے کیونکہ اس نے اپنے نبیوں کے ذریعے سے جو ہمارے پیشرو تھے ہم پر یہ ظاہر کردیا کہ اس طرح کی لڑائی تشدد کے ہتھیار اور جسمانی قوت کے بل بوتے پر نہ لڑنی

چاہیے کیونکہ اس میں بھی سنگدلی کی جھلک ہے بلکہ اس لڑائی کو محبت اور تقویٰ کے اسلحوں سے مصلح ہو کر لڑنا چاہیے۔

یہی وہ محبت ہے جو آج کی موجودہ دنیا میں نایاب ہو رہی ہے۔ وہ محبت جو تمام جماعتوں اور قوموں کو ایک عظیم الشان برادری میں سمیٹ کر متحد کر دیتی ہے۔ (حسینؑ دی مارٹر)

محرم اور ہمارا فرض

(شری للتا پرشاد شاہ میرٹھی)

محرم کا مہینہ ہر سال آتا ہے اور چلا جاتا ہے۔ تعزیے نکلتے ہیں، مرثیے پڑھے جاتے ہیں، مجالس ہوتی ہیں، میلے اور تماشے ہوتے ہیں، ہجوم نظر آتے ہیں۔ دکانیں سجتی ہیں۔ بازار لگتے ہیں۔

تعزیہ داری، مرثیہ خوانی اور انعقاد مجلس تو خیر لازمی اور موثر چیزیں ہیں۔ مگر دوسری سب باتیں ہوتی ہیں۔ وہ عام کی تو کیا خاص کی بھی سمجھ میں نہیں آتیں، کون سوچے کون سمجھے کسی کو کیا غرض؟

کوئی کھوجی (متلاشی) ہوا تو سرسری طور پر اتنا معلوم کر لیا کہ مسلمانوں میں ایک بزرگ امام حسینؑ آج سے تیرہ سو برس پیشتر گزرے ہیں۔ انہیں یزید نامی ایک ظالم بادشاہ نے بے گناہ و بے قصور دشمنی سے مار ڈالا تھا۔ اس کی یادگار منائی جاتی ہے۔ پس اس سے آگے تحقیقات بھی ختم اور بتانے والے جوابات بھی ختم۔

اب ناواقف کو خیال پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ تو بتایئے کہ اتنی صدیاں گزر گئیں۔ مرنے والے رہے نہ مارنے والے۔ پھر اب تک یہ رونا دھونا اور ایامِ غم میں یہ میلا تماشہ کیسا؟

یہ سوال اکثر محققوں کے دل و دماغ میں پیدا ہونا ناممکنات سے نہیں۔ تعزیہ داری شیعہ بھی کرتے ہیں اور سنی بھی بلکہ بعض غیر مسلم بھی۔

شربت چڑھانا، سبیلیں لگانا، شرکت مجالس اور خیرات کرنا، یہ عام روایتی اصول ہیں البتہ اب چند برسوں سے مذہبی مناقشات، مذہبی کشاکش، فرقہ وارانہ خانہ جنگیوں اور سب سے بڑھ کر ملک کی تقسیم نے ان امور کی طرف متعدد لوگوں میں کشیدگی پیدا کر دی ہے۔

یہ سچ ہے کہ مسلمانوں میں ایک کثیر تعداد ایسے افراد کی ہے جو در پردہ حسینی مشن کے سخت مخالف اور دشمن ہیں اور جی جان سے اسی تگ و دو میں منہمک و کوشاں رہتے ہیں۔ کہ دنیا میں کوئی معصوم و مظلوم حسینؑ کا نام لیوا ہی نہ رہے۔ اور اس طرح یزید کی کارگزاریوں پر ہمیشہ کے لیے پردہ پڑ جائے۔ تاریخ الخلفاء کے علاوہ مولوی صاحبان اہلسنت کے یہاں یزید کا شمار خلفائے مستند میں ہو ہی گیا ہے۔ مگر اس

تمام سرد مہری اور زمانے کی بے خبری یا پبلک کی ناواقفیت کا ذمہ دار میں ان حضرات کو جانتا ہوں جو نعرہ حیدری لگانے والے اور شہادت حسینی کی یادگار منانے والے تو ہیں۔ وہ تعزیہ داری کو ضروری اور جائز بھی جانتے ہیں۔ عالم وقابل وذی فہم بھی ہیں مگر اس جانب سے قطعی بے توجہ و بے نیاز ہیں۔ کہ ناواقف عوام کو اس سانحۂ عظمیٰ اور سبق آموش واقعۂ شہادت کے تفصیلی حالات سے باخبر بتائیں اور حسینی شہادت کا مقصد اور اس جنگ کا فلسفہ لوگوں کو سمجھائیں۔

امام حسینؑ کون تھے؟ اسلام میں ان کا کیا درجہ تھا۔ ان کی ہستی کیسی غیر معمولی تھی۔ ان پر کیا کیا مصیبتیں آئیں اور کیوں آئیں۔ کس کے ہاتھوں آئیں ان ظالموں کا کیا انجام ہوا وغیرہ وغیرہ۔ شیعہ ہی نہیں بلک تمام مسلمان۔ اور مسلمان ہی نہیں بلکہ تمام غیر مسلم اپنی شرکت عزاداری کو یقینا باعث ثواب دارین تصور کرنے لگیں۔

امام حسینؑ کا ہندوستان سے خاص تعلق ہے۔ دشت نینوا میں جب یزیدی افواج نے انہیں چاروں طرف سے گھر لیا تو اتمام حجت اور جھوٹوں کو دروازہ تک پہونچانے کے لیے انہوں نے عمر ابن سعد سے کہا کہ کوفہ والوں نے مجھے خط پر خط لکھ کر بلوایا ہے اگر میرا آنا ناگوار ہے تو مجھے مدنیہ واپس جانے دو یا کوفہ پہونچنے دو ورنہ میرا راستہ چھوڑ دو، تاکہ میں ہندوستان کی طرف چلا جاؤں اور وہاں اطمینان سے اپنی زندگی کے بقیہ دن گزاردوں۔

مگر یزیدیوں کا تو منشاء ہی کچھ اور تھا وہ تو شرارت پر تلے ہوئے تھے اسی خواہش کو کیوں پورا ہونے دیتے۔

بعد کی صدیوں میں خلفائے عباسی کے بتائے ہوئے کثیر التعداد شیعہ مہاجرین ہندستان بھاگ آئے تھے جو یہاں راجہ واہر وغیرہ کے یہاں دکن وسندھ میں ہاتھوں ہاتھ لے لئے گئے اور مظلوم مہمان سمجھ کر عزت کے ساتھ پارسیوں کی طرح بسائے گئے۔

امام حسینؑ کی اہلیہ معظّمہ نوشیروان عادل کے خاندان سے تھیں جو یزدجرد شاہ ایران کی دختر تھیں۔ یہ خاتون تین سگی بہنیں تھیں۔ جن میں سے ایک ماہ بانو نامی ہندوستان میں آکر سسودیہ خاندان (شاہان اودے پور میواڑ) میں منسوب ہوئیں اور چندر بھاگا کے نام سے پکاری گئیں۔

ان جملہ تاریخی اہم اور مستند واقعات کے باوجود پبلک اب بھی ناواقف ہے اور بے خبر ہے کہ امام

حسینؑ کون تھے؟ اور ان کے واقعات زندگی کیوں دردناک، دل سوز، رقت خیز تیز اور خون کے آنسوں رلانے والے ہیں اور عزاداری کی کیوں ضرورت ہے؟

جب کوئی غیر مسلم گہری تحقیقات کرتا ہے، اور ان حالات سے آگاہ ہوتا ہے تو وہ نہ صرف حیران وششدر رہ جاتا ہے بلکہ اسے امام حسینؑ کی اہمیت، معصومیت اور مظلومیت کا صاف پتہ چلتا ہے اور ثبوت مل جاتا ہے۔ اور پھر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ کیوں ۱۳ سو سال کے بعد بھی آج محرم منایا جاتا ہے۔ یہ نہ میلہ ہے، نہ تماشا ہے نہ تیوہار ہے بلکہ عاشور کا دن ایسا دن ہے جسے رنج وغم کا مرقع کہہ سکتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ مداحان حسینؑ صدیوں سے اس زمانے میں سوگوار بنتے اور عزائے حسینؑ قائم کرتے ہیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ شیعہ مجتہد، علماء اور سربرآوردہ حضرات ایک خاص کمیٹی اس غرض کو لے کر بنائیں کہ ہر سال خواہ ایام محرم میں خواہ قبل و بعد ہر شہر و ہر قصبہ میں یومِ حسینؑ منائے جس میں صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ تمام غیر مسلم ہندو، سکھ پارسی، عیسائی وغیرہ خاص طور پر بلائے جائیں۔ مذہبی افراط وتفریط، محض عقیدہ ہی کے مطابق نہیں بلکہ تاریخی حیثیت سے سادہ الفاظ میں صاف اور بے لوث تقریروں سے صحیح واقعات پیش کئے جائیں اور غیر مسلموں کو بھی اسی موضوع پر بولنے کا موقع دیا جائے۔

بمبئی (کیسر باغ) میں کئی سال سے اس قسم کا ایک شاندار جلسہ محرم کے اگلے ہفتہ میں ہوا کرتا ہے جس میں چار بار مجھے بھی شرکت کا موقع ملا ہے بلکہ دو مرتبہ تو کرسی صدارت کے لیے بھی مجھے منتخب کیا گیا تھا۔ آگرہ شاہ گنج میں ایک باقاعدہ تنظیمی کمیٹی کے ذریعہ یوم حسینؑ منایا جاتا تھا اور تقسیم ملکی کے سال تک کامیابی سے پبلک کو فائدہ پہونچتا رہا۔

میرا تو یقین کامل اور خیال پختہ یہ ہے کہ ایسے جلسوں کے ذریعہ حیدری شان اور حسینی آن بان سے عام لوگوں کو بخوبی آگاہی ہوسکتی ہے۔

شہید اعظم حضرت امام حسین علیہ السلام

تاریخ کی روشنی میں

جناب منشی بشیشور پرشاد صاحب منورؔ لکھنوی

اس مضمون میں جو واقعات درج ہیں وہ میں نے ان مضامین سے اخذ کیے ہیں جو مشہور رسالہ ''دی رسالہ اسلامک ورلڈ'' برائے مارچ واپریل ۱۹۳۸ء میں شایع ہوئے تھے ۔ یہ بلند پایہ مضامین ملک کے مشہور انشاء پردازوں کے زور قلم کا نتیجہ ہیں جن میں ہندو اور مسلمان دونوں شامل ہیں۔۔۔۔۔۔۔(منورؔ)

حضرت امام حسینؑ کے زریں کارنامے عالمگیر شہرت حاصل کر چکے ہیں ان کی عظیم الشان قربانی صرف شیعہ حضرات یا صرف مسلمانوں کی نگاہ میں قابل فخر نہیں ہے آج تمام دنیا میں ان کی شخصیت قابل احترام سمجھی جاتی ہے اوران کے بے پناہ جذبہ ایثار ان کے جوش ایمانی اوران کی بے غرض خدمات دین کا اعتراف کیا جاتا ہے ۔ پھر بھی بعض ذمہ دار مفکروں کے خیال میں حضرت امام حسینؑ کی شخصیت کو اتنی زیادہ اہمیت نہیں حاصل ہے جتنی عام طور پر ان کو دی جاتی ہے ۔مفکر ایچ ، جی ، ویلز بھی اس غلط فہمی کا شکار تھے۔انہوں نے اپنی ہسٹر آف دی ورلڈ میں ذکر محض ضمنی طور پر ان الفاظ کے ساتھ کیا ہے کہ

''لیکن ہم کو ان کا ذکر اس لیے کرنا پڑتا ہے کہ اس سے ابھی تک بنی نوع ،انسان کے ایک بڑے طبقے کو جذباتی ذمہ داری اور باہمی غم وغصہ کے لیے ساز وسامان مہیا ہوتا ہے۔''

آج بھی ایسے اشخاص کی کمی نہیں جو یزید اور امام حسینؑ کی معرکہ آرائیوں کو ایک سیاسی کشمکش کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ان کا خیال ہے کہ سارا جھگڑا خلافت کے لیے تھا جو پیغمبرؐ اسلام کے بعد مسلمانوں کے دو فرقوں میں پیدا ہو گیا تھا۔ یزید خود کو خلافت کا حق دار سمجھتا تھا اور وہ چاہتا تھا کہ دوسرے مسلمانوں کی طرح امام حسینؑ بھی اس کا حق خلافت تسلیم کر کے اس کے ہاتھوں پر بیعت کر لیں۔ دوسری طرف حضرت امام حسینؑ اور انکے ہم خیالوں کا دعویٰ تھا کہ حضرت عثمان کی وفات کے بعد خلافت کا حق ان کو یعنی حضرت

امام حسینؑ کو پہنچتا ہے۔ خاص طور پر اس لیے کہ آپ حضرت علیؑ کے فرزند ارجمند تھے اور پیغمبرؐ اسلام کے محبوب نواسے تھے اور یزید کے ناپاک ہاتھوں دین و ایمان کی بے حرمتی گوارا نہیں کر سکتے تھے۔

یہ صحیح ہے کہ خلافت کا مسئلہ مذہبی حیثیت رکھنے کے ساتھ ہی ساتھ معلوم ہوگا کہ سیاسی قدروں کے مقابلہ میں ایمانی قدروں کا پلہ بھاری تھا ان ایمانی قدروں سے وہ قدر جو دور حاضر میں عالمگیر انسانی قدریں قرار دیں جاتی ہیں۔ حضرت امام حسینؑ نے اس ظلم و ستم کے خلاف آواز بلند کی جن سے وہ انسانی قدریں پامال ہو رہی تھیں اور انہیں قدروں کی حفاظت کے لیے انہوں نے اپنے ہم خیالوں کی ایک محدود تعداد کے ساتھ دشمن کے لشکر عظیم کا مقابلہ کر کے اپنے دوستوں اپنے عزیزوں اور اپنے ننھے ننھے بچوں کو موت کے سپرد کر دیا حتی کہ خود کو بھی اللہ کا پیارا بنا دیا۔

کہا جا سکتا ہے کہ دنیا کی تاریخ میں حق و صداقت کے لیے اور بھی ہزاروں قربانیاں قریب قریب ہر ملک میں اور ہر زمانے میں دی گئی ہیں پھر حضرت امام حسینؑ کی شہادت کو اس قدر اہمت کیوں دی جائے لیکن لوگ یہ بھول جاتے ہیں کہ جن حالات میں حضرت امام حسینؑ کی شہادت ہوئی وہ ان حالات سے بہت زیادہ مختلف تھے جن میں دوسری شہادتیں وقوع پذیر ہوئی ہیں۔ بعض اہل الرائے یہ رائے رکھنے پر بھی کہ کربلا کا سانحہ عظیم اپنی نوعیت کا واحد سانحہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ دنیا کا کوئی سانحہ اتنا دلدوز الم انگیز اور روح فرسا بھی نہیں ہی جتنا کربلا کا سانحہ ہی یہی وجہ ہے کہ اس سانحہ نے قریب قریب تمام دنیا کو اپنے حلقہ اثر میں لے لیا ہے۔ یہ سانحہ درحقیقت ان الم انگیز واقعات کے سلسلے کی ایک کڑی ہے جو ایک طرف پیغمبرؐ اسلام اور ان کے وارثوں کے دین اسلامی اور دوسری طرف بنی اُمیہ کے مشرکانہ طرز عمل کے درمیان کشمکش کا نتیجہ تھا۔ اس کشمکش میں حضرت محمدؐ اور ان کی اولاد نیز ان کے دین پر ایمان لانے والوں کو نہایت سفاکانہ ظلم و ستم کا شکار رہونا پڑا۔ ان کا خون نہایت بے رحمی کے ساتھ بہایا گیا۔ لیکن ان مجاہدین کی قابل قدر اور عظیم الشان قربانیاں کا نتیجہ یہ نکلا کہ دین اسلام اپنے دور ابتدائی ہی میں تباہ و برباد ہونے سے بچ گیا اور بنی اُمیہ کے سرچشمہ شرک و کفر سے جو سیلاب امنڈ رہا تھا اس کی مکمل طور پر روک تھام ہوگئی۔ حتی کہ اس ننگ زمانہ نسل کا خاتمہ ہی ہو گیا اس لیے میں نے بھی اپنی ایک نظم ''اشاعت اسلام کا راز'' میں لکھا تھا کہ:

مصرع: اسلام ہے قربانیٔ شبیرؑ سے زندہ (منورؔ)

اور مولانا محمد علی مرحوم نے بھی کہا تھا: اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

عرب میں ظہور اسلام سے پہلے وہاں کی آبادی مختلف قبائل پر مشتمل تھی ۔ یہ قبائل ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ برسر جنگ رہا کرتے تھے۔ اس زمانے میں مکہ دو اہم گھرانوں سے آباد تھا۔ ایک گھرانا ہاشم کا تھا اور دوسرا امیہ کا۔ دونوں گھرانے قبیلہ قریش سے تعلق رکھتے تھے۔ دونوں گھرانوں میں ما دی برتری بنی امیہ کو حاصل تھی ۔ دولت وثروت کی فراوانی نے انہیں اندھا بنا دیا تھا۔ نیک و بد کی تمیز جاتی رہی تھی اپنے جاہ وحشم اور دولت وثروت کے زعم میں یہ گھرانہ کسی کو نظر میں نہ لاتا۔ غرض کہ اس کا پلہ ہر طرح سے بھاری تھا۔ اس گھرانے کی سرگردگی ابوسفیان کو حاصل تھی اور اس کی خواہش تھی کہ کسی نہ کسی طرح مکہ کی بادشاہت اس کو حاصل ہو جائے اس خواہش کی تکمیل کے لیے اس نے متعدد بار کوشش کی لیکن ہر مرتبہ ہی اس کو منھ کی کھانی پڑی کیونکہ پیغمبرؐ اسلام حضرت محمدؐ کی تعلیم کے اثر سے باشندگان مکہ گمراہ ہونے سے بچ جاتے تھے۔ مسلسل ناکامی نے ابوسفیان کے دماغ کا توازن درہم برہم کر دیا اور اس کو بنی ہاشم سے خاص عداوت ہو گئی۔

چنانچہ حرص ملوکیت کے زیر اثر وہ تمام انسانی قدروں کو بالائے طاق رکھ کر حیوانیت پر اتر آیا اس نے بنی ہاشم پر اس قدر ظلم وستم ڈھائے کہ آخر کار ثانی الذکر کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ اگر چہ دولت وثر وت کے نشے میں اندھے بنی امیہ نہایت بیدردی کے ساتھ اپنے مخالفوں کا خون بہاتے تھے پھر بھی ان کو اس بات کا احساس ہونے لگا تھا کہ اگر اشاعت اسلام کا دائرہ اسی طرح وسیع ہوتا چلا گیا تو ایک نہ ایک روز بنی امیہ کا سارا اقتدار ختم ہو کر رہ جائے گا۔ ان کے مالی مفادوں پر ضرب عظیم پہنچے گی اور بلآخران کا وجود مکمل طور پر خطرے میں پڑ جائے گا۔ اسی لیے ان کی مخالفت کا تمام زور پیغمبر اسلام حضرت محمدؐ کی طرف منتقل ومرکوز ہو گیا۔ حضرت محمدؐ جو تعلیم باشندگان عرب کو دیتے تھے۔ بنی امیہ اس کو تمسخر استہزا کا شکا ر بنا دیتے تھے۔ حضرت محمدؐ کی شخصیت اور ان کی تعلیم کی بے حرمتی کرنے میں انہوں نے کوئی دقیقہ فرد گزاشت نہیں کیا۔

بنی امیہ نے یہ ماننے سے قطعی انکار کر دیا کہ حضرت محمدؐ پر وحی نازل ہوتی ہے۔ پیغمبر اسلامؐ کے خلاف ابوسفیان کی ان صف آرائیوں کے ساتھ ساتھ مکہ کے امرائے قریش بھی عوام کو بھڑکاتے اور ان کو اظہار حیوانیت کا وسیلہ بناتے ۔ یہ لوگ ان امیروں کی اشاروں پر چلتے اور طرح طرح کی نازیبا حرکتوں

کے مرتکب ہوتے۔

اسلام اور بانی اسلام کے خلاف ان کی تہمت تراشیوں اور تعن وتشنیع کا سلسلہ برابر جاری رہتا۔ ان آدمی نما حیوانوں نے کئی بات رسول اکرمؐ کو گھیر لیا حتی ان کے لیے جان بچانا مشکل ہو گیا۔ مگر فضل ایز دی ساتھ تھا۔ اسی ان پر کچھ آنچ نہ آئی بال بال بچ گئے۔ انہیں خدا کے منکر امویوں کی بدولت حضرت محمدؐ کو مکے سے ہجرت کرنی پڑی کیونکہ بنی امیہ کے سرداروں نے آپ کے قتل کرنے کی ایک بہت بڑی سازش کر رکھی تھی۔ لیکن یہ سازش عین وقت پر کھل گئی۔ اور مجبوراً حضرت محمدؐ کو اپنے وطن عزیز سے جدا ہونا پڑا۔ آپ کی ہجرت مصلحت اندیشی پر مبنی تھی اور اسے کسی طرح سے بھی کمزوری یا بزدلی پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ اسلامی نقطہ خیال سے یہ ہجرت اشاعت اسلام کا دوسری سنگ نشان قرار دی جاتی ہے۔ اگر خدانہ خواستہ ابوسفیان کامیاب ہو جاتا تو اشاعت اسلام کے تمام دروازے بند ہو جاتے۔

جنگ احد میں دشمنوں نے حضرت محمدؐ کو بری طرح زخمی کر دیا تھا حتی کہ آپ کی جان خطرے میں پڑ گئی تھی اسی طرح جب دشمنوں نے مدینہ کا محاصرہ کیا اس وقت بھی حالت بہت نازک تھی۔ دشمن اسے تباہ کرنے تلے ہوئے تھے دونوں محاصروں میں دشمن کی فوجوں کا سردار ابوسفیان ہی تھا کہتے ہیں کہ ابوسفیا ن کی بیوی ہندہ نے واقعی اپنی وحشت و درندگی میں بھیڑیوں کو بھی مات کر دیا تھا۔ اس عفریت سرشت عورت نے حضرت محمدؐ کے چچا حضرت حمزہؑ کا کلیجہ نکال کر اسے قریب قریب اپنا نوالہ ہی بنا لیا تھا دین اسلام کے جن شیدائیوں نے ان لڑائیوں میں جواں مردی کے ساتھ لڑکر جان دی اس شیطان سیرت عورت نے ان کے کان کاٹ کاٹ کر ہار کی شکل میں گوندھے اور اس ہار کو اپنی گردن میں ڈال کر سر عام اس کی نمایش کی اس نے ان کانوں کے کنگن بنا کر انہیں ناپاک کلائیوں کا زیور بنایا۔

کچھ سال کے بعد حالات کا رخ پلٹا اور مکہ پھر محمدؐ کے زیر اثر ہو گیا جن خبیثوں نے نہایت بے رحم اور سفا کی کے ساتھ مردوں اور عورتوں کو اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنا کر انسانیت کے دامن کو اپنی ناپا کیوں سے آلودہ کیا۔ اب وہ حضرت محمدؐ کے رحم وکرم پر تھے۔ لیکن آپ نے دشمنوں پر فتح پا کر ان کیساتھ حدرجہ شریفانہ برتاؤ کیا۔ دشمنوں نے شدائد و مظالم کے جو پہاڑ حضرت محمدؐ اور ان پر ایمان لانے والوں پر ڈھائے تھے محمدؐ صاحب نے ان کو قطعاً نظر انداز کر دیا۔ ظالموں کی جان بخشی۔ خطاواروں کے ساتھ مکمل خطاپوشی سے کام لیا۔

اس کے باوجود دشمنوں نے ایک مرتبہ پھر سر اٹھایا ان کی درنگی اور خشونت ایک بات پھر ابھری۔ اس

درمیان میں پیغمبر اسلامؐ اسلام پر وفات پا چکے تھے۔آپ کی وفات کے بعد مشکل سے چالیس سال گزرے ہوں گے کہ بنی امیہ کے احسان فراموش نمائندوں نے خود پیغمبر اسلام کے جگر بندوں کو اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنا۔ان کے خون مقدس سے سرزمین کربلا سرخ کردی۔نہایت بے رحمی سے ان کے عزیزوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔اس طرح ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دنیائے تاریخ میں خود کو مردود و ملعون بنا گئے۔

حضرت محمدؐ نے ۶۳۲ء میں وفات پائی تھی۔اس طرح عرب ایک متحد ملک تھا۔وہاں ایک عوامی اور مرکزی حکومت تھی۔اور ایک مشترکہ مقصد اس کے پیش نظر تھا اور اسی مقصد کی تکمیل کے جذبے سے عرب کے باشندے طوفانی لہروں کی طرح دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچ گئے تھے۔ عربوں کی سرگرمیاں صرف جدال وقتال ہی تک نہیں محدود تھی۔ان کو ایک طرف لڑائی کے میدان میں فتوحات حاصل ہو رہی تھی اور دوسری طرف وہ ذہنی نیز ثقافتی شعبوں میں بھی عظیم الشان کامیابی حاصل کر رہے تھے۔اپنی ادب ایران کی تاریخ میں پروفیسر ای جی براؤن نے بھی لکھا ہے کہ شرک پرست عربوں کی تنگ نظر فرقہ بندی کو دور کر کے دوسرے عربوں میں عام احساس ایمانی پیدا کرنا نیز تمام دنیا کے مسلمانوں میں ایک مشترک مذہبی جذبے کی تخلیق کرنا پیغمبر اسلامؐ کے مشن کا سب سے بڑا اور نہایت درجہ ممتاز کارنامہ ہے۔پہلی دو خلافتوں میں مساوات کے اصولوں پر بڑی حد تک عمل ہوتا رہا مگر مسند خلا فت حضرت عثمان کے حصے میں آئی تو قدیم خویش پرستی اور فرقہ وارانہ ذہنیت پھر ابھر آئی۔بنی امیہ نے اپنے ایک کمزور رشتے دار کو مسند خلافت پر جگہ دے کر اسلام کے خلاف اپنی انتقامی ذہنیت کے اظہار کا موقع ایک بار پھر نکال لیا تھا۔کیونکہ بانئ اسلام اور ان کے جانشینوں نے ان کے خواب حکمرانی کو تہس نہس کر دیا تھا۔بنی امیہ کے وہ امراء جنہوں نے متواتر تیئیس سال تک رسول اسلام کے خلاف گستاخانہ رویہ اختیار کر کے ان کی اہانت کی تھی۔ان کو طرح طرح سے تنگ کیا تھا۔ان کے خلاف میدان کارزار گرم کیے تھے۔بہت جلد مکمل طور پر غالب آ گئے اور جتنی اہم اور کلیدی اسامیاں تھیں سب پر اپنا قبضہ جما لیا تھا بلند ترین عہدے تو گویا ان کی ذاتی ملکیت بن گئے تھے۔بھوکی جونکوں کی طرح وہ بڑی بڑی نظامتوں سے چمٹ گئے اور سفا کی کے ساتھ مال و دولت لوٹ کر انہوں نے اپنے خزانے بھر لیے۔تمام اطراف سلطنت سے ان کے اس جور استبداد کے خلاف آواز بلند ہو کر مدینہ کے در و دیوار سے ٹکرائی۔لیکن اس تمام شور و فریاد کا کچھ نتیجہ نہیں نکلا بجائے اس کا جواب دشنام طرازی اور تلخ کلامی

سے دیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا اور حضرت عثمان کو نہ صرف تخت سلطنت سے بلکہ اپنی جان شیریں سے ہاتھ دھونا پڑا۔

حضرت عثمان کی عبرت انگیز وفات کے بعد انان خلافت حضرت محمدؐ کے داماد اور عم زاد بھائی حضرت علیؑ کے ہاتھ میں آ گئی اگر نسلی وراثت کا اصول خلافت کے معاملے میں شروع سے اختیار کر گیا ہوتا تو اس کے لیے مسلمانوں میں اتنی خونریزی نہ ہوتی۔

حضرت علیؑ بنتِ رسول کے شوہر تھے۔ اس طرح نسل کے اعتبار سے حضرت علیؑ مسند خلافت کے حق دار تھے۔ علاوہ بریں ان کا انتخاب عوام کی رائے سے ہوا تھا۔ ان کو باشندگان مکہ کی تائید حاصل تھی۔

حضرت علیؑ کی تقدیس اور بلند کرداری مسلمہ تھی۔ وہ سچے مسلمان تھے اور حضرت محمدؐ کو انکی ذات اقدس پر ناز تھا۔ ان سے زیادہ معتبر پیغمبرؐ اسلام کی نگاہ حق شناس میں کوئی نہ تھا ان کی عظمت کو تو ان کے مخالفین بھی تسلیم کرتے تھے اسی لیے عام خیال تھا کہ شائد عنان خلافت ان کے ہاتھوں میں آجانے پر کسی کو اعتراض نہ ہوگا۔ سب ان کی اطاعت قبول کرلیں گے مگر دراصل ایسا ہوا نہیں جس روز سے حضرت علیؑ نے خلافت کا بار اپنے شانوں پر لیا۔ ابوسفیان اور ہندہ جگر خوارہ کے بیٹے معاویہ نے حضرت علیؑ کے حق میں کانٹے بونے شروع کر دیئے۔ انہیں اپنی مخالفت کا نشانہ بنایا۔ ایک یورپین محقق کا خیال ہے کہ اگر حضرت علیؑ کو امن و عافیت کے ساتھ داد خلافت دینے کا موقع دیا جاتا تو ان کے محاسن اعلیٰ یعنی ان کے مستقبل مزاجی اور ان کے کردار کی بلندی کے زیر اثر جموریت کا سلسلہ قدیم قایم رہ سکتا تھا۔ اس کی سادہ روی استحکام پذیر ہوسکتی تھی۔ لیکن ایک قاتل کے خنجر نے اسلام کی امیدوں کا خاتمہ کر دیا۔ میجر اسبورن کے الفاظ میں حضرت علیؑ کی شہادت سے ایک صادق الایمان مسلمان ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔ اسلامی تاریخ حضرت علیؑ کی بلند اور مقدس شخصیت کو کبھی فراموش نہیں کرسکتی۔

حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد اسلامی جمہوریت کا تو نام ونشان مٹ گیا۔ اس کی جگہ اب بنی امیہ کی قایم کردہ ایک نیم مشرکانہ سلطنت کی بنیاد پڑ گئی۔ اس سلطنت کا اسلام کے خلاف جو ردعمل ہوا وہ حد درجہ سفاکانہ بغاوت آمیز اور ہیبت ناک تھا۔ یورپی مورخ اسبورن نے معاویہ کے کردار کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے۔

معاویہ نہایت ہوشیار اور چالاک تھا۔ اس کا کوئی اصول نہ تھا۔ اس کی بے رحمی ناقابل بیان ہے

اپنے مقصد براری کے سلسلے میں معاویہ کوکسی قسم کے بھی جرم کا ارتکاب کرنے میں کوئی باک نہ تھا اپنے جن مخالف کو وہ زبردست اور مضبوط سمجھتا تھا اس کو بے دریغ تہہ تیغ کر دیتا تھا۔ حضرت محمدؐ کے نواسے حضرت اما حسنؑ کو اس نے زہر دلوایا تھا۔ یہی انجام حضرت علیؑ کی جانباز جنرل مالک اشتر کا ہوا، اپنے بیٹے کو مسند خلافت کا وارث بنانے کے لیے معاویہ نے اپنی زندگی ہی میں جوڑ شروع کر دیئے تھے اور اس طرح اس معاہدہ کی شرائط کو ٹھکرا دیا تھا جو اس نے حضرت امام حسنؑ سے خلع خلافت کے سلسلے میں کیا تھا اپنے راستہ میں سے تمام کانٹوں کو ہٹا کر یہ سنگدل اور ننگ اسلام شخص اسلامی ملکوں پر حکومت کرتا رہا اور اس طرح عصائے خلافت تقریباً ۹۰ سال تک خاندان معاویہ کے قبضے میں رہا۔

علامہ جرجی زیدان نے اپنی تصنیف بنی امیہ اور آل عباسیہ نیز اسکاٹ نے اپنی ایک تصنیف میں بنی امیہ کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا ہے ان کا اقتباس بھی غالباً دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

ان دونوں مصنفوں کے تحقیقات کے مطابق بنی امیہ کا طرز عمل ابتدا ہی سے سفا کانہ تھا یہ لوگ خبا ثت اور بد باطنی کی تمام حدود سے تجاوز کر گئے تھے۔ اپنی حکومت کو مستحکم و مضبوط کرنے کے لیے ان کو قتل اور تشدد کے علاوہ اور کوئی ذریعہ نظر ہی نہیں آتا تھا۔ انہوں نے اپنے نائب عمال کو ہر قسم کے اختیارات دے رکھے تھے اور وہ بے دھڑک جو چاہتے تھے کرتے تھے خلیفہ سے مشورہ کیے بغیر انہیں اپنے مخالفوں کو قتل کر دینے یا پھر ان پر طرح طرح کے ظلم توڑنے کی کھلی اجازت تھی اس لیے معاویہ نے بسر بن ارطاط کو ایک دستہ فوج کے ساتھ یہ حکم دے کر روانہ کیا تھا کہ تمام ملک پر حملہ کر دیا جائے حضرت علیؑ کے تمام ماننے والے موت کے گھاٹ اتار دیئے جائیں بچوں اور عورتوں کو بھی نہ بخشا جائے بسر اس مقصد کی تکمیل کے لیے گھر سے چل پڑا اور مدینہ پہنچ کو اس نے اکثر جانبازوں کو مار ڈالا۔ ان کے مکانات مسمار کر دیئے پھر اس نے مکہ اور دوسرے مقامات کی طرف رخ کیا اور وہاں بھی اس طرح بے انتہا ظلم و ستم ڈھائے۔ حتی کہ اس نے یمن پر بھی دھاوا کر دیا اگر اس قسم کے تشدد و معاویہ کے زمانے میں روا رکھے جا سکتے تھے تو معلوم نہیں کہ تشدد پرست اور خوں آشام عبدالملک کی حکومت میں کیا کیا قیامت نہ ڈھائی گئی ہوگی۔ ہمیں ان شدائد کے ذکر سے جو حجاج بن یوسف سے منصوب کئے جاتے ہیں ذرا بھی تعجب نہیں۔ اس شخص نے نہ جانے کتنے انسانوں کو تہہ تیغ کیا کہتے ہیں کہ اس نے ایک لاکھ بیس ہزار مردوں اور عورتوں کو اپنے خنجر سے ہلاک کیا اور یہ سن کر تو ہمارے لیے حیرت و استعجاب کی کوئی حد ہی نہیں رہتی کہ اس کے حکم سے

پچاس ہزار مرد اور تیس ہزار عورتیں قید و بند کی مصیبتیں جھیل رہے تھے۔ عبدالملک اپنے اس وائسرائے۔ حجاج۔ کے مقابلہ کہیں زیادہ بے رحم واقع ہوا تھا۔ وعدہ شکنی کا گناہ تو اس کے لیے کوئی گناہ نہ تھا کسی کے ساتھ کسی قسم کی رد رعائیت نہ کرتا ایسا کرنا اس کے شعار ہی میں نہ داخل تھا۔ یہ لوگ اپنے مخالف کو صرف قتل ہی نہیں کرتے تھے۔ قتل کرنے کے بعد ان کی لاشوں کو بھی خراب کرتے تھے۔ مخالف سرداروں کا سر کاٹ لیا جاتا تھا اس کی نمائش جا بجا کی جاتی تھی مقتولوں کے جسم پھانسی پر لٹکا دیئے جاتے تھے۔ پھانسی کے قبل بھی طرح کی اذیت دی جاتی تھی۔

بنی امیہ کے شاہزادے۔ بلا استثنا پرلے سرے کے عیاش تھے کشت وخون ان کی رگ رگ میں پیوست ہو چکا تھا۔ اپنی اوباش مزاجی شہوت پرستی اور لہو ولعب کے معاملے میں یہ لوگ ہمیشہ سے بدنام تھے حتی کہ اپنی گمراہ کن آوارگی کے معاملے میں انہوں نے سلطنت روما کی عیاشی اور سیاہ کاری کو بھی مات کر دیا تھا ارذل قسم کے مذاق اور نا قابل بیان قسم کی بدکرداریوں کی ایجاد اور ان کے ارتقا میں عراق اور دمشق یہ دونوں شہر اپنا جواب نہیں رکھتے تھے احکام قرآنی کی خلاف ورزی میں شراب کا استعمال عالمگیر تھا ان کے درباروں میں جو حرامکاریاں دیکھنے میں آتی تھیں وہ بعض ان دوسرے حکمرانوں کی بدکاریوں کی بھی جنہیں عام طور پر ننگ زمانہ تصور کیا جاتا رہا ہے۔ مات کرتی تھین۔ غیر ملک والے یہ حرکتیں دیکھتے تو صرف تعجب ہی میں نہ رہ جاتے بلکہ ان کو اس سے بے حد نفرت بھی ہو جاتی تھی۔ بدترین طور پر قابل نفرت یہ مترکفین اگر ایک طرف کاخ وقصر کے ایوانوں کو ناپاک کرتے تھے تو دوسری طرف متبرک ومقدس عبادت گاہیں بھی ان کی سیاہ کاریوں سے محفوظ نہ تھیں۔ شراب سے بدمست خلیفہ کے حضور میں انکے ہر جائز و ناجائز حکم پر سر تسلیم خم کرنے کے لیے غلاموں کو حاضر رہنا پڑتا تھا۔ ناچنے اور گانے والے لڑکے عورتوں کا سا ساج سجتے اور خلیفہ کی ہوس کاریوں کا نشانہ ہوتے تھے۔ جب یہ سب باتیں ایک معمولی انسان کی نظر میں نفرت و حقارت کا جذبہ پیدا کر دیتی ہوں تو پھر کوئی ہوشمند مسلمان انہیں کیسے گوارا کر سکتا تھا رقم کثیر صرف کر کے دور دراز سے حسین وجمیل گانے والیاں بلائی جاتیں اور ان نازینیان پری تمثال کو بادشاہ کے مزاج میں اتنا دخل گویا اس پر ایک طرح سے بالکل حاوی ہو گئی تھی۔ امور سلطنت میں ابھی ان کا اثر کام کرتا تھا۔ بنی امیہ کے زمانے میں دمشق عیاشی اور اوباشی کا مرکز بن گیا تھا شاید ہی گزشتہ زمانے میں ایسا ننگ روزگار کوئی دوسر اشہر ہوگا یا آئندہ زمانے میں ہوگا قصہ مختصر جتنے بھی صاحب اقتدار عیش پرست تھے وہ سب کے سب ان

ننگ اسلام معاویہ کے مقربین میں داخل ہو گئے تھے۔آئے دن مرغ بازی ہوتی۔شاید ہی کوئی دن ایسا گزرتا جب یہ لوگ گھوڑ دوڑ میں حصہ نہ لیتے۔خوشامدی مصاحب ان کا دماغ اور بھی خراب کرتے تھے۔ پیشہ ور ناچنے والی عورتیں بیشتر ان کی جلوت وخلوت میں رہا کرتی تھیں۔اب تک جو وحشیانہ کارگزاری عربی بدووں کے خیمے میں ہوا کرتی تھی وہ سب کی سب ایوان خلافت میں منتقل ہو گئی تھی۔اس زمانے میں مصر کا بھی یہی حال تھا۔روم وقسطنطنیہ بھی اسی ڈگر پر چل رہے تھے۔

شہزادوں کا حرامکاری کے اڈوں میں آئے دن جانا معمولی بات تھی۔ان کے قدم تو رعایا کے حرموں میں بھی پہنچ جاتے اور وہ اپنی محبوبہ کی تعریف کوموضوع شاعری بنا لیتے تھے شاہی محلات کھل کھلا درباری شاعرون اور موسیقاروں کے ساتھ ساز باز کرتے رہتے جب حکمراں وقت کا یہ حال تھا تو پھر عامۃ الناس سے زہد واتقا کی توقع کس طرح کی جا سکتی تھی۔چنانچہ ان کے اخلاق وکردار میں بھی غایت درجہ پستی آ گئی۔واقعہ یہ ہے کہ ملک شام اس زمانے میں جس قدر اپنی بداعمالیوں اور سیاہ کاریوں کے لیے بدنام تھا اتنا کوئی اور ملک نہ تھا ملک شام گویا انسانی بدکاری اور بدعہدی کا ہم معنی بن گیا تھا۔مگر ملک شام کے ان بادشاہوں کی خوفناک طور پر ناپاک حرکتوں کے بمقابلے وہ شدائد ومظالم بھی بے وقعت ہو گئے تھے جو خلفائے دمشق نے روا رکھتے واقعہ حرہ کے بعد یزید کے سپہ سالاروں نے شہر مکہ کوشکست وریخت کے حوالے کیا اور اس کے سپاہیوں نے اتنا زبردست قتل عام کیا کہ اس کے وہ لوگ بھی برافروختہ ہوا ٹھے جو اس زمانے کے تشدد اور مظالم دیکھنے کے خوگر ہو چکتے تھے۔تباہی وہلاکت کے اس قیامت آفریں دور میں جب کہ عوام کی جان ناموس حلال کر دیا گیا تھا صرف ایک دن میں ایک ہزار زنازادے ظالموں کے حملوں کے دوران میں پیدا ہوئے جنہیں زندگی بھر کے لیے اولا دحرہ کہلانا پڑا،شامی فوج کے سپاہی ان کو اپنے گھوڑوں پر لاد کر اور ان کی مشکین کس کر مسجد نبوی میں لے جاتے تھے۔حالانکہ ان پر ہر طرف سے لعنت وملامت کی بوچھار ہوتی تھی۔جو دیکھتا تھا ان بدکرداروں کی بددعائیں دیتا تھا۔یہ بات کس قدر حیرت انگیز اور افسوناک ہے کہ جس منبر مقدس پر بیٹھ کر حضرت محمدؐ خود زبان مبارک سے قرآن کریم کی تعلیم فرماتے تھے جس سننے کے لیے ہزاروں کی تعداد میں فدایان دین کی اجتماع ہوتا تھا اور جس مزار مقدس میں آں حضرت کا جسم مبارک دفن تھا ان کے درمیان ان کمینے سپاہیوں نے اپنے گھوڑے باندھ دیئے اور اس طرح اس سرزمین مقدس کی بے حرمتی کی جو ہر مسلمان کی نگاہ میں قابل احترام تھی۔جنگ

بدر کے ایسے جولوگ زندہ باقی رہ گئے تھے جن کو رسول اکرمؐ کی عنایت اور عامتہ الناس کے جذبہ احترام سے نہایت بلند مقام حاصل ہو گیا تھا تمام تباہ و برباد ہو گئے ایک کا بھی نام لیوا اور پانی دیوانہ گیا اس کے بعد ہی مکہ شریف کا محاصرہ کرلیا گیا اور اس طرح ان تمام حقوق پر پانی پھر گیا جن کی بدولت مدت دراز سے یہ خطہ توہین واہانت سے اب تک محفوظ رہا تھا۔ سپہ سالار کے حکم سے مسجد میں آگ لگا دی گئی اور کعبہ کے ساتھ وہ بھی آگ کے شعلوں کی نذر ہو گیا۔

بنی امیہ میں جو لوگ بعد کو خلیفہ مقرر ہوئے وہ اسلامی نقطہ خیال سے حد درجہ نالائق اور نااہل تھے ان کی مجنونانہ حرکتیں تو انتہائی عروج پر پہنچ گئی تھیں۔ شب و روز کی بدکاریوں نے انہیں ہر طرح نکما اور ناکارہ بنا دیا تھا۔ انہیں رائے عامہ کی کوئی پروانہ تھی وہ ہر عیاش ساتھیوں اور داشتہ عورتوں کو شاہی پوشاک سے زرق برق آراستہ کر کے منبر پر وعظ کرنے کے لیے بھیجتے تھے۔ انہوں نے اپنے مقدس منصبوں کو تذلیل خود قسم قسم کے ناپاک بہروپ داخل ہو جاتے تھے اور اپنی قریب ترین رشتہ دار عورتوں کو زبردستی اپنی ہوس کاری کا نشانہ بناتے اور انہیں طرح طرح کی جسمانی اذیتیں دیتے تھے۔ بنی امیہ کے شاہزادوں کی نظر میں قرآن شریف کا ذرا بھی احترام نہ تھا اور وہ صحائف مقدس کو بھی ہدف زنی سے نہ بخشتے تھے۔

یہ حالت تھی ان لوگوں کی جو خلافت کے دعوے دار تھے یا پیغمبر اسلام کی پیروی کا دم بھرتے تھے اور یہ عالم تھا ان کی حکمرانی کا۔ یہی وہ ظلم وتشدد اور کفر الحاد کا شیوہ تھا جس کے خلاف پیغمبر اسلام کے صحیح جانشینوں نے علم بغاوت بلند کیا سلام اور اسلام کے سچے تعلیمات و احکام کو خانوادہ حضرت علی نے قربانیاں دے کر اور مصائب انگیز کر کے بچایا تھا وہ اسلام کے حقیقی علمبردار تھے اور اصل یہ ہے کہ اس خانوادہ عظیم کا ہر فرد اسلامی اصولوں کا ایک مجسمہ تھا وہ اصول کیا تھا۔

امن و انصاف اخوت، مساوات، اخلاق اور روحانیت وہ اپنی حفاظت، شرافت کردار، تسلیم مذہب اور تقدس و پاکیزگی کے ہتھاروں سے کر رہتے تھے۔ اگر چہ بظاہر یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ لوگ بنی امیہ کے مقابلے میں کمزور، بےبس اور ناکام ہیں۔ لیکن حق وصداقت کے لیے اپنے ایثار اپنی قربانیان اروا پنی صبر آزما اذیت کوشیوں کے ذریعہ انہوں نے عوام الناس میں ایک اخلاقی بیدار پیدا کر دی جس نے انجام کار ایک روز بنی امیہ کا نام ونشان ہی صفحہ ہستی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مٹا دیا۔

بنی امیہ اور آل پیغمبر کے درمیان جو طویل محاربہ عظیم ہوا اس میں حسینؑ ابن علی نے سب سے اہم

رول ادا کیا ہے اس کی ہیبت ناک شہادت نے تمام دنیا کو انگشت بدنداں کر رکھا ہے۔

گرٹر یوڈبل کے الفاظ میں حضرت حسینؑ کے دشمن بھی ان کے ضبط و تحمل نیز ان کے پیروؤں کی عقیدت مندی اور ان کے ساتھ جو مخدارت رہتے تھے ان کی والہانہ محبت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ (عاشور محرم کے جو واقعات ضابطہ تحریر میں آئے ہیں وہ بے پناہ درد و کرب سے بھرے ہوئے ہیں او ان سے نسلاً بعد نسلٍ طبائع انسانی کو انتہائی اذیب پہنچتی آئی ہے۔''

حضرت امام حسینؑ پر جو کچھ گزری اس کا اندازہ کرنے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ ہم شیعہ فرقہ کے عقائد پر ایمان لائیں یا جنگ کربلا کے معاملے میں کسی قسم کی جانب داری سے کام لیں یا اس کے علاوہ اپنے دل و دماغ میں ایسی تصویر کھینچیں کہ حضرت امام حسینؑ اپنے خیمہ میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ گود میں دشمنوں کے تیروں سے ہلاک شدہ ایک معصوم بچہ ہے۔ یا اُن ہونٹوں کے پاس پانی کا گلاس لیے جا رہے ہیں جن کو دشمنوں نے چھید ڈالا ہے حضرت امام حسینؑ نے ایک مقام پر فرمایا ہے کہ انسان رات کو سفر کرتے ہیں اور ان کی قسمتیں ان کی طرف سفر کرتی ہیں یہ حادثہ بھی رہتی دنیا تک یادگار رہے گا کہ حضرت امام حسینؑ ایک روز رات کے وقت جنگل بیابان میں عین اسی وقت سفر کر رہے تھے جب دوسری طرف حر اور خلیفہ کی فوجیں اس طرف سے گزر رہی تھیں۔

جس وقت حضرت حسن زہر کے اثر سے جاں بلب تھے انہوں نے حضرت امام حسینؑ کو پکار کر جو حضرت امام حسنؑ کے قاتل کو تلاش کرنے اور اس کو سزا دینے کی فکر میں سرگرداں تھے۔ کہا

''میرے بھائی۔ چھوڑ دو اس کو (دشمن کو) اس کے حال پر حتیٰ کہ میرا اور اس کا مقابلہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہو۔''

اسی طرح حضرت امام حسینؑ کے والد بزرگوار حضرت علیؑ نے اپنے حقوق پر زبردستی قبضہ کرنے کے بجائے ہمیشہ ان سے دستکشی ہی کو ترجیح دی اسی طرح حضرت امام حسینؑ کے کامیاب مخالف یعنی غاصب ایمان خلیفہ یزید نے بھی ان کی عظمت کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے۔

''حضرت حسینؑ خداوند تعالیٰ کی نگاہ میں نہایت عزیز اور محبوب تھے انہوں نے جس قدر مصائب اور تکالیف برداشت کئے ان میں ان کا کوئی ذاتی مفاد پیش نظر نہیں تھا۔ بہر حال اہل بیتؑ میں جو بھی فرد تھا پاکیزگی اور صفائی اس پر ختم تھی۔ ان میں ترک و ایثار کی خصلت تھی، یہ حلم شعار تھے۔ حقوق کی

حفاظت میں انہوں نے جان کی بازی تک لگادی ترک کامل سے کام لے کر انہوں نے خود کو خداوند تعالیٰ کے سپرد کردیا تھا۔ ذاتی مفاد انکے تصور کی حدوں سے بہت دور تھا۔ ان کی تمام جانبازی اور سرفروشی کی تہہ میں جذبہ ایمانی کام کررہا تھا اسی لئے انہوں نے ہر قسم کی صعوبت بلا چوں وچرا برداشت کی۔ زبان شکوہ و شکایت سے نا آشنا تھی۔ آہ وفریاد کو وہ ننگ سمجھتے تھے۔ اہل بیتؑ میں حضرت حسینؑ کی ہستی مقدس اور ممتاز ترین ہستی تھی۔ دراصل اپنی شہادت کی وجہ سے انکو ایک مرکزی کردار کی حیثیت حاصل ہوگئی تھی۔

حضرت امام حسینؑ کے تصور سے اس محبت کی فوراً یاد آجاتی ہے جو رسول اکرم حضرت محمدؐ کو بچوں کے ساتھ تھی کیوں کہ آپ نے حضرت حسینؑ کو خود اپنے زانوئے مبارک پر بٹھا کر اپنی بے پایاں شفقت کا اظہار کیا تھا۔ آپ اپنے ساتھ حضرت حسینؑ کو بھی ممبر پر جگہ دیتے تھے اور عقیدت مند عوام جہاں ایک طرف آپ کے چہرۂ انور کی تجلی سے اپنے دل کو چراغ روشن کرتے تھے وہاں حضرت حسینؑ کا دیوار بھی ان کی خوش نصیبی میں اضافہ کرتا تھا۔

حضرت امام حسینؑ سے محبت کرنے والے اور بھی بے شمار انسان ہیں اور صرف عرب نہیں۔ تمام متمدن ملکوں اور قوموں میں ان کی شخصیت کے متعلق احترام آمیز محبت کا جذبہ پایا جاتا ہے۔ ہر سمجھ دار انسان کی زبان پر جو حضرت حسینؑ کے نام اور ان کے کارناموں سے ذرا بھی واقفیت ہے ان کے افسانے پائے جاتے ہیں۔ جن سے ہم ایک طرف متاثر ہوتے ہیں۔ ان کی قربانیوں کا ذکر بڑھ کر یا سن کر ہمارے دلوں میں ایک درد ایک ٹیس اٹھتی ہے وہاں دوسری طرف ایک ایسے مثالی کردار کی تصویر بھی آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے جس کی پیروی اور تقلید سے ہمارے دلوں میں ترک عظیم اور ایثار بے غرض کا جذبہ خود بخود اُبھر آتا ہے۔ جب ہم کو کربلا کی خونیں داستان کے ورق پلٹتے ہیں تو حسینؑ کی مرکزیت ہمیں اپنی طرف کھینچ لیتی ہے اور ہم ان کی یاد میں اکثر رو بھی پڑتے ہیں۔ بعض اہل الرائے جہاں ایک طرف حضرت امام حسین پر توڑے ہوئے مظالم کو حد درجہ سفاکانہ قرار دیتے ہیں وہاں دوسری طرف اس آہ و بکا کو جس سے مسلمانوں کے ایک بڑے طبقہ میں حضرت امام حسینؑ کی یاد میں کام لیا جاتا ہے نامناسب بھی قرار دیتے ہیں لیکن اہل تشیع کی نظر میں غم بھی عبادت کا ایک جزو عظیم ہے اس لیے وہ واقعہ کربلا کی یاد میں مجلس ماتم برپا کرتے ہیں۔

حسین علیہ السلام اور عالمِ انسانیت

(پروفیسر رگھو پتی سہائے فراق گھورکھپوری۔ الہ آباد یونیورسٹی)

۸/۴ بینک روڈ یونیورسٹی بلڈنگنس الہ آباد ۲۷ دسمبر ۱۹۴۱ء (یہ خط ایڈیٹر سرفراز کے نام تھا)
مکرمی تسلیم

عدیم الفرصتی کی وجہ سے آپ کے گرامی نامہ کا جواب اب تک نہ دے سکا تھا۔ یہ چند ٹوٹے پھوٹے بے ربط جملے جو میری روح کی گہرائیوں سے نکلے ہیں سپرد قلم کر رہا ہوں نہ جانے کیوں طبیعت کی موج ایسی ہی ہوئی کہ انگریزی میں حضرت حسینؑ کے متعلق لکھوں۔ آپ نے لکھا تھا کہ انگریزی میں بھی اگر میں نے لکھا تو آپ اُس کا اردو میں ترجمہ کرالیں گے۔ کوئی بولی ہو خلوص اور عقیدت کی زبان ایک ہوتی ہے۔

میں اس آرزو کے ساتھ اس خط کو ختم کرتا ہوں کہ اب وقت آ گیا ہے کہ ہم ماتم حسینؑ سے آگے کی منزل میں قدم رکھیں اور شہادت حسینؑ کو دنیا کے ابھارنے کا پیغام سمجھیں۔

خون شہید کا ترے آج ہے زیب داستاں
نعرۂ انقلاب ہے، ماتم رفتگاں نہیں

(فراق)

آپ اس خط کو چاہیں تو شائع کر سکتے ہیں اور اسی خط کے نیچے میرے مضمون کا ترجمہ شائع فرما سکتے ہیں۔ اس خط اور مضمون کو لکھتے ہوئے حضرت حسینؑ کی یاد یوں آئی کہ جی بھر آیا۔ آپ کا رگھو پتی سہائے فراقؔ گھورکھپوری۔

حسینؑ کا نام اس وسیع دنیا کے کروڑوں انسانوں کے لیے آبحیات ہے اس نام نے میری آنکھیں ہمیشہ اشک آلود کر دی ہیں حسینؑ کی بلند اور پاکیزہ سیرت محسوس کئے جانے کی چیز ہے ایسے الفاظ کا پانا آسان نہیں جو ان کے کردار کی عظمت کے مکمل مظہر ہوں یوں تو انکی سیرت روحانیت اور آنسوؤں کی سب سے زیادہ تابناک روشنی میں کربلا (کرب وبلا) کے اندر چمک دکھاتی ہے۔ لیکن جو لوگ حسینؑ کی

زندگی سے کربلا میں شہادت واقع ہونے کے پہلے سے واقف ہیں ان کے لیے اس زندگی کی بے داغ اور استوار پاکیزگی اس کی بشریت، اس کا خلوص اور وقار سچ کی عجیب اور سخت امتحان کے مقابلہ کی طاقت یہ باتیں اتنی نمایاں ہیں کہ بلا لحاظ مذہب وملّت ہر فرد سے بخوشی خراج عقیدت حاصل کرنے کا مطالبہ کرتی ہیں ایسے ہیرو روز نہیں پیدا ہوا کرتے۔

کیا صرف مسلمان کے پیارے ہیں حسینؑ
چرخ نوع بشر کے تارے ہیں حسینؑ
انسان کو بیدار تو ہولینے دو
ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؑ

(جوش)

مجھ جیسے گہنگار انسان کے لیے حسینؑ کے اخلاقی کمالات کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ لگانا غالباً اپنی قابلیت سے بڑھ کر جرأت آزمائی کا مترادف ہوگا وہ دنیا کے بڑے سے بڑے خدارسیدہ رشیوں اور شہیدوں کے ہم پلّہ ہیں ان کا نام اور کام ان کی زندگی اور موت کے واقعات ان نسلوں کی روحیں بیدار کریں گی جو ابھی پیدا نہیں ہوئیں۔ کوئی مرثیہ اور کوئی سوانح عمری ان کی سیرت کی عظمتوں کو نمایاں نہیں کرسکتی۔ خاتمہ میں باادب ایک تجویز اپنے سنی اور شیعہ بھائیوں کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ دنیا بدل رہی ہے خون اور آگ میں نہا کر ایک نئی بشریت ظہور پذیر ہوگی جو ذلت اور عقیدے کی تفریق کا خاتمہ کردے گی۔ یہ نیا عالم انسانی ایک خاندان ہوگا۔ امام حسینؑ بنی نوع کے لیے جئے اور مرے۔ تمام مسلمانوں اور دوسرے عقائد رکھنے والے تمام انسانوں کو حسینؑ کی شہادت سے زندگی کا سبق لینا چاہیے۔ وہ حسینؑ جن کا دل صرف مسلمانوں کے لیے نہیں، صرف اپنے خاندان والوں کے لیے نہیں، صرف اپنے متعقد ہمراہیوں کے لیے نہیں بنی نوع انسان کے لیے دھڑک رہا تھا۔ آج سے ہمارا مذہب انسانی برادری ہونا چاہیے آمین۔ (انگریزی سے ترجمہ) محرم نمبر ۱۳۶۱ھ

❁❁❁

اسلام کی زندگی کا سبب

حسین علیہ السلام مظلوم کی قربانی ہے

نوشتہ عالیجناب پنڈت برج ناتھ صاحب شرغابی۔اے۔ایل۔ایل بی ایڈوکیٹ لکھنؤ

ہر مذہب خداوند کریم کو پروردگار مانتا ہے۔ نہ کہ محض کسی خاص مخلوق یا فرقہ کا پروردگار، عجائب خانہ عالم میں انواع واقسام کی مخلوق اس کی قدرت کاملہ کا اظہار کرتی ہے، مخلوق میں ایسی بھی قسمیں ہیں جن میں خلقی عداوت ہے جو ایک دوسرے کے خون کی پیاسی رہتی ہیں۔ ایک دوسرے کے مٹانے کی تدبیریں کیا کرتی ہیں۔ لیکن ہر ایک کی ضروریات اس کے چشمہ فیض سے پوری ہوتی ہیں اور ہر ایک کی نسل کو اس کے کرم سے بقا حاصل ہوتی ہے۔

اشرف المخلوقات حضرت انسان کی ضروریات برخلاف دیگر مخلوق کے محض جسمانی ہی نہیں بلکہ اخلاقی وروحانی زندگی کے لیے بھی ہے۔

انسانی غذا میں سب سے بڑا حصہ کاربورہ ہائیڈ ریٹس (Carbohydrates) (کوئلہ اور پانی کے کیماوی مرکبات) کا ہے۔ زمین کے ہر طبقہ پر جہاں انسان رہتا ہے کوئی نہ کوئی غذا ضرور موجود ہے جس میں یہ مرکبات پائے جاتے ہیں۔ اگر کہیں گیہوں کی افراط ہے تو کہیں چاول کی، کہیں گنا ہے۔ تو کہیں کھجور، کہیں دودھ ہے تو کہیں گوشت۔

روحانی اور اخلاقی زندگی کی ضروریات کے پورا کرنے کے لیے خداوند کریم نے زمین کے مختلف حصوں میں مختلف اوقات پر پیغمبر اور رشی پیدا کیے ہیں۔ جنہوں نے وہ لازوال اصول بنائے ہیں جن پر اس بات کا دارومدار ہے۔ جو انسان کو محض حیوان ہی سے نہیں بلکہ فرشتہ سے بھی برتر بناتی ہے۔ لیکن محض اصول کی تعلیم کافی نہیں ہے اس لیے ان اصولوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے امام اور پیشوا ظہور پذیر ہوتے ہیں۔

گیہوں ہو یا چاول، گنا ہو یا کھجور، دودھ ہو، یا گوشت ظاہری شکل مختلف ہے، لیکن اصلیت ایک

ہے۔ ہر ایک سے ہم کو کاربوہائڈریٹس (کوئلہ اور پانی کے کیمیاوی مرکبات) حاصل ہوتے ہیں۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ ہوں یا حضرت محمدؐ، حضرت زردشت ہوں یا وشوامترگوان کی تلقین کا ظاہری جامہ مختلف ہو حقیقت میں ان سب سے اخلاقی وروحانی کاربوہایڈریٹس ہی حاصل ہوتے ہیں۔ جب گیہوں کھانے والا چاول کھانے والے سے اختلاف غذا کی بنا پر عداوت نہیں رکھتا۔ جب گنا چوسنے والا کبھی کبھی کھجور کا بھی مزہ لیتا ہے۔ تو حضرت محمدؐ کے پیرو اور وشوامتر کے ماننے والوں میں کیوں عداوت ہو۔ یہ ایک دوسرے کی مقدس کتابوں سے مستفید کیوں نہ ہوں اور اس کا احساس کیوں نہ کریں کہ تعصب کے سیاہ بادلوں میں ایک ہی منبع نور ہے جو ان کی شاندار تاریخوں کو منور کرتا ہے۔ یہ ایک انگریزی تعلیم یافتہ کا محض واہمہ نہیں ہے۔ قرآن مجید میں خداوند کریم نے اعلان کر دیا ہے۔ مختلف ممالک میں مختلف پیغمبر و پیشوا اس نے بھیجے ہیں اور گیتا میں بھی رقم ہے کہ جہاں ان اصولوں کی خلاف ورزی ہوتی ہے جن پر عالم کے وجود وترقی کا انحصار ہے۔ وہاں ہادی ظہور پذیر ہوتا ہے۔

ہر مذہب کا سب سے بڑا اصول ہے قربانی حقیقتاً قدرت کا سب سے بڑا اصول یہی ہے، جب کھیت میں گیہوں کا ایک دانہ اپنے تئیں مٹا دیتا ہے اس سے متعدد بالیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اس اصول کی عملی مثال ہر مذہب میں ملتی ہے۔ حضرت عیسیٰؑ نے صلیب پر جان اس لیے دی کہ بنی نوع انسان کا بھلا ہو۔ حضرت دوہیچ نے اپنی ہڈی اس لیے خوشی سے دے دیں کہ نیکی کی طاقتیں بدی کی طاقتوں پر فتحیاب ہوں۔ حضرت امام حسینؑ نے اپنی اور اپنے اعزا کی قربانی اس لیے کی کہ حق کے راستے پر انسان جان دینا سیکھے ۔جس وقت دنیاوی طاقت اسلام کے سامنے مقابلہ کو کھڑی تھی۔ اور خوف ولالچ اُس کی پوری حمایت کرتے تھے۔ حضرت امام حسینؑ نے بلاخوف وخطر حق کا جھنڈا بلند کیا۔ جو مذہب کے نشہ میں چور ہے۔ اسے خوف سے تو صرف خدا کا ورلالچ ہے تو صرف اس کے وصل کا۔ دنیا اسے کیا ڈرا سکتی ہے۔ اور کس چیز کا لالچ دلا سکتی ہے۔ کاش ہمارے ہندی بھائی ہندو اور مسلمان، راجکمار پر ہلاد اور حضرت امام حسینؑ کی سوانح عمریوں سے سبق حاصل کر لیتے کہ حق پر جان دینا (جان لینا نہیں) زندۂ جاوید ہوتا ہے۔ تو ہمارے ملک کی تاریخ کسی اور طرز پر لکھی جاتی۔

ایک طرف یزید بے شمار فوج کے ساتھ دنیا کے عیش وعشرت کا لطف اٹھاتا ہے۔ دوسری طرف حضرت امام مظلومؑ جن کو کربلا کے تپتے ہوئے میدان میں پیاس بجھانے کے لیے ایک قطرہ پانی بھی

دستیاب نہیں۔ معدودے چند سچے مسلمانوں کو ساتھ لے کر مقابلہ کرنے پر آمادہ ہیں۔ مقابلہ ہوتا ہے۔ یزید کی فوجیں پسپا ہوتی ہیں۔ محفل طرب درہم و برہم ہوتی ہے۔ پیاسے امامؑ کی تلوار دشمنان دین کے خون سے پیاس بجھاتی ہے۔

لیکن آخر کب تک دنیا کا قاعدہ ہے کہ بدی نیکی پر غالب آتی معلوم ہوتی ہے امام حسینؑ شہید ہوتے ہیں۔ خاندان نبوی امام زین العابدینؑ کو چھوڑ کر مٹ جاتا ہے۔ نہیں نہیں ان کے خاکی جسم تو تہہ خاک ہوتے ہیں۔ لیکن ان کے خون سے اسلام کی آبیاری ہوتی ہے۔ اور ان پر عقیدہ رکھنے والوں کی بدولت مغرب کی تاریکی میں تہذیب کا سورج چمکتا ہے۔ آج اگر اسلام زندہ ہے تو اسی بیش قیمت قربانی کی وجہ سے۔ بحیثیت ہندو کے میں اس عظیم الشان قربانی کی عزت کرتا ہوں۔ اور یہ سمجھتا ہوں کہ جس خدا نے رشی دوہیچ کو قربانی کا سبق سکھانے کے لیے ہندوستان میں پیدا کیا تھا۔ اسی خدا نے حضرت امام حسینؑ کو عرب میں سی کام کے لیے پیدا کیا۔ یہ دونوں معزز شخصیتیں ہم کو بتلاتی ہیں کہ راہ حق میں عیش و آرام تو کیا جان کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

شہادت حسین علیہ السلام کے متعلق

مسٹر پنیتم بکارام۔اے صدر شعبہ تاریخ بنارس ہندو یونیورسٹی

رسول اسلامؐ کے انتقال کے بعد کچھ خلیفہ سوم کے عہد میں بے دینی، نفس پرستی، خود غرضی اور قبائل کی جنگ انتہا کو پہونچ گئی تھی اور یہ خطرہ تھا کہ کہیں بنوامیہ کا غلبہ اور طاقت اسلام کو صفحۂ ہستی سے نیست ونابود نہ کردے۔ جاہ طلبی اور دنیاوی طمع جلسوں اور درباروں میں کارفرما تھی۔-------اسلام اور اسلامی سلطنت کو اس بلاخیز طوفان سے بچانے والے علیؑ کے گھرانے والے تھے۔علیؑ کی اخلاقی قوت، اور نرم دلی، انصاف، لیاقت اور وہ محبت جو آپ کو اسلام سے تھی ظاہر ہے۔آپ نے دنیا کے سامنے ایک اچھے حکمراں اور مذہبی پیشوا کی مثال پیش کی۔خلیفہ اور امام ہونے کے متعلق جو اعلیٰ نظریہ اور معیار آپ نے قائم کیا اس سے اسلام کے روحانی اور اخلاقی پیغام کی حفاظت کی جاسکتی تھی۔لیکن آپ کے انتقال کے بعد معاویہ کے مدت مدید تک برسر اقتدار رہنے سے اسلام خطرہ میں پڑ گیا تھا۔حسینؑ نے ایسے نازک موقع پر اسلام کے پیغام اور روایات کو تلف ہونے سے بچالیا۔ آپ میں اخوت، مساوات، اخلاق، روحانیت ایسی صفات بدرجہ اتم موجود تھیں۔

حسینؑ کی قربانی جس سے اسلام کی ڈوبتی کشتی بچ گئی تاریخ کے صفحات پر تا قیام قیامت ایک یادگار واقعہ رہے گا۔''

محرم نمبر ۱۳۶۰ھ

حضرت امام حسین علیہ السلام کی عظمت

غیر مسلمین کی نظر میں

از جناب مولانا ڈاکٹر سید حبیب الثقلین امروہوی۔ کراچی

کائنات کا ہر ذرہ اپنے وجود کے مقصد کو اپنے ساتھ لایا ہے۔ ممکن ہے کہ بعض اوقات ہماری ناقص عقول اس کی اہمیت کو نہ سمجھ سکیں لیکن ہماری کم فہمی کی وجہ سے اس میں کوئی فرق نہیں آسکتا۔ انسان بھی جو تمام مخلوقات میں اشرف واعلیٰ ہے۔ اپنے وجود کے مقاصد سامنے رکھ کر ترقی کی منزلوں کی طرف گامزن ہوتا ہے۔ لیکن اس طبقۂ انسانی میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنی جرات وہمت سے انسانی عظمت کے کمال تک پہنچ جاتے ہیں۔ اوران کی زندگی کے مقاصدان کی جان سے بھی ارفع واعلیٰ ہیں۔ جنہیں زمانہ مٹانا چاہتا ہے لیکن مخالفین کی ساری قوتیں انہیں مٹانے سے عاجز رہتی ہے۔ بلکہ جتنا دبایا جاتا ہے اتنا ہی وہ ابھرتے ہیں۔ مٹانے والی قوتیں خود مٹ جاتی ہیں لیکن با مقصد زندگی والے مرنے کے بعد زندہ رہتے ہیں۔ اس طبقے میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کی زندگی کو کوئی خاص مقصد نہیں وہ فنا ہوجاتے ہیں تو زمانہ انہیں یاد بھی نہیں کرتا۔ کسی محفل میں ان کا تذکرہ نہیں۔ دنیا میں ہزاروں لاکھوں حق گو بندگان خدا انسانیت کا درس دینے والے آتے رہے، ہم فیثاغورث جیسے فلاسفر کو دیکھ رہے ہیں جس نے اپنی علمی استعداد سے انسانی دماغوں کونشو ونما دی جناب موسیٰ کلیم اللہ کی ذات ہماری نظر کے سامنے ہے جنہوں نے قوم بنی اسرائیل کو غلامی جیسی ذلت سے آزاد کیا۔ حضرت عیسیٰ جنہوں نے ظلم کی بیخ میں یہودیوں کے مظالم برداشت کیے۔ ہم رام چند جیسی قانع ہستی کو دیکھ رہے ہیں جس نے سیر چشمی کی مثال قایم کی گوتم بدھ جیسی تارک دنیا شخصیت کو تاریخ اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے۔ کسی نے ایک رخسار پر طمانچہ کھانے کے بعد دوسرے رخسار کو پیش کرنے کی تعلیم دی کس نے عدم تشدد پر زور دیا کسی نے زہد کا سبق دیا کس نے روحانیت کی راہ دکھائی۔ غرض کہ ان تعلیمات ومقاصد کے پیش کرنے میں طرح طرح کے مصائب برداشت کیے لیکن یہ تمام تعلیمات ان کے زمانہ والوں تک محدود ہوکر رہ گئیں اور وہ ایسا نظام حیات نہ پیش کرسکیں

جن پر دنیا ہر زمانہ میں کار بند ہو سکے اگر یہ تعلیمات مکمل ہوتیں تو نبی آخر الزمان کے آنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ دنیا کو ایسے نظام کی حاجت تھی جس کی بنیاد ایک عالمگیر اصول پر ہو زمانہ کی عادت سب کو معلوم ہے کہ وہ ہر معلم انسانیت کی تعلیمات کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لیے تیار رہتا ہے چنانچہ انسانیت کے اس آخری رہبر کامل کی تعلیمات پر بھی پانی پھیرنے کوشش کی گئی۔ لہٰذا اب ضرورت تھی کہ ایسا مصلح ومحافظ دنیا میں آئے جو ان تعلیمات کو زندہ کر کے اسی تہذیب وتمدن کی راہ دکھا دے جو عالم گیر حیثیت رکھتا ہے اور ایسا اخلاقی اور روحانی دستور حیات پیش کر کے جس سے دنیا کی تمام اقوام یکساں طور پر سبق حاصل کر سکیں اور وہ شخصیت ایک ایسی عالمگیر ہیرو ہونی چاہئے جس کی عظمت تمام دنیا کی نظر میں واضح ہو اور ہر شخص اس کی ذات سے اپنے لیے ایک روشنی حاصل کر سکے دنیا کو ہمیشہ ایسی ہستی کا احتیاج رہی ہے۔ جس کو دیکھ کر وہ امن وسلامتی کی زندگی بسر کرنے اور وہ ہستی مجموعی حیثیت سے تمام اوصاف کی حامل ہوا ور ہر زمانہ کے واسطے ایک مکمل نمونہ بن سکے وہ ذات صرف پروردہ آغوش رسول حسینؑ بن علی کی ذات ہے جس نے کل بنی نوع انسان کو پستی سے نکالنے کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دیا ور ایک عظیم مقصد حا صل کر لیا۔

کہنے والے آسانی سے کہہ دیتے ہیں کہ امام حسینؑ نے جان بوجھ کر اپنے کو ہلاکت میں ڈالا اگر بیعت کر لی ہوتی تو کیوں مع اعوان وانصار کے قتل نہ ہوتے ایسے خیالات رکھنے والے وہ لوگ ہیں جو کامیابی کا مفہوم سمجھنے سے قاصر ہیں کون کہہ سکتا ہے کہ حسینؑ بن علیؑ کامیاب نہیں ہوئے دشمن آپ کی شکست ظاہری کا مظاہرہ کر کے نامعلوم طور پر اپنی قبر کھود رہا تھا یہ چیز کسی جسمانی یا روحانی جنگ میں نہ ملے گی کہ کسی کی موت اور شکست کا مظاہرہ اس کی فتح کا نشان ہو حسینؑ قتل ہوئے لیکن بدرجہ اتم کامیاب ہوئے Danton (ڈینٹن) کا قول ہے کہ میرا نام مٹ جائے تو مٹ جائے لیکن مقصد کامیاب ہو ایک بڑے آدمی کے لیے ذاتی ناکامی ناکامی نہیں ہے اس کا دوسرا نام کامیابی ہے وہ ناکامیابی بھی بہت بڑی ہے جو نیک کام کرنے میں حاصل ہوا انسانی ذرائع خواہ حصول کامیابی کے لیے کتنے ہی غیر متناسب ہوں مگر پھر بھی معین کامیابی ہیں (ترجمہ از کتاب محمڈن ازم مصنفہ باسور تھا اسمتھ صفحہ ۹۱)

کسی واقعہ کی حقیقت کو دیکھنا ہو تو اس کے فوائد ونقصانات سے اچھی طرح اندازہ ہو سکتا ہے جس قدر اس مین منافع زیادہ ہوں گے اسی قدر اس میں عظمت پیدا ہوتی جائے گی۔ اور اسی طرح جس قدر

نقصانات زیادہ ہوں گے اس کی حیثیت سامنے آتی جائے گی مثال کے طور پر پانی کو لے لیجئے اس کا پلانا ایک نیک کام اور کار ثواب ہے لیکن ایک روزے دار کے پیاسے کو پانی پلانا زیادہ باعث ثواب ہوگا۔اور تین دن کے ایسے بھوکے پیاسے کو جو زخموں سے چور بھی ہو آفت رسیدہ بھی ہو پانی پلانا بہت زیادہ ثواب کا کام ہے کوئی شخص کسی بے گناہ کو قتل کر دے تو یقینا قاتل مجرم اور گہنگار رہے لیکن اگر مقتول بے گناہ ہے اور اپنا مہمان بھی اور جس کا صرف اتنا قصور ہے کہ وہ حق کی طرف بلا رہا ہے تو پھر اس کے قتل کی بڑی اہمیت ہوگی حسینؑ کی شخصیت اور واقعۂ کربلا میں یہی وہ تمام خصوصیات ہیں جنہوں نے نہ صرف مسلمانوں بلک پورے عالم انسانیت کو فوائد بخشے یہی سبب ہے کہ حسینؑ بن علیؑ کی سبق آموز زندگی اس قتیل ظلم و جور کا اسوۂ حسنہ اپنے اندر ایک حیات پرور پیغام رکھتا ہے ممکن نہیں کہ اس مظلوم کی مصیبت بیان کی جائے اور سننے والا بے قرار نہ ہو جائے فطرت کے تجربات گواہ ہیں کہ اشک فشانی ایسا فعل نہیں ہے جو کسی کے کہنے سے عمل میں آسکے یا کسی کے منع کرنے سے روکا جا سکے ؎

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالبؔ
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بجھے

شہادت حسینیؑ کی یہی عالمگیر حیثیت ہے کہ دنیا کے ہر فرقہ وملت میں کسی نہ کسی نوعیت سے اس مظلوم کا غم جاری ہے وہ لوگ جو اپنی مذہبی حیثیت سے امام حسینؑ سے کوئی تعلق نہیں رکھتے ان کی پیشانیاں بھی اس مظلوم کے آستانہ پر جھکتی ہیں قطع نظر اپنے بھائیوں سے جو جناب محمدؐ خاتم النبین کا کلمہ پڑھتے ہیں۔خواہ وہ کسی مکتبۂ فکر سے تعلق رکھتے ہوں سب کے سب لازمی طور پر امام حسینؑ کی شہادت سے ضرور متاثر ہوتے ہیں لہٰذا ان کے تاثرات کا ذکر اتنا ضروری نہیں جتنا دیگر مذاہب کے ماننے والوں کے آنسوؤں کا تذکرہ ضروری ہے چنانچہ غیر مسلمین کو دیکھئے کہ وہ بھی اس مظلوم پر آنسو بہائے بغیر نہیں رہ سکے بعض لوگوں نے تعزیہ داری اور مجالس حسینیؑ کی بابت یہاں تک لکھا ہے کہ یہ چیزیں تبلیغ اسلام کا ایک بہتریں ذریعہ ہیں۔ جرمن ڈاکٹر میسور بار اپنے رسالہ سیاست اسلامیہ میں اس طرح رقمطراز ہے۔

''حضرت یحییٰؑ کا قصہ تاریخی واقعات میں سے ایک بڑا واقعہ ہے اسی طرح جو سلوک یہود نے حضرت مسیحؑ سے کیا اس زمانہ تک اس کی نظیر واقع نہیں ہوئی تھی مگر حسینؑ کے واقعہ نے تمام واقعات پر اولیت حاصل کر لی جو مصائب حسینؑ نے اپنے نانا کے دین کے نفاذ کرنے میں برداشت کیے سابقین میں کسی پر واقع

نہیں ہوئے۔ مسیح کے مصائب حسینؑ کے مصائب کے سامنے اس قدر موثر اور دردانگیز نہیں ہی قانون محمدی کی حفاظت مسلمانوں اور اسلام کی ترقی یہ سب حسینؑ کے قتل ہوجانے سے ہے حسینؑ تمام روحانین میں زیادہ تر حضرت مسیحؑ سے مشابہ ہیں مگر حسینؑ کے مصائب شدید تر اور سخت تھے۔'' ڈاکٹر موصوف لکھتے ہیں کہ ''ذرا غور سے ان مجالس کو دیکھیں جو حسینؑ کی عزاداری میں منعقد ہوتی ہیں کہ کیسے کیسے حیات بخش نکتے ایک دوسرے کے کان تک پہونچاتے ہیں اور باطنی تعلیم دیتے ہیں اور جب تک وہ اس عمل کو اپنا شعار بنائے رہیں گے پستی اور زبردستی قبول نہیں کریں گے۔''

مسٹر جیمس کا کرن تاریخ چین میں لکھتے ہیں۔'' دنیا میں رستم کا نام بہادری میں مشہور ہے لیکن کئی شخص ایسے گزرے ہیں کہ ان کے سامنے رستم کا نام لینے کے قابل نہیں چنانچہ اول درجہ میں حسینؑ بن علیؑ کا مرتبہ بہادری میں ہے کیونکہ میدان کربلا میں ریت پر بھوک اور پیاس کے عالم میں جس شخص نے ایسا کام کیا ہو اس کے سامنے رستم کا نام وہی شخص لے سکتا ہے جو تاریخ سے واقف نہیں کس میں طاقت ہے کہ امام حسینؑ کا حال لکھے کس کی زبان میں یہ لطافت و بلاغت ہے کہ ان بہتر بزرگوں کی ثابت قدمی اور بیس ہزار خونخوار شامیوں کے جواب دینے اور ایک ایک ہلاک ہوجانے کے باب میں مدّح جیسی کہ چاہیے کرسکے۔''

ڈاکٹر ایڈورڈ سیل مصنف خلافت بنی امیہ و بنی عباس لکھتے ہیں۔

''اس مختصر جماعت کی ہر فرد یکے بعد دیگرے میدان کارزار میں شہید کی گئی یہاں تک کہ صرف حسینؑ اور آپ کا خوردسال فرزند بقید حیات باقی رہے یہ بچہ کون تھا وہی مظلوم کربلا کا ششماہہ بچہ علی اصغرؑ تھا جس کی ماں کا دودھ خشک ہو چکا تھا سخت گرمی تھی اور پانی بند تھا کربلا کا ریگستان تھا۔ اور بیابان بے زبان معصوم کی زبان مارے پیاس کے خشک تھی اور ننھا سا کلیجہ کباب ہو رہا تھا ادھر نرغۂ اعدا میں محصور باپ نے ایک بے کسی میں ایک آواز ھل من ناصر بلند کی ادھر ششماہا نے اپنے آپ کو جھولے سے گرادیا بھیڑیوں کی ٹڈی دل فوج میں بے چینی پیدا ہوگئی۔ پتھروں کے دل پسیج گئے اور سب نے ایک زبان ہوکر کہا ہاں ٹھیک تو ہے حسینؑ درست کہتے ہیں کہ اس بچہ کا قصور کیا ہے اسے کیوں نہ پانی دیا جائے ادھر مظلوم نے کہا کہ اگر تم کو یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ میں اس بہانہ پانی مانگ رہا ہوں تو دیکھو میں اسے یہاں چھوڑ کر ہٹا جاتا ہوں تم خود اسے آکر پانی پلادو شمر ملعون کو فوج کی تبدیلی مزاج کا اندازہ ہوگیا اس نے حرملہ کو حکم دیا کہ کلام حسینؑ کو قطع کردے حکم سننے کی دیر تھی حرملہ نے تین بھال کا تیر ایسا سر کیا کہ حلق نازک

چھید کر بازوئے حسینؑ میں درآیا اور بچہ باپ کے ہاتھوں پر منقلب ہو گیا۔''

مسٹر کارلائل مصنف ہیروز ورشپ کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔ ''آؤ ہم دیکھیں کہ واقعہ کربلا سے ہمیں کیا سبق ملتا ہے سب سے بڑا سبق یہ ہے کہ فاتحان کربلا کو خدا کا کامل یقین تھا وہ اپنی آنکھوں سے اس دنیا سے بہتر دنیا دیکھ رہے تھے اس کے علاوہ قومی غیرت وحمیت کا بہترین سبق ملتا ہے جو کسی اور تاریخ میں نہیں ملتا اور ایک نتیجہ یہ بھی حاصل ہوتا ہے کہ جب دنیا میں مصیت اور غضب وغیرہ بہت ہو جاتا ہے تو خدا کا قانون قربانی مانگتا ہے اس کے بعد تمام راہیں صاف ہو جاتی ہیں۔''

مشہور مورخ مسٹر گبن اپنی مشہور کتاب Decline and fall of the Roman Empire میں لکھتے ہیں ''حسینؑ کا دردناک واقعہ ہر زمانہ اور ہر ملک میں پتھر سے پتھر دل میں بھی بغیر ہمدردی پیدا کیے نہیں رہ سکتا پس حسینؑ کی مصیبتوں کا حال سن کر متاثر ہونا واقعہ کے دردناک ہونے کی وجہ سے اور رونے والا ایک قہری اثر کی وجہ سے روتا ہے۔''

دستور کیخسر ومہیا کنور پیشوائے اعظم فرقہ پارسی بارگاہ حسینی میں اس طرح خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔ ''اگر شہید اعظم کی قربانیاں نہ ہوتیں تو دنیا اخلاق مذہب اور صداقت سے ناآشنا رہتی دنیا ان شہداء کی ممنون ہے جنہوں نے موت کو ذلت پر ترجیح دی امام حسینؑ ان شہداء میں سے ہیں جنہوں نے انسانیت کی خدمت کے لیے جان دی ہم کو ان کی یاد اپنے عمل سے منانا چاہیے اور ان کی قربانیوں سے سبق لینا چاہیے۔''

(ماخوذ از حسینیؑ پیغام) ہندو قوم کے مہاتما اور راہ نما آنجہانی گاندھی نے کربلا کے واقعہ عظمیٰ پر اپنے حقیقی جذبات کا چند الفاظ میں اس طرح اظہار کیا ہے۔

''I Read about the Tragedy of Karbala when I was yet a young man and it hold me spell sound''

میں نے کربلا کی المناک داستان اس وقت پڑھی جب میں نوجوان ہی تھا اس نے مجھے دم بخود اور مسحور کر دیا۔ ایم۔ کے گاندھی ۱۸ اپریل ۱۹۳۴ء۔

دوسرے موقع پر موصوف نے سید الشہداء کو اس طرح خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ ''میں اہل ہند کے سامنے کوئی نئی بات پیش نہیں کرتا بلکہ میں نے کربلا کے ہیرو کی زندگی کا بخوبی مطالعہ کی ہے اور اس

سے مجھ کو یقین ہو گیا ہے کہ ہندوستان کی اگر نجات ہو سکتی ہے تو ہم کو حسینیؑ اصول پر عمل کرنا چاہیے۔''

(حسینی دنیا)

امام حسینؑ سے عقیدت رکھنے والے غیر مسلمین کی طولانی فہرست میں سے چند لوگوں کے خیالات پیش کئے گئے ہیں جن سے پوری طرح اندازہ ہوتا ہے کہ کربلا کے اس مظلوم نے کس طرح عالم کے قلوب کو مسخر کر لیا ہے دنیا میں وہ کون سی جگہ ہے جہاں حسینؑ کے نام لیوا نہیں خصوصاً ایشیا میں ہر قوم کو واقعۂ کربلا کا علم ہے۔اور حسینؑ کو بے گناہ مقتول ظلم تصور کیا جاتا ہے۔ ہندوستان کے ہندو غم سید الشہداء میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ یہ سب کچھ ان کی مظلوم کربلا سے عقیدت مندی ہے شاید کوئی یہ کہہ دے کہ چونکہ ہندوستان پر سیکڑوں سال تک مسلمانوں کی حکومت قائم رہی اس لیے وہاں کے ہنود نے کسی دباؤ اور اثر کے پیش نظر اس مظلوم کے ماتم میں حصہ لینا شروع کر دیا حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اگر کوئی جبر ہوتا تو صرف عزائے حسینؑ میں ہی حصہ نہ لیتے بلکہ ان پر اسلام کا اصلی رنگ چڑھ جاتا اور ایک بہت بڑی تعداد مسلمان ہو جاتی حقیقت یہ ہے کہ یہ سب کچھ جناب امام حسینؑ کی مظلومیت ہے جس نے نہ صرف اپنوں بلکہ غیروں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کر لیا ہے۔

غیر مسلموں کی واقعہ کربلا سے عقیدت

علامہ ذوالفقار علی جعفری

شری متی سروجنی نائیڈو

سروجنی چٹوپادھیائے (Sarojini Chattopadhyay) جو بعد میں سروجنی نائیڈو کے نام سے مشہور ہوئیں، کلن (Kulin) برہمنوں کے بنگالی خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ان کے والد اگرناتھ چٹوپادھیائے (Agarnath Chattopadhyay) نے انیڈنبرگ یونیورسٹی سے سائنس میں ڈگری لینے کے بعد ریاست حیدرآباد میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی، جہاں انہوں نے حیدرآباد کالج قائم کیا اور اس کے منتظم بھی رہے۔یہی کالج آگے چل کر ''نظام کالج'' کہلایا۔

اسی دور میں سروجنی نائیڈو انڈین نیشنل کانگریس میں بھی متحرک رہیں۔1925ء میں وہ کانگریس کی صدر منتخب ہوئیں۔تحریکِ آزادی ہند کے دوران پانچ مرتبہ جیل بھی گئیں۔آل انڈیا مسلم لیگ کے ساتھ ہمہ وقت مشکل تعلقات میں کبھی کبھی نائیڈو کو اس بات پر بھی مامور کیا گیا کہ وہ تنازعات کے مشکل وقت میں حالات کو معمول پر لائیں۔ وہ ہمیشہ بانئ پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح کی دوست رہیں۔ 1947ء میں پاکستان کی آزادی کے بعد وہ اتر پردیش (یوپی) کی پہلی گورنر مقرر ہوئیں۔ ریاست کے دارالخلافہ لکھنؤ میں مارچ 1949ء کو ان کا انتقال ہوا۔

سید علی اکبر رضوی نے اپنی کتاب میں سروجنی نائیڈو کی ایک نظم پیش کی ہے۔اسی کے ساتھ مولانا علی لکھنوی کا منظوم اردو ترجمہ بھی دیا ہے۔موصوف محترم کے شکریہ کے ساتھ پیش قارئین ہے:

شری متی سروجنی نائیڈو

مجھے فخر ہے ان لاکھوں انسانوں میں میرا نام بھی شامل ہے جو حضرت امام حسین علیہ السلام کے عظیم کارنامے کی یاد نہایت ادب واحترام سے پوری دنیا میں منا رہے ہیں۔

کربلا کا المیہ تیرہ سو سال گزرنے کے بعد بھی اسی طرح تازہ ہے اور اتنا ہی دل گداز ہے جتنا اس دن تھا جب اسلام کے عظیم ترین رہنما کو شہید کر دیا گیا تھا۔

دیوان بہادر کرشن لال جھاویری، سابق چیف جسٹس بمبئی

اگر عظیم شہیدوں کی قربانیاں سامنے نہ ہوتیں تو دنیا اعلیٰ اخلاق، مذہب اور سچائی سے خالی ہو جاتی۔ احسانِ عظیم ہے دنیا پر ان شہیدوں کا جنہوں نے ذلت کی زندگی پر عزت کی موت کو ترجیح دی۔ حضرت امام حسینؑ نے انسانیت کی خدمت میں اپنی جان کی قربانی دی ہے۔

ہمیں ان کی یاد عملاً بھی منانا چاہیے۔ ان کی قربانی کی قدر کرنے کے ساتھ ان کے نقش قدم پر بھی چلنا چاہیے۔ یہی شہیدِ اعظم کی یاد منانے کا صحیح طریقہ ہوسکتا ہے۔

پنڈت جواہر لال نہرو

حضرت امام حسینؑ کی قربانی اور جرأت کے کارناموں نے گزشتہ تیرہ صدیوں میں بے شمار انسانوں پر بڑے دوررس اثرات ڈالے ہیں۔ ان کارناموں کی یاد منانے میں شمولیت میرے لیے باعث سعادت ہے۔

شہید کربلا

غیر مسلم دانشوران عالم کی نظر میں

از ادارۂ ترتیب

(۱) ایڈوڈ گبن (مصنف تاریخ زوال روح)

بعید ترین زمانوں اور بعید ترین اقلیموں میں بھی حسینؑ کی موت کے اندوہ ناک مناظر ٹھنڈی سے ٹھنڈی طبیعت کے آدمی بھی ہمدردی کے جذبات پیدا کیے بغیر رہ سکتے۔

(۲) پروفیسر براؤن (مصنف تاریخ ادبیات ایران)

حسینؑ کا قتل مدینہ کی تاراجی اور مکہ کا محاصرہ ان تین تاریخی چیرہ دستیوں میں پہلی چیرہ دستی ایسی تھی کہ جس نے تمام دنیا کو لرزہ براندام کر دیا اور ایک شخص بھی جس کے سینے میں جذبات تھے اس دردناک کہانی کو سن کر بے چین ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

(۳) کارلائل (مصنف ہیروورشب)

بہادرانہ کارنامے محض ایک قوم یا ملک کے تک محدود نہیں رہتے بلکہ تمام انسانی برادری کی میراث ہوتے ہیں اور ان کی وجہ سے آنے والی نسلوں میں شجاعت و استقامت باقی رہتا ہے۔ اس لحاظ سے واقعہ شہادت حسینؑ پر جس درجہ غور وفکر کیا جائے گا۔ اسی قدر اس کے اعلیٰ اور عمیق مطالب روشن ہوئے ہیں۔

مطالم بے رحمیاں اور ناانصافی جس حد تک واقعہ کربلا میں ہوئیں ان کا عشر عشیر بھی کسی اور معرکہ میں نہیں ہوا خدا پر یقین کامل اور قومی غیرت حمیت اور شرافت و بہادری کا جو سبق ہمیں تاریخ کربلا سے ملتا ہے وہ کسی اور تاریخ سے نہیں ملتا۔ اور ایک نتیجہ یہ بھی نکلتا ہے کہ جب دنیا میں مصیبت اور غضب بہت ہو جاتا ہے تو خدائی قانون قربانی مانگتا ہے جس کے بعد راہیں صاف ہو جاتی ہیں۔

(٤) فریڈرک جے گولڈ

اگر میں نوجوانان ایشیا، افریقہ، اسٹریلیا مشرقی وسطی، امریکہ اور یورپ کو عراق کے میدان میں جمع کر سکوں اور اگر حسینؑ اور عباسؑ کے روضوں کے روبرو کربلا میں کھڑا ہو سکوں اور اگر میں زبان اور لب ولہجہ

سب لوگ سمجھ سکیں تو میں حسینؑ کی زندگی اور موت کے اندرونی اور روحانی پیغام کے متعلق گزارش کرونگا حسینؑ انسانیت کاملہ کا بہتر نمونہ تھے جبکہ وہ ریگستان میں دریاؤں میں نفرت اور بے رحمی کی تاریک گھاٹیوں میں جس طرح وہ ہمدردیوں کی دعوت دے تھے ان کی عملی زندگی میرے نزدیک ایسی ضرب المثل ہے جو عالمگیر معنی رکھتی ہے۔

(۵) جیمس کارکرن (مصنف تاریخ چین)

کس کے قلم کو قدرت ہے کہ امام حسین کا حال لکھے کس کی زبان میں یہ لطافت ہے یہ بلاغت ہے کہ ان بہتر ۷۲ بزرگواروں کی ثابت قدمی شجاعت وقربانی کی مدح کر سکے۔ جب حسین اور بہتر تنوں کو آٹھ قسم کے دشمنوں نے تنگ کیا تھا اور اس پر بھی ان کے قدم نہ ہٹا پائے جنہوں نے ایسے معرکہ میں ہزاروں کافروں اور انتہائی مصیبتوں کا مقابلہ کیا ہوا ان پر بہادری کا خاتمہ ہو چکا ہے۔

(٦) ایڈورڈ۔اے۔فری مین

مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی پس وپیش نہیں ہے کہ تاریخ میں سب سے زیادہ موثر واقعہ کربلا ہوا ہے۔

(۷) پرسی سائیکس (مصنف تاریخ پرشیا)

ماہ محرم ۶۱ ہجری کی دسویں کو حسینؑ کی مختصر جماعت مرتے دم تک جنگ کرانے پر آمادہ ہوگئی ان کی بہادری کے مقابلہ میں ہمیں آئندہ کے بہادر نظر میں نہیں سماتے۔

(۸) آرتھر این وسٹن (مصنف ھاف آوردہ محمد)

تاریخ عرب علی جیسا بہادر پیدا نہ کر سکی لیکن ان کے چھوٹے بیٹے حسین نے عاشورہ محرم کے دن بہا دری کے وہ جوہر دکھائے کہ ان کی بہادری کئی اعتبار سے علی کی بہادری سے بڑھ گئی۔ دنیا کا کوئی بہادر ایسی بے سرسامانی غم والم کے ہجوم اور بھوک پیاس کی انتہائی تکلیف میں ایک کثیر فوج سے عرب کی ریگستانی دھوپ کی گرمی میں نہیں لڑا اور نہ کوئی لڑ سکتا ہے جس طرح حسین لڑے یہ بات علاوہ بہادری اور قوت کے حسین کی کمال روحانیت کو ظاہر کرتی ہے کہ حسین اپنے مذہب اور مقصد کی سچائی پر کسی قدر مضبوط ارادے کے حامل تھے حسین میں وہ اعلیٰ جوہر وکمالات تھے جو عام انسان میں نہیں پائے جاتے اس لیے حسینؑ کی ذات خود ایک معجزہ ہے۔

(۹)ڈاکٹرایچ ڈبلیوپی مورینو

اس دردناک واقعہ نے دسویں محرم ۶۱ ھ کورونما ہوا بنی امیہ کی طاقت کوفنا کر دیا اور حسین کے نظریہ کی شان کو قائم کر دیا جس نسے ہمیشہ کے لیے خونخواری حرض وطمع کو مٹا دیا اور اسلام کو ساری دنیا میں قابل قبول بنا دیا۔

(۱۱)والٹرفرنچ

کربلا والے حسین کے علاوہ تاریخ میں ایسی کوئی ہستی دیکھے میں نہیں آئی جس نے بنی نوع انسان پر ایسے مافوق الفطرت اثرات چھوڑے ہوں۔

(۱۱)واشنگٹن اردنگ(مصنف تاریخ پرشیا)

امام حسین نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اگر میں نے بیعت کر لی تو یقینا سارا عالم میرے ساتھ یزید کی بیعت کر لے گا۔ چنانچہ انہوں نے بڑی ایمانداری اور بڑی جواں مردی سے تمام مصیبتوں کے مقابلہ میں (بیعت سے) صاف انکار کر دیا۔

(۱۲)جان یونگ(شاعرانگلستان)

انہوں نے چارسواشعار پر مشتمل امام حسینؑ کا دردناک مرثیہ بزبان انگریزی تصنیف کیا اور کربلا کا خونی منظر دکھلا کر امام حسینؑ کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ حسینؑ دیندار جری خدا پرست خلیق اور بے مثال بہادر تھے حسینؑ سلطنت کے لیے نہیں لڑے بلکہ خدا پرستی کے جوش میں۔

(۱۳)ریورنڈ فادر پیلا شس (ایس جے پی ایچ ڈی ڈی سابق پرنسپل سینٹ ایکسورس، بمبئی)

امام حسینؑ کی قربانی تاریخ کا ایک عظیم الشان واقعہ ہے جس نے صداقت کو کذب پر فتح حاصل کرنے میں مدد پہنچائی

(۱٤)کے۔ایل۔رلیسارام(ھندوستانی عیسائیوں کے عظیم رھنما)

اس شخص کی زندگی پر میں کیا لکھوں روئے زمین پر حق وصداقت کا علم بلند کرنے والا پہلا فرد ہے۔ امام حسینؑ کی شہادت کا واقعہ کسی ایک قوم سے متعلق نہیں۔امام حسینؑ اس وقت اپنی بلند سیرت کا اظہار فرما کر آنے والی قوموں کے سامنے اثبات واستقلال صبر وسکون اور حق پسندی کا ایک کامل نمونہ رکھ کر گئے

ہیں تا کہ ان کی قربانی کو مدنظر رکھ کر قاتلوں اور جفا کاروں کے سامنے سر تسلیم خم نہ کریں۔

کربلا کے میدان میں امام حسینؑ کی سیرت کے وہ وہ جوہر کھلے ہیں جن پر غور کر کے انسان انگشت بدنداں رہ جاتا ہے اس بیسویں صدی میں جب کہ دنیا انسانیت اور صداقت سے کوسوں دور ہٹ گئی ہے آپ کی بلند سیرت لوگوں کے لیے مشعل ہدایت کا کام دے سکتی ہے۔ امام حسینؑ نے چونکہ حق وصداقت کے ایک عام اصولوں کے لیے جان دی اس لیے ہر قوم و مذہب کے لوگ آپ کی مظلومیت اور فدا کاری پر آنسو بہاتے ہیں۔ امام حسینؑ کے اصول کی ہمہ گیری ایک ایسا واقعہ جس پر تمام قوموں کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے۔

(۱۵) دستور کیخسرو مہار کیتھور (پیشوائے اعظم پارسی)

اگر شہدائے اعظم کی قربانیاں نہ ہوتیں تو دنیا اخلاق مذہب اور صداقت سے نا آشنا رہتی۔ دنیا ان شہداء کی ممنون ہے جنہوں نے موت کو ذلت پر ترجیح دی امام حسینؑ ان شہدا میں ممتاز ہیں۔ جنہوں نے انسانیت کی خدمت کے لیے جان دی۔ ہم کو ان کی یاد عمل سے منانا چاہئے اور ان کی قربانیوں سے سبق لینا چاہئے۔

۱۶۔ سر بہرام جی جیجی بھائی

امام حسینؑ نے اپنی بے نظیر قربانی اور ایثار سے دنیائے انسانیت پر زبردست احسان کیا ہے۔

۱۷۔ رابندر ناتھ ٹیگور

حسینؑ نے کیا سکھایا۔ یہ مادی دنیا جس میں ہم رہتے ہیں۔ اس وقت اپنا توازن کھو دیتی ہے جب اس کا رشتہ محبت کی دنیا سے ختم ہو جاتا ہے ایسی جان میں ہمیں انسانیت ارزاں اور فرومایہ چیزوں کی قیمت اپنی روح سے ادا کرنا پڑتی ہے۔ یہ صرف اسی وقت ہوسکتا ہے جب مادیت کی مقید کر لینے والی دیواریں حیات کی آخری منزل ہونے کا یقین دلاتی ہیں جب یہ ہوتا ہے تو بڑے بڑے تنازعے حاسدانہ فتنے اور مظالم اپنے لیے جگہ اور موقع تلاش کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں چونکہ وہ محدود ہیں ہمیں اس خر ابی کی دلگداز خبر ملتی ہے اور ہم ناقص صداقت کے محدود دائرے ہی کے اندر توازن قائم رکھنے کی ہر ممکن کو شش کرتے ہیں اس میں ہی ناکامیابیاں ہوتی ہیں اس موقع پر صرف وہ ہماری مدد کرتا ہے جو اپنی حیات مستعار سے یہ ثابت کر دکھاتا ہے کہ ہم روح بھی رکھتے ہیں وہ روح جس کا مسکن محبت کی بادشاہت میں ہے اور پھر جب ہم روحانی آزادی حاصل کر لیتے ہیں تو مادی ایثار کی مصنوعی قیمتوں کا زور ہماری نگاہوں

میں ختم ہو جاتا ہے۔

۱۸۔بلبل ہند مسٹر سروجنی نائیڈو (سابق گورنر۔یوپی)

حضرت امام حسین نے آج سے تیرہ سو سال قبل دنیا کے سامنے جو پیغام اور اصول پیش کیا تھا وہ اتنا بے نظر اور مکمل تھا کہ آج بھی ہم اس کی یادگار مناتے ہیں میرے پاس ایسے کوئی الفاظ نہیں ہیں اور نہ ہی دنیا کی کوئی ایسی فصیح و بلیغ زبان ہے جس کے ذریعہ میں ان جذبات عقیدت کو بیان کر سکوں جو اس شہید اعظم کے لیے میرے دل میں ہیں۔حضرت امام حسین صرف مسلمانوں کے لیے نہیں بلکہ رب العالمین کے سارے بندوں کے لیے میں مسلمانوں کو مبارکباد دیتی ہیں کہ ان میں ایسا بلند انسان گزرا ہے جسے دنیا کی ہر قوم یکساں طریقے سے مانتی ہے اوران کی عزت کرتی تاریخ انسانیت میں بہت کم ایسے نام ہیں جو اتنے گراں بہا ہوں جیسا کہ حسین کا نام ہے اور بہت کم کہانیات اتنی دلآویز ہیں جتنا کہ کربلا کا املیہ اس شاندار معرکہ میں یہ غیر فانی قوت موجود ہے کہ وہ عالم کو متحرک کر دے اور دوسروں کو بصیرت دے۔

۱۹۔مہاتما گاندھی

میں نے کربلا کی المناک داستان اس وقت پڑھی جب کہ میں نو جوان ہی تھا اس نے مجھ کو دم بخو د اور مسحور کر دیا میں نے کربلا کے ہیرو کی زندگی کا بغور مطالعہ کیا تو مجھے یقین ہو گیا کہ ہندوستان کی نجات حسینی اصول پر عمل کرنے ہو سکتی ہے۔

۲۰۔سوامی شنکراچاریہ

میں نے حسین سے بڑھ کوئی شہید نہ دیکھا۔اور حسین کی شہادت کے اثر سے زیادہ کسی شہید کی قربا نی کا اثر نہیں ہوا۔

۲۱۔ڈاکٹر رجندر پرشاد (صدر جمہوریہ بھارت)

کربلا کا واقعہ شہادت انسانی تاریخ کا وہ واقعہ ہے جسے کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا اور جو دنیا کے کروڑوں مردوں اور عورتوں کی زندگی پر اثر رہے گا ہندوستان میں اس واقعہ کی یادگا بڑی سنجیدگی سے منائی جاتی ہے اور جس میں نہ صرف مسلمان حصہ لیتے ہیں بلکہ غیر مسلم اقرار بھی مساویانہ دلچسپی کا اظہار کر تے ہیں۔

۲۲۔پنڈت جواہر لال نہرو۔(وزیر اعظم بھارت)

کسی کارنمایاں کی۔عظمت کا صحیح اندازہ ایسے کرنا چاہے کہ دوسروں پر اس کا کتنا اثر مرتب ہوتا ہے کس قدر وہ انہیں ابھار رہا ہے کس قدر انہیں طاقتور بنا رہا ہے اور کتنی شرافت وتہذیب ان میں پیدا کر رہا ہے۔ یہ حقیقت کہ لاتعداد نسلیں کربلا کی اس قربانی اور عظیم سانحہ سے زبردست طریقہ پر اثر پذیر ہوتی آئی ہیں یہ خود اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ قربانی کس قدر لازوال قیمت رکھتی ہے۔

۲۳۔ڈاکٹرسررادھاکرشٹن(سابق چانسلربنارس ہندویونیورسٹی)

امام حسینؑ نے اپنی قربانیوں اور ایثار سے دینا پر یہ ثابت کر دیا کہ دینا میں حق وصداقت کو زندہ پائندہ رکھنے کے لیے ہتھاروں اور فوجوں کے بجائے جانوں کی قربانی پیش کر کے کامیابی حاصل ہوسکتی ہے۔امام حسینؑ نے ہمیں بتادیا ہے کہ حق صداقت کے لیے اپنا سب کچھ قربان کیا جاسکتا ہے۔

۲۴۔مہاراجہ ھلکرآف اندور

امام حسینؑ نے وحشیانہ طاقت کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی جان کی بازی لگا کر وہ عظیم الشان قربانی دکھائی جس نے حق وانصاف کو دنیا میں قایم کر دیا۔

۲۵۔مہاراجہ جیواجی سندھیا آف گوالیار

رسول اسلام کے پیارے نواسے حضرت امام حسینؑ نے ظالم کے مقابلہ کا پختہ ارادہ کر لیا تھا وہ یزیدیت کے سامنے سر جھکائے پر تیار نہ تھے ان میں عقیدہ اور ضمیر کی پختگی تھی اعلیٰ ترین مقاصد اور بلند ترین نصب العین ان کے سامنے تھے اس لیے انہوں نے ایک بڑی طاقتور فوج کا دندان شکن مقابلہ کیا تاریخ اسلام کا یہ یادگار واقعہ عقائد کے اختلاف اور نسل ورنگ ومذہب کے تنگ نظریات سے بالاتر ہے اور اس قابل ہے کہ انسانی نسل اس کو اپنے دلوں میں جاگزیں کرنے اور قربانی کی پرواہ کیے بغیر ادائے فرض کی اہمیت کو سمجھ لے۔

۲۶۔مہاراجہ سرکرشن پرشاد(سابق وزیراعظم حیدرآباددکن)

نہ فقط دنیائے اسلام بلکہ آغاز تا انجام کوئی مثال دنیا میں واقعہ روح فرسائے ارض نینوا کے مثال ڈھونڈنے سے بھی نہ ملے گی یہ واقعہ اپنی نوعیت اور اہمیت کے لحاظ سے اپنی مثال خود ہی ہوسکتا ہے واقعہ کربلا ہی ایک ایسا واقعہ ہے جس کے جزیات پر نظر ڈالنے سے انسان کو تہذیب واخلاق کا پورا پورا میدان ہاتھ آجاتا ہے مظلوم حسینؑ نے جس استقلال اور مضبوط ارادہ کے ساتھ دنیا میں حق وصداقت کا

علم گاڑا وہ اس کی ذات سے ہوسکتا تھا جس کو خدا نے ایسا بہادر دل دیا تھا۔

۲۷۔بی۔جی۔کھیر (سابق وزیر اعلیٰ صوبہ بمبئی)

امام حسینؑ نے ہمیں جو سبق سکھایا ہے وہ ہماری زندگی میں چراغ کا کام دیتا ہے اور امام حسینؑ صرف مسلمانوں ہی کے نہیں بلکہ ہندوں کے بھی ہیں اور ہندو مسلمان ان کے نقش قدم پر چل کر ظلم وستم کے خلاف سینہ سپر ہوسکتے ہیں۔

۲۸۔ڈاکٹر رادھا مکد مکرجی (صدر تاریخ لکھنؤیونیورسٹی)

تن، من، دھن کے قربان کر دینے یا مذہبی کتابوں سے اصل مذہب حاصل نہیں ہوتا بلکہ انسانوں کے عمل میں مذہب کی روح نمایاں ہونے میں ہوتا ہے۔اصل مذہب روحانیت ہے امام حسینؑ نے روحانیت کو اس طرح قایم کر دیا کہ وہ ہمیشہ آفتاب کی طرح درخشاں وتاباں رہے گی۔

۲۹۔سی ایس رنگا آئر

اگر حسینؑ کو حکومت ملتی تو ان کی حکومت زمین پر آسمانی حکومت ہوتی تاہم مرنے کے بعد بھی وہ ایسی حکومت کر رہے ہیں ہیں جو کوئی فانی حکمران نہیں کر سکتا وہ لا زوال تخت وتاج کے مالک ہیں وہ ہمارے غیر فانی بادشاہ ہیں اور انہوں نے فطرت انسانی کو غیر محدود وسعت عطا کی ہے۔

۳۰۔پنڈت گوبند ولبھ پنتھ (وزیر داخلہ ھند)

امام حسینؑ کی ذات اس محیط ظلمت اور تاریکی میں ایک منارہ نور کی حیثیت رکھتی ہے ان کی شہادت انسانیت کو درس بصیرت دیتی رہے گی۔

۳۱۔گوپال کرشن گوکھلے

اگر حسینؑ اپنی شہادت سے اسلام کے اصولوں کو از سر نو زندہ نہ کرتے تو اسلام بالکل مٹ جاتا اور اگر اسلام کا وجود رہتا بھی تو بے اصول اور بدترین مذہب کی حیثیت سے جس کے اندر بڑی آزادی سے وہ سب برائیاں پھیل جاتیں جس کا رواج یزید اور اس زمانہ کے عام مسلمانوں کی روزمرہ زندگی کا شعار ہو گیا تھا۔

۳۲۔ویاس دیو مصرا (بیرسٹر ایٹ لائنی دھلی)

ہم جتنا نپولین، سکندر اعظم اور مہاتما بدھ کے واقعات کو دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں اتنا ہی کینہ

حسد، بغض، تعصب کشت وخون اور آفت و بغاوت کے آثا نمایاں ہوتے ہیں کیونکہ ان میں سے ہر ایک پیشوا یا اوتار محض اپنے گروہ اور مذہب کے لیے آیا تھا اور ان کی تعلیم ایک خاص علاقہ اور محدود دور کے لیے تھی مگر حسینؑ کی قربانی اور حسین کا راستہ ان سے مختلف ہے وہ کسی خاص ملک وقوم کے لیے نہیں بلکہ ہر قوم ہر ملک اور ہر زمانے کے لیے ہیں حسینؑ کے آئین زندگی ایسے محکم ہیں اور وہ اعتقاد کو اس قدر مضبوط کر دیتے ہیں کہ جو زمانے میں تغیر وتبدل سے متاثر نہیں ہوتے۔

۳۳۔ پریم چند (مشہور ادیب)

معرکہ کربلا دینا کی تاریخ میں پہلی آواز ہے اور شاید آخری بھی جو مظلوموں کی حمایت میں بلند ہوئی اور جس کی صدا آج تک فضائے عالم میں گونج رہی ہے۔

۳٤۔ سردار کرتار سنگھ (عظیم سکھ رہنما)

محمد صاحب نے جو انسانیت کے لیے بہترین اصول پیش کیے تھے حسینؑ نے اپنی قربانی اور شہادت سے انہیں زندہ کر دیا ان پر ہدایت کی مہر لگا دی۔ حسینؑ کا اصول اٹل ہے انہوں نے جس قلعہ کو تعمیر کیا ہے اسے کوئی گرا نہیں سکتا حسینؑ زمانے کی سیاسی باتوں کے نبض شناس تھے کربلا کی جنگ میں حسینؑ نے جو تین حربے استعمال کیے وہ انصاف، پریم اور قربانی ہیں، شہادت حسینؑ نے انسانیت کو درجہ کمال پر پہنچا دیا۔ حسینؑ انصاف پریم اور قربانی کا دیوتا ہے۔

۳۵۔ ڈاکٹر سنہا (ایڈیٹر ہندوستان ریویو)

اسمیں اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ دنیا کے شہیدوں میں امام حسینؑ کو ایک ممتاز اور مرتفع حیثیت حاصل ہے بعض مغربی مورخین نے حضرت کی شہادت کا یہ نظریہ قبول نہیں یہ ان حضرات کا غلط زاویہ نگاہ ہے۔ لیکن اگر وہ حسینؑ کی زندگی کے چند آخری ایام کے واقعات کا ہی مطالعہ کریں تو ان کو شبہ نہ رہے گا کی ان کی زندگی سرتا پا مقدس تھی۔ انہوں نے رضائے الٰہی پر خود کو بھی قربان کر دیا اور کمال صبر و تحمل اور بے انتہا شجاعت کے ساتھ یوم عاشورہ کو غیر محدود مظالم وشقاوت اور مصائب کے برداشت کر نے میں ان کو انتہائی کے درجہ پر کامیاب بنا دیا تھا۔

۳۴۔ پروفیسر رگھوپتی سہائے فراق گورکھپوری

حسینؑ کا نام اس دنیا کے کروڑوں انسانوں کے لیے آب حیات ہے اس نام نے میری آنکھیں ہمیشہ اشک آلود کردی ہیں۔ حسینؑ کی بلند اور پاکیزہ سیرت محسوس کیے جانے کی چیز ہے۔ ایسے الفاظ کا پانا آسان نہیں جو ان کے کردار کی عظمت کے مکمل مظہر ہوں یوں تو ان کی سیرت روحانیت کی سب زیادہ تابناک روشنی میں کربلا کے اندر چمک دکھاتی ہے لیکن جو لوگ حسینؑ کی زندگی سے کربلا میں شہادت واقع ہونے سے پہلے سے واقف ہیں۔ ان کے لیے اس زندگی کی بے داغ اور استوار پاکیزگی اس کی بشریت اس کا خلوص اور وقار کی عجیب اور سخت امتحان کے مقابلہ کی طاقت یہ باتیں اتنی نمایاں ہیں کہ بلا لحاظ مذہب وملت ہر فرد سے بخوشی خراج عقیدت حاصل کرتی ہیں۔ ایسے ہیرو روز نہیں پیدا ہوا کرتے ان کا نام اور ان کا کام ان کی زندگی اور موت کے واقعات ان نسلوں کی روحیں بیدار کریں گے جو ابھی پیدا نہیں ہوئیں۔

دھرم کا جیون کار

مہارشی کے چرنوں پر چلنے والا کربل راجا

حکیم سید محمود گیلانی

ہمارے یہاں بھی نظم ونثر میں بزرگان دین کی شان میں مدحتیں منقبتیں اور نعتیں کثرت سے لکھی جاتی ہیں، شہدائے اسلام کے پر مصائب واقعات کا تاثر لے کر مرثیہ نگاری اور نوحہ گری بھی عمل میں لائی جاتی ہے مگر ہمارے شعرا اور قلم کار حضرات کا اسلوب نگارش اور انداز سخن عموماً کچھ اس قسم کا ہے کہ اس میں کسی بزرگ کے کردار اور مقصد کردار کو کھل کر واضح نہیں کیا جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کوئی بھی قاری سمجھ نہیں پاتا ہے کہ جس کی تعریف وتوصیف میں زمین وآسمان کے قلابے ملائے جارہے ہیں۔ اس نے کونسا کام سرانجام دیا ہے اور جس جذبہ میں اس نے اتنی عظیم قربانیاں دیں اور اس قدر ایثار کاری کا مظاہر کیا ہے وہ کیا جذبہ اور کیا مقصد تھا؟

اس کے برعکس جب ہم غیر مسلم لکھنے والوں کی تحریریں پڑھتے ہیں تو معلوم ہوتے دیر نہیں لگتی کہ انہوں نے جب بھی کسی کی ستائش میں قلم اٹھایا ہے اس کی تحمید وتکریم کے ساتھ اس کے کردار وسیرت اور اس کے مقصد کو بھی صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے جس سے پڑھنے والا تذبذب میں پڑنے کے بجائے نہایت آسانی سے معرفت حاصل کر لیتا ہے۔

چنانچہ تمام ادیان و مذاہب عالم کے حاملین ومتبعین نے اسی طریق سے اپنے اپنے رہنمایان مذہب کی مدح سرائی کی ہے اور ان کے قدیم نوشتوں اور مقدس مذہبی کتابوں میں جہاں جہاں بھی جس جس صورت میں حضور رسالت مآب محمد مصطفیٰ صلعم اور حضور کے آل اطہار کا ذکر خیر آیا ہے۔ وہاں ایک طرف ان کے سراپا (حُلئے) اور رسمی وواجبی مداحی ثبت کی گئی ہے اور دوسری طرف ان کے سیرت اور کردار کو مجملاً یا مفصلاً بیان کر دیا ہے مثلاً مجوسیوں (آتش پرستوں) کی دینی کتب اوستا اور پاژند کو پڑھا جائے اہل ہنود کے چاروں دیدوں اور چھیوں شاستروں کا مطالعہ کیا جائے۔ عیسائیوں کی بائبل اور یہو

یہودیوں کی توارت پر نگاہ ڈالی جائے۔ سکھوں کے گرنتھ اور جنم ساکھی کو زیر نظر لایا جائے تو یہ راز کھلے گا کہ ان کتابوں اور قدیم نوشتوں میں جناب فخر انبیاء اور سید الشہداء امام عالی مقام حسینؑ سے متعلق جب بھی اور جہاں بھی تعریف کی گئی ہے تو اس کے ساتھ حضور کے بے مثال کردار اور بے عدیل ایثار اور مقصد شہادت کو بھی اجاگر کیا ہے ان الفاظ میں کیا ہے:

''محمد کا شہزادہ اپنے پاک خون سے آبیاری کر کے خدا کے دین کی کھیتی کی پرورش کرے گا۔

''ایلی'' (علیؑ) کا بیٹا ریت کے میدان میں بری طرح چھیدا جائے گا پر وہ ظالم کی اطاعت قبول نہیں کرے گا۔''

''برّہ (حسین) کو ظلم کی چھری سے ذبح کیا جائے گا مگر وہ اپنے مذہب پر آنچ نہ آنے دے گا۔''

''اوہ! بھوک اور پیاس کیا چیز ہے وہ ہر بڑی سے بڑی مصیبت کو خوشی سے جھیل لے گا اور اپنے خدا کو خوش کر کے بلند ترین مقام حاصل کر لے گا۔''

''خدا نے اس کو اپنی حکومت اور اپنی املاک کی حفاظت کے لیے چن لیا۔ اس بے سہارے کی گردن تو کٹ جائے گی، مگر خدا کی حکومت اور املاک ابدالآباد تک اس کی حفاظت میں قیامت تک باقی رہے گی۔''

''جس طرح اس کی نسل کبھی نہ مٹے گی اسی طرح اس کا نام اور کام اور قربانی بھی ہمیشہ زندہ رہے گی۔

ماضی اور حال کے غیر مسلم اہل قلم نے بھی اپنے دینی رہنماؤں اور مذہبی کتابوں کی تتبع میں سرکار سید الشہداء علیہ السلام کی شان میں جو قصیدہ خوانی اور مرثیہ گوئی کی ہے اس میں بھی حضور کی سیرت و کردار اور مقصد فداکاری کا پورا لحاظ رکھا اور آپ کی لاجواب قربانی کی غایت کو کھل کر بیان کیا ہے۔

گذشتہ سال ۲۳ رجنوری ۱۹۷۵ کو یوم شہادت یعنی عاشورہ محرم منایا گیا۔ اس روز بمبئی (بھارت) ریڈیو کے اردو پروگرام میں پنڈت بھرتری و چاریہ کے۔ او ایل نے اپنی تقریر نشر کرتے ہوئے کہا:

''آج مسلمان بھائی اپنے امام شری حسینؑ جی کی شہادت کا دن منا رہے ہیں کہا جاتا ہے کہ آج دسویں محرم کے دن شری حسینؑ جی نے اپنا اور اپنے عزیزوں اور ساتھیوں کا خون دیکر مذہب اسلام کو ہمیشہ کی زندگی بخشی اور اسی لیے حسینؑ جی کو ''دھرم جیون کار'' کہتے ہیں۔ یعنی دین اسلام کو زندگی دینے والا یہ ٹھیک ہے کہ مسلمان بھائی اپنے اس امام کو یہی سمجھتے ہیں کہ اس نے بڑی بے نظر قربانی دے کر

اسلام کو دوبارہ زندہ کیا۔مگر میں تو ہندو ہو کر سمجھنے پر مجبور ہوں کہ حسینؑ جی نے اپنی جان اور اپنا لہو دے کر صرف اسلام کو ہی زندہ نہیں کیا۔ بلکہ اس نے قربانی پیش کر کے سارے دھرموں سارے مذہبوں پر بڑا احسان کیا ہے۔اس نے انسانیت کو زندہ کیا ہے اس نے بہمیت اور وحشت کو مٹی میں ملا دیا ہے۔حسینؑ نے دراصل اپنے پوتر نانا مہارشی محمد کے چرنوں پر چل کر کربل کا راجا بن کر تپتی ہوئی ریت کو سورگ کا روپ دیا ہے اور اسلیے مہاتما گاندھی جی اور پنڈت نہرو جی ان کی بڑی پرشنتا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ اگر بھارت کو سکھ اور عزت سے ہمیشہ قایم رہنا ہے تو اسے چاہئے کہ حسینؑ کے پاؤں پر پاؤں رکھے اور جس وِدِیا کو وہ چھوڑ گئے ہیں اس کو اپنا کر ایسا دستور اور آئین تیار کرے جو حسینی تعلیم کو اجاگر کرے کاش کہ ہم بھارت نو اسی سمجھ سکیں کہ حسینؑ کون تھا اس نے کیوں اپنا خون دیا اور کس مقصد سے مصیبتیں جھیل کر قربان ہوا۔''

(آ کاش بانی بمبئی ۲۳؍جنوری ۱۹۷۵)

حسینؑ علیہ السلام کو ''دھرم کا جیون کار'' ''یا محی الدین والہ کئی غیر مسلموں نے کہا ہے۔ایک ہندو شاعر لالہ آتمارام نے بھگوان حسینؑ'' کے زیر عنوان ایک طویل نظم لکھی ہے جس کے چند اشعار ہیں:

نبی علیؑ ہیں جگ کے راجے
ان کا راج کمار یہی ہے
سب کچھ اپنا بھینٹ کیا ہے
دھرم کا جیون کار یہی ہے
مال اور بال کئے ہیں قرباں
بڑھ چڑھ کر جی دار یہی ہے
ایشور کی تلوار علیؑ ہے
لیکن اس کی دھار یہی ہے
دھرم کی نیا ڈوب چلی تھی
اس کا کھیون ہار یہی ہے
ہر جاجئے جئے کار ہے اس کی
آتما کا سر دار یہی ہے

اس یہ چمکتا ہوا ثبوت ملا کہ شاہ شہیداں کا کردار ہی واقعہ کربلا کی جان ہے۔ نواسہ رسولؐ نے اپنی فقید المثال قربانی سے یہ ثابت کر دیا کہ جب تک کوئی مسلمان کلمہ گوئے رسولؐ راہ خدا میں اپنا سب کچھ قربان نہ کر دے اللہ کے دین۔ اللہ کی کتاب۔ اللہ کے آئین۔ اللہ کے گھر کو دشمنوں سے بچایا نہیں جا سکتا۔ اس کو دائمی محفوظ رکھنے کا طریقہ صرف یہ ہے کہ رضائے الٰہی کو اختیار کر کے ہمارا خالق و مالک جو کچھ ہم سے طلب کرتا ہے حسینؑ علیہ السلام کی طرح وہی کچھ اس کی درگاہ میں پیش کیا جائے۔

بے شک حسینؑ، عزیزان حسینؑ اور رفقائے حسینؑ اور رفقائے حسینؑ کے مصائب تو اب اس قدر المناک ہیں کہ ان سے متاثر ہو کر ہر دردمند دل رونے چلانے اور آہین بھرنے پر مجبور ہو جاتا ہے مگر حسینؑ اس کے ساتھ یہ بھی چاہتے ہیں کہ ان کی سیرت و کردار کو اپنایا جائے ان کی پاکیزہ زندگی کے ایک ایک مقدس عمل کو حرز جان بنایا جائے ان کے نقش قدم پر اپنے قدم رکھے جائیں ان کی تعلیمات پر خود چلا اور دوسروں کو چلایا جائے اور مقصد حسینؑ کو خصوصیت سے سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی جائے خدانخواستہ اگر یہ نہیں تو ہمارے تمام ثانوی اعمال واطوار محض ظاہری اور رسمی ہیں جن کا حضور کی سیرت اور حضور کے کردار سے چنداں تعلق نہیں۔

معاف کیا جائے کہ آج ہمارے یہ حالت ہے کہ اغیار اگر ہم سے پوچھیں کہ حسین کو کیوں روتے اور کیوں پیٹتے ہو تو ہم صرف اور صرف یہی کہہ سکتے ہیں حسینؑ چونکہ کربلا میں شہید ہو گئے تھے اس لیے ہم ان کو روتے اور پیٹتے ہیں اور اگر ہم سے یہ سوال کیا جائے کہ وہ کیوں شہید ہوئے تھے اور شہادت پانے کا مقصد کیا تھا؟ تو یقین مانئے کہ ہم میں سے اکثر لوگ اس کا جواب نہ دے سکیں گے اور صرف یہی سمجھیں گے کہ ایام محرم میں سیاہ لباس پہن لینا سینہ کوبی کر لینا اور چار آنسو بہا لینا ہی حسینؑ کو خوش کرنے کے لیے کافی ہے۔ حالانکہ یہ بدیہی بات ہے کہ جس دین وملت کے راہ نماؤں کا سیرت و کردار زندہ نہیں تعلیمات زندہ نہیں وہ دین اور وہ ملت ضعیف ہے۔ سیرت و کردار اور تعلیمات کی زندگی اور ابدی زندگی کا راز اسی میں ہے کہ ان پر عمل کر کے ان کو زندہ رکھا جائے یہی حسینیت کی روح ہے۔ دیگر اہل مذاہب نے بھی اپنی پینترے بدل لئے ہیں پہلے وہ لوگوں کو اپنی مذہبی کتابوں کی چند عبارتیں پڑھ کر سنایا کرتے تھے۔ اب وہ اپنے بزرگوں کی سوانح اور کردار بیان کرنے پر زور دیتے ہیں عیسائی مبلغین تو اب انجیل سنانے کے بجائے اپنے اخلاقی اطوار اور ہمدردی مخلوق کے ذریعہ تبلیغ کرتے ہیں ہمیں بھی سیرت حسینؑ پر چل کر

اخلاقی قدروں کو اجاگر کرنا چاہئے اور اس سے ہدایت اور کامیابی حاصل کرنا چاہئے ۔اسلام سے بڑھ کر اخلاق وتہذیب سکھانے والا کوئی بھی مذہب نہیں حق تعالیٰ سب برادران اسلام کو حسین کے سیرت وکردار پر چلنے اور اس کی وساطت سے دین خدا کی حفاظت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وما علینا الا البلاغ۔

ھندوئوں کے ویدوں میں

شھید کربلا کا ذکر

رڈّراچاریہ یعنی امام گریہ

مولانا السید امداد حسین صاحب الکاظمی الشہدی بی، اے۔ مولوی فاضل گجرات

ہندوؤں کی میتھالوجی (MYTHOLOGY) میں چار دید مانے گئے ہیں۔ یعنی:

۱۔ لوگ وید

۲۔ یجروید

۳۔ سام وید

۴۔ اتھروو ید

یہ چاروں وید براہمہ کے الہامی صحیفے کہلاتے ہیں۔ چوتھے صحیفہ اتھر وید میں ایک رڈّراچاریہ کا ذکر ملتا ہے جو بقول ہنود انت کال میں براہمہ کا رہدیش کرے گا۔ لفظ رڈّر کے معنی اردو زبان میں ''رولانے والا'' ہیں۔ دیکھو ہندوؤں کی معتبر اور متبرک کتاب ستیارتھ پرکاش صفحہ ۱۲۔ ۲۲) اچاریہ کے معنی ہیں۔ نیک کاموں کی تلقین کرنے والا۔ تمام علوم میں ماہر، پیشوا یا امام۔ پس رڈّراچاریہ کے معنی ''رلانے والا امامؑ ہوتے۔ ہندوؤں کے عقیدہ کے مطابق یہ لقب سرکار شہید کربلا ارض نینوا روحی وارواح المومنین علیہ الفداء حضرت امام حسینؑ علیہ الف الف التحیۃ والثناء کا ہے براہمہ سے مراد جناب حضرت ابراہام یا ابراہیم ہے۔ اس وقت دنیا کی سب سے مشہور قومیں، عیسائی، یہودی اور مسلمان ہیں۔ یہ تینوں اقوام حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا نبی، امام اور پیشوا مانتی ہیں۔ پارسیوں کا عقیدہ ہے کہ جس وجود ذیجود نے خانہ کعبہ کی بنیاد رکھی، وہ ان کا وحشور اول یعنی پہلا پیغمبر تھا۔ اور یہ شجرۃ الانبیاء حضرت ابراہیمؑ ہی تھے۔ جیسا کہ قرآن مجید ہے کہ ''اذ ایرفع ابراہیم البیت۔۔۔۔۔۔۔۔۔ الخ'' کہ حضرت ابراہیمؑ

نے کعبہ کی بنیاد رکھی۔علیہ السلام۔

ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ ''براہمہ'' ان کا ایک بہت بڑا رشی تھا، اس کے منہ سے نکلے ہوئے کلام کو وہ وید کہتے ہیں۔بعضوں کا خیال ہے کہ ہندوؤں کا براہمہ وہی ہے جسے توریت میں ابراہام اور قرآن مجید میں ''ابراہیم'' کہا گیا ہے۔صحف ابراہیمی جن کا سراغ قرآن مجید سے ملتا ہے۔اس شکل میں توریت، زبور اور انجیل سے نہیں۔وید چونکہ اپنی اصل شکل میں نہیں رہے۔اس لئے بہت ممکن ہے کہ ترجمہ در ترجمہ ہو کر ویدوں کی منسوخ اور مسخ شدہ شکل میں وہی صحیفے موجود ہوں۔واللہ اعلم۔

ملک عرب ہمیشہ سے مرکز توجہ عالم رہا ہے۔چنانچہ تاریخ ہنود سے ثابت ہے کہ ان تیرتھوں کے علاوہ جو ملک ہندوستان میں ہیں۔ایک تیرتھ سمندر پار بھی تھا جس کی زیارت اور یاترہ کے لئے لوگ جوق در جوق جایا کرتے تھے۔اس زمانہ میں یا تو یہ زمین آبادی کے قابل نہ تھی۔یا عزت واحترام کی وجہ سے اس مقام پر عبادت کے سوا بستی بسا کر رہنا اور مشاغل دنیوی میں مصروف رہنا ممنوع ہوگا۔لفظ ''یاترا'' زیارت ہی کی بگڑی ہوئی صورت ہے ارض یا ارتھ سے ملک عرب مراد ہے۔ارتھ وہی ہے جسے انگریزی زبان میں (EARTH) لکھتے ہیں جب ''ارض'' کو ''الارض'' لکھا گیا تو اس سے عرب کا ایک مخصوص خطہ مراد ہوا۔جس کی زیارت کی جاتی ہے۔اور عرب میں وہ خط زمین کربلا ہی ہے جہاں سال بھر زیارت کرنے والوں کا تانتا بندھا رہتا ہے۔

''تیرتھ'' تیری اور ارتھ سے مرکب ہے۔جس کے معنی ہیں گھر والی زمین۔جس میں کسی مقدس وجود کا مقام ہو۔جیسا کہ لفظ ''استری'' میں بھی یہی لفظ موجود ہے جو مرکب ہے۔'' اس اور تیری'' سے۔جس کے معنی ہیں وہ زمین جس میں نور ضیا پاش ہوتا ہو۔

نیز حرف ''د'' اور عربی ''ض'' تقریباً ہم مخرج ہیں۔کیوں کہ ''ض'' کا تلفظ صرف حجازی زبان ہی ادا کر سکتی ہے۔دوسری زبان اس کو د۔ز۔دھ۔تھ اور ث کی صورت میں ادا کرتی ہے۔اندریں صورت ''دم وضم'' ایک ہی ہوں گے ''ضم'' کے معنی ملاپ اور وصل ہوتے ہیں۔''عو''۔''اوس'' ''است'' ۔''ایش'' اور ''یا'' ''یو'' روشنی کو کہتے ہیں۔پس ''عو''۔''او''۔است'' خود کو ظاہر کرتے ہیں۔اور اس سے وہ وجود ذی جود مراد ہے۔جو شہید ہو کر اور نظروں سے غائب اور مخفی رہ کر دنیا میں ضیاء پاش ہوا۔

اے غرب کی زمین کربلا! تجھ پہ لاکھوں سلام۔

بہرحال رڈّ راچاریہ سے حضرت ابراہیمؑ کے حضرت اسماعیل کو شہید کرنے کے ارادے کا اشارہ ملتا ہے جو بچائے گئے اور یہ شہادت ''ذبح عظیم'' قرار پا کر حضرت امام حسین علیہ السلام کی طرف منتقل ہوگئی۔ چنانچہ اسی رڈّ راچاریہ (رلانے والے امام) کا امام ذکر کرتے ہوئے قرآن مجید کہتا ہے۔'' وفدینا بذبح عظیم، وترکنا ہ علیہ فی الآخرین۔ پ ۲۳۔ والصّٰفّت۔ ع ۳) ہم نے اسے (حضرت اسماعیلؑ کو) ایک بڑی قربانی پر فدیہ کر دیا۔ اور اس (ذبح عظیم یعنی شہادت رڈّ راچاریہ یا امام حسینؑ) کو آخری زمانہ کے لئے چھوڑ دیا۔

اور حضرت امام حسینؑ خود فرماتے ہیں۔ انا قتیل العبرۃ۔ میں کشتۂ گریہ ہوں۔ پس رڈّ راچاریہ یعنی رونے والے امام سے مراد امام حسینؑ ہی ہو سکتے ہیں جن کی شہادت پر کائنات کا ذرہ ذرہ رویا۔ اور آپ کا لقب ''قتیل العبرۃ'' ہوگیا۔

آگرہ تیرہ سوسالہ یادگار حسین علیہ السلام ۱۳۶۱ھ کے اجلاس میں تین ہندو مشاہیر اکبر آباد کی تقاریر کا اقتباس

جناب پنڈت راج ناتھ کنزرو

رئیس آگرہ و سابق ممبر ڈیفنس کونسل انڈیا

جناب صدر و مولانا حسن نظامی صاحب اور معزز حاضرین! قبل اس کے کہ میں آپ لوگوں کے سامنے کچھ عرض کروں میں صاف طور سے کہنا چاہتا ہوں آج میں نہ معلوم کس وجہ سے مرعوب سا معلوم ہوتا ہوں آج مسلمانوں کے بڑے بڑے علماء موجود ہیں۔ جن لوگوں کو ان واقعات پر پورا عبور ہے۔ ان میں مولانا حسن نظامی صاحب بھی موجود ہیں۔ میں نے جو کچھ دیکھا ہے وہ تاریخی لحاظ سے دیکھا ہے۔ مجھے خوف ہے کہ کہاں لغزش ہو جاوے اور کہاں میں پکڑا جاؤں۔ گذارش یہ ہے کہ اگر فی الواقع لغزش ہو تو آپ براہِ کرم یہ سمجھ کر کہ میں غیر مسلم ہوں مجھے معاف فرمائیں گے۔ یہ سانحہ معمولی بات نہیں ہے۔ جتنا کربلا کے واقعہ کو میں نے پڑھا ہے یا جتنا میں نے مطالعہ کیا ہے، میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ جو احساسات مجھ پر پیدا ہوئے ہیں اور میرے ذہن میں پیدا ہوئے ہیں وہ آپ لوگوں سے قطعی جداگانہ نہیں ہیں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس دنیا میں ایسا دردناک و جگر خراش واقعہ شاید ہی دوسرا ہوا ہو۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس واقعہ کے اندر اتنی شقاوت بھری ہوئی ہے کہ مجھے تو کوئی ایسا واقعہ ذہن میں اس وقت نہیں آتا جس میں دنیا کی اتنی برائیاں کسی شخص نے جمع کر دی ہوں جیسے کہ اس واقعہ میں ہوئیں ہیں۔

واقعہ کو میں تفصیل سے عرض نہیں کروں گا مگر ایک بات اس کے متعلق عرض کرنا ضروری معلوم ہوتی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے کہ اگر حسین علیہ السلام شاید مسلمان نہ ہوتے اور نبی کے نواسے نہ ہوتے تو شاید ان کے اوپر یہ مصیبت کبھی نہیں آتی۔ ان کی مصیبت کا باعث یہ تھا کہ نبی کے نواسہ تھے اور جو مذہب انہوں نے جاری کیا تھا اس کے فدائی تھے۔ فدائی کے لئے دنیا میں اور دوسری چیز ہی کیا ہے۔ بجز اس کے کہ فدا ہو جائے اور فنا ہو جائے۔ حضرت امام حسینؑ جس چیز کے شیدا تھے اور فدائی تھے۔ اس پر فدا ہو گئے اور فنا ہو گئے۔ ملاحظہ فرمایئے بعض مورخین کا یہ خیال کہ آخر امام حسینؑ کے پاس آدمی نہیں تھے تو لڑنے کو کیوں پہنچ گئے۔ انہوں نے صلح کیوں نہیں کر لی۔ میں مسلمانوں کے جواب سے واقف نہیں ہوں۔ غیر مسلم کی حیثیت سے میں جس نتیجہ پر پہنچا ہوں اس کو عرض کرتا ہوں۔ میری ناچیز رائے میں حضرت حسینؑ کی ایسی ہستی نہ تھی یا حضرت امام حسینؑ کوئی ایسے معمولی آدمی نہ تھے کہ وہ دنیاوی لحاظ سے ایک بڑے اصول کو نظر انداز کر کے صلح کر لیتے۔ ملاحظہ فرمایئے ابھی مجھ سے پیشتر جو صاحب تقریر فرما رہے تھے۔ (مولانا حسن مجتبٰی صاحب کانپوری) انہوں نے اس زمانہ کے فسق و فجور کی تصویر کھینچی ہے۔ حضرت امام حسینؑ نے اس کو پیش نظر رکھا۔ تھوڑی دیر کے لئے یہ خیال چھوڑ دیجئے کہ حضرت امام حسینؑ نبی کے نواسے تھے اور ان کے پیش نظر ایک مذہب تھا۔ اس کو ذہن سے نکال دیجئے مگر اتنا اپنے ذہن میں خیال رکھیے کہ آزادی اور حریت اور خودداری اور دانائی کے لحاظ سے کیا ایسا کوئی شخص یزید جیسے آدمی سے جس کے قول و فعل کا قطعی کسی طور سے اعتبار نہیں ہوسکتا، کیا دنیاوی لحاظ سے بھی عہد و پیمان کر سکتا تھا۔ اگر عہد و پیمان نہ لیتے تو جیسا کہ مقرر مشایق صاحب نے ابھی بتایا، حضرت امام حسینؑ کے منصب کے خلاف ہوتا۔

دیکھئے کہ حضرت امام حسنؑ نے معاویہ سے صلح کر لی تھی۔ مصلحتاً یہ بات تھی کہ جو کچھ مصیبت ہے معاویہ کی عمر تک ہے۔ خیال تھا کہ معاویہ کے بعد پھر شاید معاملات درست ہو جائیں گے اور راہِ راست پر آجائیں گے۔ کیوں لاکھوں بندۂ خدا کا خون کیا جائے۔ میں آپ سے دریافت کرتا ہوں کیا اس میں کامیابی ہوئی اگر کامیابی ہوتی تو کربلا کا منظر کیوں آپ کے سامنے آتا۔ اس صلح نامہ کا کیا نتیجہ ہوا کہ جو خاص بات اس میں تھی اس کی پابندی نہیں کی گئی اور یزید کو تخت پر بٹھایا گیا۔ اور یزید کو تخت پر بٹھلانے

کے بعد مطالبہ کیا جاتا ہے اور کس سے۔ وہ حضرت امام حسینؑ سے کہ دست بیعت دو۔ اور کون طلب کرتا ہے ایک فاسق وفاجر یزید جیسا۔ کیا یہ ممکن تھا؟ میں آپ لوگوں سے پوچھتا ہوں۔ مسلمان تو جواب دیں گے۔ میں جانتا ہوں۔ لیکن کیا کوئی گیر مسلم بھی کہہ سکتا ہے کہ ایسی حالت میں حضرت حسین علیہ السلام کبھی اس کو نظر انداز کر سکتے تھے کہ عہد نامہ کا نتیجہ کیا ہوا۔ کیا ان کے واسطے کوئی دوسری شکل تھی بجز اس کے کہ جو انہوں نے کیا۔ دنیاوی آدمی دنیا کے لحاظ سے چاہے جو کرتا مگر حضرت حسینؑ یہ نہیں کر سکتے تھے۔ آج حسین نے محض مصلحت سے ہی یہ مطالبہ قبول کر لیا ہوتا تو اسلام کا کوئی ذکر آج دنیا میں قطعی باقی نہیں رہ جاتا۔ اور اگر اسلام کے نام سے کوئی چیز باقی رہ جاتی تو وہ کوئی اور چیز ہوتی۔ بہر حال یہ اسلام جو آپ کے نبی کا مذہب ہے وہ قطعی نہیں ہوتا۔ اگر بیعت ہوجاتی جس کا ذکر ابھی مولانا نے کیا تو اسلام کبھی نہیں رہتا۔ لڑائی کا ارادہ کبھی حضرت حسینؑ نے نہیں کیا۔ کوئی شخص یا حضرت امام حسینؑ ۷۱ آدمی لے کر یا ۱۱۰ آدمی لے کر ۳۵ ہزار فوج کا مقابلہ کرتے۔ ہرگز نہیں۔ ان بیچاروں نے کیا کیا۔ پہلے آ کر بیت الحرام میں پناہ لی۔ وہاں بھی دشمن پہنچ گئے۔ کربلا گئے وہاں بھی پناہ نہ ملی۔ حضرت نے پھر کہا کہ میں عرب کو چھوڑ دوں، جہاں کہو چلا جاؤں۔ اجازت عطا نہیں کی۔ یہ ضرور ہے کہ سپہ سالار عمر سعد تھا مگر ابن زیاد خون کا پیاسا تھا۔ اس کی ضد تھی کہ یا تو سر دو یا دستِ بیعت دو۔ یہ غیر ممکن تھا اپ نے سر دے دیا اور کہا کہ بیعت کے لئے یہ ہاتھ ہرگز نہ بڑھے گا۔ فاتح و مفتوح دنیا میں ہوئے ہیں۔ اس لڑائی میں یزید فاتح تھا۔ اس کو اس کی بڑی خوشی تھی کہ میرا مطلب حاصل ہو گیا۔ میں آپ سے دریافت کرتا ہوں کہ آج کوئی متنفس ہے جو یزید کی حمایت میں کسی قسم کی آواز نکالنے کو فخر سمجھتا ہو۔ اگر خدانخواستہ کوئی یزید کی نسل سے بچا بھی ہو اور اگر آپ اس سے دریافت فرمادیں گے تو صاف انکار کر دے گا۔ حضرت حسینؑ مفتوح تھے اور مقتول تھے بے حرمتی ہوئی۔ بے عزتی ہوئی، تمام بربادی ہوئی۔ اولاد کے گلے اپنے سامنے کٹوائے۔ اپنا خون دیا۔ لیکن اگر زندہ ہیں تو آج حضرت حسینؑ ہیں اور مردہ ہے تو یزید۔ غرض حضرت امام حسینؑ درحقیقت زندہ ہیں۔ اس لئے کہ وہ ایک اسپرٹ پیدا کر گئے ہیں۔ وہ ایک محبت اور کیفیت پیدا کر گئے ہیں۔ وہ ایک نظیر پیدا کر گئے۔ جو ہر قوم و مذہب کے لئے قابل فخر ہو سکتی ہے۔ جس قوم اور

جس دین میں اس قسم کی خوبیاں ہوں وہ دنیا میں بہت کام کر سکتا ہے۔ دنیا اسی کا نام لیا کرتی ہے۔ ملاحظہ کیجئے کہ حضرت حسینؑ نے کیا کیا۔ اگر آپ دیکھیں تو حضرت حسینؑ میں بڑی بات یہ تھی۔ حضرت حسینؑ میں اور یزید میں کتنی باتوں کا مقابلہ تھا۔

۱۔ ایک طرف صداقت تھی اور ایک طرف کذب۔

۲۔ شرافت کا مقابلہ ذات سے تھا۔

۳۔ حسن کا مقابلہ ذم سے تھا۔

۴۔ یعنی اللہ کی خدمت کا مقابلہ خودغرضی سے۔ غرض یہ ہے کہ حسینؑ زندہ تھے قوم کے لئے اور امت کے لئے۔ اور یزید زندہ تھا اپنی ذات کے لئے۔ اور کیا مقابلہ تھا۔

یعنی محبت اور سعادت کا مقابلہ ظلم اور تعدی سے۔ پر یہ بھی سوچئے کہ وہ اپنے عزیزوں کا اور پیاروں کا امتحان کرتا ہے۔ اور جب اپنے اور اپنے پیارے امتحان میں پورے ہو جاتے ہیں تو غیر بھی عزیز اور پیارے ہو جاتے ہیں۔ اس لئے حسینؑ اپنے امتحان میں پورے اترے۔ انہوں نے میری دانست میں تین باتوں کے لئے خاص طور سے مثال چھوڑی ہے جس کے اوپر مسلمانوں کو تو کیا میں سمجھتا ہوں اور ہر سمجھدار آدمی کو غور کرنے کی ضرورت ہے۔ یعنی ایک تو یہ کہ وہ شخص حاکم جس کی زندگی جس کو انگریزی میں (Purity) کہتے ہیں۔ یعنی یہ کہ تمام آلائش سے ہر قسم کی آلائش ہو یا مالی آلائش ہو، کوئی آلائش بھی ہو آدمی کو کمزور کر دیتی ہے۔ ان سب باتوں سے آدمی پاک اور مبرّا ہو اور اس کو اپنے معبود پر پورا یقین ہو اور وہ کامل آدمی ہو۔ دوسرے کسی کے ساتھ کسی قسم کی بے انصافی یا زیادتی ہو تو ہمت سے اس کا مقابلہ کرے اور اس کو دور کرنے کی کوشش کرے۔ جس کو پروردگار نے یہ خوبی عطا کی ہے۔ اگر کسی قسم کی بے انصافی اس کے ساتھ ہو تو خدا پر بھروسہ کر کے اس کا بھروسہ ہمت سے کرے کہ حق ہمارے ساتھ ہے۔ کامیابی ہماری ہے۔ تیسری بات جو دنیا میں کی ہے وہ یہ ہے (بریوڈیکریشن آف فیتھ) یعنی یہ کہ جو عقیدہ ہے اسکو دبایا چھپایا نہ جائے۔ ہر وقت ہمت سے اور وضاحت سے ان کو بیان کر دیا جائے بلکہ اعلان کر دیا جائے۔ اصول اور عقیدہ کو کسی مصلحت سے یا کسی وجہ سے دبانا یا چھپانا کسی حالت میں

کبھی جائز نہیں ہوسکتا۔ ان سب باتوں کو پیش نظر رکھ کر لڑائی میں دیکھے کہ انہوں نے اس کی پابندی کتنی کی۔ حضرت امام حسینؑ نے کبھی یہ مناسب نہیں سمجھا، لوگ محض ان کے کہنے سے محض ان کے اعتماد کے اوپر اس لڑائی میں شریک ہوجاویں۔ انہوں نے ہر شخص کو ضمیر کی آزادی دی۔ یہ تاریخی واقعہ ہے کہ انہوں نے اپنے ساتھیوں سے صاف طور پر یہ کہہ دیا تھا کہ صورت حال یہ ہے۔ جو لوگ ہمارے ساتھ سر بیچنا چاہتے ہیں وہ ہمارے ساتھ آئیں اور جو بیچنا نہیں چاہتے وہ آزاد ہیں۔ اور وہ یہاں سے تشریف لے جائیں، بلحاظ خیالات وضمیر ہر طرح حضرت حسینؑ کو پسند فرماتے تھے۔ میں عرض کرتا چاہتا ہوں کہ ان تمام واقعات کو دیکھنے کے بعد اس میں کوئی شک نہیں رہ سکتا کہ یزید نے اپنی شقاوت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور یہ اس وقت تو ضرور زندہ رہا۔ مگر اب اس کا کوئی بھی نہیں رہا۔ اور ادھر حسینؑ نے اپنی زندگی کو انسانوں کے واسطے بے نظیر مثال قائم کردی ہے۔ اب ۱۳۰۰ برس ہوچکے ہیں۔ تیرہ ہزار یا تیرہ لاکھ تو حضرت حسینؑ کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔ اور ہر شخص ان کو تعظیم وتکریم سے یاد کرتا رہے گا۔

جناب شنکر لال جندل ایم اے

پروفیسر ٹریننگ کالج آگرہ

جناب صدر اور دیگر حضرات! قبل اس کے کہ میں اپنی تقریر شروع کروں میں آپ لوگوں کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں کہ آپ نے مجھے یہ موقع دیا کہ اس وقت میں اپنے خیالات کا اظہار اس کربلا کے واقعہ کے متعلق کرسکوں، جس کے متعلق جو سنتا ہے اس کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتا ہے۔ تاریخ میں کوئی ایسا حادثہ نظر نہیں آتا جو اس سے زیادہ دردناک اور خطرناک ہو۔ بچپن کے چھ سال کی یادداشت آئندہ زندگی میں قائم نہیں رہ سکتی۔ اس کے بعد ۲۶ رسال ہر سال محرم کو دیکھتے ہوگئے، لیکن میں واقعی نہیں جانتا تھا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ شیعہ حضرات امام حسینؑ کا ماتم کرتے ہیں۔ لیکن اصل واقعات مجھے نہیں معلوم تھے۔ کیونکہ مجھے اس سلسلہ میں کچھ کتابوں کا مطالعہ کرنا پڑا تو مجھے پتہ چلا کہ شیعہ کیوں ایسا کرتے ہیں۔

حضرت محمدؐ صاحب نے جیسا کہ مجھے علم ہے، صرف ۲۳ رسال کام کیا۔ تیئیس سال کی محنت

کے بعد ایک بڑی وحشی قوم کو ایک بڑی جماعت میں باندھ دیا انگریزی تواریخ لکھنے والوں نے بھی اس بات کو بڑی سنہری حرفوں میں بیان کیا ہے۔ ان کے سامنے جو وحشی پنا تھا وہ دب گیا۔ لیکن ان کی وفات کے بعد ان لوگوں کی خواہشات شراب کا پینا، جوے کا کھیلنا، ظلم کرنا وغیرہ وغیرہ ہوتے رہے۔ ان کی لڑکی حضرت فاطمہ اور ان کے داماد حضرت علیؑ اور لڑکے امام حسنؑ اور امام حسینؑ تھے جو ان کے نواسے ہوتے ہیں۔ حضرت علیؑ محمد کے سچے پیروکار تھے۔ محمدؐ کی وفات پر لوگ خلافت کے جھگڑے میں لگے ہوئے تھے لیکن حضرت علیؑ ان کو چھوڑ کر کہیں نہ گئے۔ لوگوں نے کہا خلافت کا مسئلہ طے ہو رہا ہے۔ انہوں نے کہا میرا فرض ہے کہ پہلے میں حضرت محمد کی لاش کو دفن کروں۔ انہوں نے دنیوی فائدہ کو اپنے فرض کے سامنے ٹھکرا دیا۔ گو کہ وہ خلافت کے حقدار تھے۔ مگر انہوں نے اس کی پرواہ نہیں کی۔ اس طرح تین خلیفہ، ابوبکر، عمر، عثمان اس کے بعد ان کا چوتھا نمبر آیا۔ اس پر بھی انہوں نے ہی شرط نہ مانی کی خلیفوں کی سیرت کے مطابق چلیں گے۔ خلافت منظور کی۔ پھر بھی انہوں نے یہ شرط منظور نہیں کی۔ چونکہ عثمان نے بڑے بڑے عہدوں کو اپنے آدمیوں کو دے دیا تھا۔ اس وجہ سے لوگوں نے ان کو مروا ڈالا۔ میں معافی چاہتا ہوں۔ میں نے یہ سب حالات ہسٹری سے لئے ہیں۔ خیر یہ آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ معاویہ پر خلافت پہنچ گئی۔ جب وہ خلیفہ بنے تھے انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ میں اپنے بعد حضرت علیؑ کے بڑے لڑکے حضرت حسنؑ کو خلیفہ بناؤں گا۔ لیکن مرنے سے پہلے اپنے لڑکے یزید کو خلیفہ بنا دیا۔ گو حسنؑ مر چکے تھے، لیکن ان کے چھوٹے بھائی حضرت حسینؑ اس کے مستحق تھے۔ یزید کو سب سے زیادہ ڈر حضرت حسینؑ کا تھا۔ حسینؑ اچھے چال چلن والے، فیاض اور بہادر تھے۔ اتنے بہادر تھے کہ ان کا ثانی تمام عرب میں نہیں تھا۔ لیکن پالیٹکس کی چالوں کو نہیں جانتے تھے۔ اور ان کو برا سمجھتے تھے۔ یزید ان کے بالکل برعکس تھا۔ اس نے اپنے والد معاویہ سے ڈپلومیسی میں تعلیم پائی تھی اور اس کے خاندان والے اس ڈپلومیسی میں ماہر تھے۔ دو مذہب کو اپنا مطلب حاصل کرنے کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ وہ بہت چالباز تھے۔ خدا پرست حسینؑ کو قتل کرنے کے لئے یزید جال تیار کرتا تھا۔ اس نے مدینہ کے گورنر کو لکھا کہ حسینؑ سے میرے نام پر بیعت کی قسم لو۔ حسینؑ نے صاف صاف انکار کر دیا۔ اس پر انہوں نے راتوں رات سفر کیا

اور مکہ پہنچے وہ حج کی جگہ ہے۔ وہاں کوئی کسی کو مار نہیں سکتا۔ کوفہ والوں کے بارہ سو خطوط حسینؑ کے پاس آئے کہ ہم آپ کی بیعت قبول کرنے کو تیار ہیں۔ بے حد اصرار کیا۔ مگر حسینؑ نے جو سلطنت کے واسطے خون بہانا نہیں چاہتے تھے کچھ جواب نہیں دیا۔ آخر کار کوفہ والوں نے ایک بہت زوردار خط لکھا کہ اگر آپ نہیں آئیں گے تو قیامت کے دن ہم رحمۃ اللعالمین کے دربار میں دعویٰ کریں گے کہ ہم پر ظلم ہوتا دیکھ کر خاموش بیٹھے رہے۔ اور فریاد کریں گے۔ خدا پرست اور رحم دل حسینؑ نے یہ خطوط پڑھے اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اور فوراً خط لکھا کہ میں جلد آؤں گا اور یہ اپنے چچیرے بھائی مسلم کے ذریعہ سے بھیجا۔ اسی دوران میں یزید نے رحم دل صوبہ دار کو ہٹا کر ایک سخت اور ظالم گورنر کو حاکم کوفہ بنا دیا۔ اس نے اعلان کیا کہ جو حسینؑ کو خلیفہ مانے گا اس کو سولی دی جائے گی۔ اور جو یزید کو مانے گا اس پر مہربانی ہوگی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں پر اثر ہوا اور مسلم کو چھوڑ دیا۔ وہ اکیلے تین سو بہادروں سے لڑے اور پکڑے گئے۔ مسلم کو حاکم کے یہاں لے گئے جس نے مسلم کو قتل کر دیا۔ مسلم حسینؑ کو بلانے کا پیغام بھیج چکے تھے۔ حضرت حسینؑ مکہ سے ۱۴۴ آدمیوں کے ساتھ جس میں بچے وغیرہ شامل تھے روانہ ہو گئے۔ راستہ میں مسلم کے قتل کی خبر ملی۔ اب واپس جانا مناسب نہیں سمجھا۔ آگے بڑھے تو دیکھا کہ ایک لشکر جس کا سردار حر ہے، چلا آرہا ہے۔ ان سب کو امام حسینؑ نے پانی پلایا۔ حر سے پوچھا کہ کیوں آیا ہے۔ کہا کہ آپ کو پکڑنے۔ تو امام حسینؑ نے کوفہ والوں کے خط دکھائے کہ مجھے بلایا ہے۔ حر نے کہا کہ میں واپس نہیں جانے دوں گا۔ حر ایک رحم دل اور سمجھدار آدمی تھا۔ اس کو حضرت حسینؑ نبی کے نواسے سے لڑنا نہیں تھا۔ حسینؑ چاہتے تو حر کی فوج سے لڑ کر اس کو شکست دے دیتے۔ لیکن انہوں ے پہل نہیں کی۔ ۳؍تاریخ کو دریائے فرات کے کنارے سے ڈیرہ خیمہ اٹھانے کا حکم دیا۔ فوجیں جمع ہونے لگیں۔ بائیس ہزار فوجیں جمع ہوئیں۔ حضرت حسینؑ اپنے والد کی طرح سیدھی سادی زندگی بسرت کرتے تھے۔ کوئی دوسرا ہوتا تو بڑی فوج جمع کر لیتا۔ ان کے لئے بیس پچیس ہزار فوج جمع کرنا کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ لیکن انہوں نے فوج جمع کرنے کی کوشش نہیں کی۔ بلکہ جو لوگ پاس تھے ان کو چلے جانے کی صلاح دیتے تھے۔ انہوں نے یہ کبھی نہیں کہا کہ میں خلیفہ بننا چاہتا ہوں ان کی روح اس قدر اونچے درجے کی تھی

کہ وہ خلافت کے لئے لڑنا نہیں چاہتے تھے۔ ان کا مقصد پاک زندگی بسر کرنے کا تھا۔ ان کا مقصد یہ نہیں تھا کہ خرابی اور تباہی ہو۔ وہ اپنے پیروکاروں کی مصیبت نہیں دیکھ سکتے تھے۔ کوفہ جاتے ہوئے سب سے کہتے تھے کہ میں شہید ہونے جا رہا ہوں اور ایسا ہی خواب بھی دیکھا تھا۔ ان کی ضد یہ تھی کہ میں یزید کی بیعت نہیں کروں گا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ شراب خوار، زانی اور فاسق و فاجر تھا۔ ساتویں محرم کو حکم ملا حسین کے لئے پانی بند کرو۔ ایسا ظلم تواریخ میں خاص کر عرب کی سرزمین میں کبھی نہیں ہوا۔ ۸/ تاریخ کو ان کا پانی ختم ہو گیا۔ بچے پیاسے مرنے لگے۔ نویں محرم کی شام کو حکم ملا کہ جنگ شروع کر دو۔ امام حسینؑ نے اپنے بھائی کو عمر ابن سعد کے پاس بھیجا کہ رات بھر کی اجازت دو۔ سب کو جمع کر کے کہا کہ میری وجہ سے آپ کو اتنی تکلیف ہو رہی ہے۔ جو جانا چاہیں وہ چلے جائیں۔ بہت اصرار کرنے پر کچھ لوگ چلے گئے۔ جب امام حسینؑ نے جانے کا حکم دیا تو چراغ گل کر دیا کہ شرم کی وجہ سے کوئی رک نہ جائے۔ ایک بچہ چھ مہینہ کا اس رات میں ختم ہو گیا۔ ایک رات کی مہلت اس لئے لی کہ عبادت کی جائے۔ اپنی نجات کے لئے دعا کرتے رہے۔ صبح ہوئی محرم کی دسویں تاریخ وہ دن تھا جس کی تواریخ میں مثال نہیں۔ بہتر آدمی بائیس ہزار آدمیوں کے سامنے کھڑے تھے۔ ان لوگوں نے اپنے امام کے ساتھ نماز پڑھی۔ یہ لوگ کیسی ہمت والے ہیں۔ جانتے ہیں کہ تھوڑی دیر میں ختم ہو جائیں گے۔ پھر بھی پہاڑ کی طرح اٹل کھڑے ہوئے ہیں۔ کسی کی زبان پر سوائے صبر و شکر کے کوئی بات نہیں ہے۔ ان بہتّر آدمیوں میں ایک بھی ایسا نہیں تھا جو لڑنے کے قابل ہو۔ سب کے سب بھوک اور پیاس سے تڑپ رہے تھے۔ حسینؑ کی طرف ایسے مشہور اور نامی لوگ تھے جن پر عرب کو ناز تھا۔ حسینؑ کے آدمی ایک ایک کر کے شہید ہونے لگے۔ حر بھی حسینؑ کی طرف آ گیا۔ اس پر دشمنوں نے تیروں کی بوچھار کر دی۔ حر اور اس کا لڑکا شہید ہو گیا۔ حسینؑ کے جتنے ساتھی شہید ہوئے ان کی لاشوں کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے روندا گیا۔ کوئی بھی بے عزتی اور بے رحمی باقی نہ رہی جو اسلام کی تواریخ میں کبھی ہوئی ہو۔ جب حسینؑ اکیلے رہ گئے۔ پھر دودھ پیتے ہوئے بچے کو گود میں لائے اور کہا کہ اس بچہ کو پانی پلا دو۔ اس نے تو کوئی قصور نہیں کیا۔ اتنا کہنا تھا کہ تیر سے اس کا جواب دیا گیا جو بچے کے گلے میں ہو کر امام حسینؑ کے بازو تک پہنچ گیا۔ اس وقت حسینؑ

نے گڑھا کھودا اور بچے کو دفن کر دیا۔ اب حسینؑ میدان جنگ کو چلے۔ کیونکہ اب کوئی مرد نہیں بچا۔ ان کی رخصت کا کام ان کی ہمشیرہ نے کیا۔ ان کے میدان جنگ میں آتے ہی ایسی بھاگڑ پڑگئی جیسے کچھار میں شیر آ گیا۔ اتنی بہادری سے حسینؑ لڑے کہ لوگوں میں مقابلہ کی ہمت نہ ہوئی۔ جدھر ان کا گھوڑا جاتا تھا لوگ کائی کی طرح پھٹ جاتے تھے۔ بڑھتے بڑھتے دریائے فرات کے کنارے پہنچے۔ پانی پینے کو تھے کہ کسی نے کہا تم پانی پی رہے ہو۔ اور آدمی خیمے میں پہنچ گئے۔ پھر نکل آئے اور مقابلہ شروع کیا۔ شمر نے غل مچایا اور تیر برسنے لگے۔ آخر شمر ان کے سینے پر سوار ہو گیا۔ وہ منہ پر نقاب ڈالے ہوئے تھا۔ پانی مانگا تو نہیں دیا۔ نقاب اٹھا کر دیکھا تو نانا کی بات یاد آ گئی۔ کہا میرا قاتل یہی ہے۔

یہ حادثہ دسویں محرم کا ہے۔ اگر کسی آدمی کے اندر کوئی جذبہ ہے تو آنسو بہائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کئی دفعہ ان کی قبر کو اکھاڑنے کی کوشش کی گئی تاکہ قبر کا نشان نہ رہے۔ اگر زمین پر نشان نہیں رہے گا تو انسان کے دلوں پر نشان رہے گا۔ روز ایک انسان آتا ہے اور ایک جاتا ہے لیکن اپنے دل کا مقصد پورا کرنے کے لئے دوسرے قتل کرنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ لیکن خدا کی طاقت ہمیشہ رہے گی۔ زمین پر چاہے قبر نہ رہے۔ لیکن دنیا جب تک قائم ہے ان کی محبت دل میں رہے گی۔

جناب پورن چند سودؔ

ایم اے ایل ایل بی ایڈوکیٹ آگرہ

اکثر یہ دیکھا جاتا ہے کہ اکثر لوگ مشہور ہیں لیکن طاقت نہیں رکھتے۔ نہ ان میں روحانی طاقت ہے، نہ دماغی طاقت ہے، نہ جسمانی طاقت ہے۔ لیکن بہت ایسے ہیں کہ طاقت تو رکھتے ہیں لیکن شہرت نہیں رکھتے۔ پھل کی طرح شہرت بڑھاؤ کہ اس کے ساتھ ہی شہرت حاصل ہو، طاقت حاصل ہو اور مرتے وقت ایسی حالت ہو جیسے پکا ہوا پھل اپنے آپ بلا کسی تکلیف کے شاخ سے ٹوٹ جاتا ہے۔ بلا کسی احساس کے ٹوٹ جاتا ہے۔ یہ وہ چیز ہے جس کے لئے ہم کو اور آپ کو سب کوشش کرنا ہے۔ فارسی کا ایک قطعہ ہے۔

یاددارى کہ وقتِ زادنِ تو
ہمہ خنداں بدند توگریاں
آں چناں زى کہ وقتِ مردنِ تو
ہمہ گریاں بوند توخنداں

اس شعر میں بہت بڑی تعلیم دی گئی ہے۔ یہ معمولی بات ہے کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے، وہ بھوک کی وجہ سے، پچھلی زندگی کی یاد کی وجہ سے روتا ہے۔ اس کے خاندان والے خوش ہوتے ہیں کہ تعداد میں ایک اضافہ ہوا۔ لیکن اس بچہ کے سامنے تمام زندگی کا مرحلہ ہے۔ وہ اس لئے اس مشکل کو دیکھ کر روتا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ کامیاب زندگی وہ ہے کہ جب تم مرنے لگو تو تم خوش ہو کہ میں اپنی منزل کو پورا کر کے اپنے مالک کے پاس جارہا ہوں۔ لیکن تمام دنیا جو آپ سے مستفیض ہوتی رہی ہے۔ جس کو آپ کی ذات سے فائدہ پہنچا ہے، وہ افسوس کرے اور گریہ کرے کہ افسوس ایسی ہستی ہم سے جدا ہو رہی ہے۔ زندگی اور موت دو پہلو ہیں۔ ہر آدمی جانتا ہے کہ ہر ذی حیات کو مرنا ہے۔ لیکن یہ جانتے ہوئے بھی کہ مرنا ہے۔ سب مرنے سے ڈرتے ہیں۔ دنیا میں مختلف تکالیف ہیں۔ بیماری، حادثات اور دشمنوں کے حملے۔ ان سب میں کبھی تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ وہ تکلیف اس وجہ سے ہے کہ وہ موت کا باعث ہوسکتی ہے۔ اگر آپ کسی مسئلہ کو اہم بنانا چاہتے ہیں تو آپ کہتے ہیں کہ زندگی اور موت کا مسئلہ ہے لیکن اس زندگی کے خوف کو اگر کسی نے عبور کرلیا۔ اگر اس موت کے خوف کو کسی نے عبور کرلیا تو اس نے بہت اہم سوال کا جواب اپنی عملی زندگی میں دے دیا۔ اس لئے کہ لوگ کہتے ہیں کہ مرنا ضرور ہے۔ لیکن مرنے سے ڈرتے ہیں۔ کچھ لوگ اس مرنے سے نہیں ڈرتے ہیں۔ خودکشی کرتے ہیں۔ لیکن وہ لوگ وہ ہیں جو کسی جذبات کے تابع ہو کر خودکشی کرتے ہیں۔ کہیں مایوسی ہے، کہیں شدت غم ہے، لیکن ان کا مرنا قابل تحسین نہیں۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جو کسی دنیاوی فائدے کے لئے جان دیتے ہیں۔ ملک گیری وغیرہ کے لئے۔ اپنے ملک کے لئے ان کا یہ جذبہ قابل تعریف اور قابل تحسین ہے۔ پھر بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان کے مقصد میں کچھ نہ کچھ خود غرضی لگی ہوتی ہے۔ لیکن وہ لوگ جو زندگی کو ختم کرنے کے لئے تیار ہیں۔ وہ لوگ جو موت کا

مقابلہ کرنے کو تیار ہیں۔ اس لئے نہیں کہ کوئی دنیوی فائدہ ہوگا۔ اس لئے نہیں کہ کوئی مرتبہ ملے گا۔ بلکہ اس لئے کہ ایک اصول ان کے سامنے ہے۔ خدا کا حکم ان کے سامنے ہے۔ زندگی ایک طرف ہے، وہ لوگ جو خدا کے احکام کے تابع ہو کر موت کا مقابلہ کرتے ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ ان کا موت کا مقابلہ قابل تحسین اور قابل تعریف ہے۔ دنیا میں یہ وہ سچائی ہے جو ہمیشہ وقتاً فوقتاً نمودار ہوتی رہی ہے۔ دنیا میں حضرت عیسیٰ نے سولی پر چڑھنا قبول کیا۔ پہلاد نے آگ میں جلنا قبول کیا لیکن خدا کی ہستی سے انکار نہیں کیا۔ سقراط نے زہر کا پیالہ پیا لیکن اصول سے نہیں ہٹا۔ رشی دیانند نے زہر پیا لیکن اصول سے نہیں ہٹا۔ لیکن آج جس ہستی کی یاد منانے کے لئے ہم موجود ہیں، ان کے سامنے ایک طرف نہ صرف ان کی موت بلکہ ان کے انصار کی موت ان کے رشتہ داروں کی موت اور ان کے احباب کی موت، اور دوسری طرف کوئی خاص بات نہیں تھی۔ صرف اطاعت ایک فاسق و فاجر، ایک ظالم و جابر بادشاہ کی تھی۔ اگر وہ اطاعت قبول کر لیتے تو ممکن تھا کہ وہ زندہ رہتے۔ لیکن تیرہ سوسالہ یادگار منانے کے لئے ہم اور آپ جمع نہیں ہوتے۔ جبر و تشدد، ظلم و ستم کا لشکر فسق و فجور ایک طرف ہیں، مقابلہ پر کوئی طاقت نہیں۔ مقابلہ پر کوئی انسان نہیں۔ لیکن ہاں ایسی طاقت ہے جو دنیا میں بڑی سے بڑی طاقت کا مقابلہ کر سکتی ہے، وہ ہے خدائی طاقت، روحانی طاقت۔ مجھے ایک وقت یاد ہے کہ رسول خدا ہجرت کر رہے تھے راستے میں حضرت ابوبکر ایک جگہ چھپے ہوئے تھے وہ ساتھ ہو گئے کھوج لگانے والوں نے غار کے دروازہ پر پتہ لگا یا۔ ان کے پاس حضرت ابوبکر ذرا پریشان ہونے لگے۔ تو رسول خدا نے تسکین دی اور کہا تم مت گھبراؤ کہ ہم اکیلے ہیں۔ کیونکہ ہمارا خدا ہمارے ساتھ ہے۔ یہی وہ خدا کی قربت ہے جو بڑی سے بڑی مصیبت کو بڑی سے بڑی آفت کو بالکل آسان کر دیتی ہے اور جنہوں نے اس اصول کو مدنظر رکھا چاہے کسی طبقہ کے ہوں چاہے کسی مذہب و ملت کے ہوں، کسی سلطنت اور ملک کے ہوں جنہوں نے اس اصول پر عمل کیا میں سمجھتا ہوں کہ انہوں نے اپنی زندگی کو مکمل بنایا اور وہ دوسروں کے رہنما بنے (چیرز) میں یہ بھی بتانا چاہتا ہوں کہ حضرت امام حسینؑ اور دیگر ہستیوں میں طاقت کیسے آئی ہے۔ میں مختصر الفاظ میں کہوں گا کہ یہ طاقت تین طریقوں سے آتی ہے۔ پہلا طریقہ تو ہے کہ خدا کی ہستی پر اعتقاد کرے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ خدا کی ہستی پر صرف اعتقاد نہ کرے بلکہ خدا کی عبادت کرے۔ کیونکہ خدا کی عبادت سے زندگی پر اثر ہوسکتا ہے تیسرا طریقہ یہ ہے کہ صرف عبادت ہی نہ کرے بلکہ اپنے آپ کو اس قابل بنائے کہ عبادت سے مستفیض ہوسکے۔ ایک موٹی سی مثال سے میں اس کو واضح کرنا چاہتا ہوں کہ شہر میں بجلی گھر دیکھے ہیں۔ پاور ہاؤس ہوتا ہے۔ جہاں بجلی پیدا ہوتی ہے۔ پاور ہاؤس سے کسی مقام تک بجلی پہنچانے کے لئے تار لگے ہوئے ہیں۔ اگر پاور ہاؤس سے تار کے کنکشن نہیں ہے تو بجلی سے فائدہ نہیں ہوسکتا۔ لیکن اگر پاور ہاؤس سے تار بھی لگے ہیں۔ لیکن اگر فیٹنگ نہیں ہے تو آپ کے یہاں اندھیرا ہوگا لوگ پوچھتے ہیں کہ آپ کے یہاں اندھیرا کیوں ہے، تو جواب ملتا ہے فٹنگ نہیں ہے۔ میرے یہاں رروشنی سے مستفیض ہونے کا ذریعہ نہیں ہے اگر آپ چاہتے ہیں کہ پاور ہاؤس بھی سامنے ہو اس کا تار بھی آپ کے سامنے ہو اور آپ کے پاس فیٹنگ بھی ہو تو میں آپ سے درخواست کروں گا کہ نہ صرف خدا کی عبادت کرو نہ صرف خدا کی ہستی پر اعتقاد کرو بلکہ اپنی زندگی کو اس قابل بناؤ کہ اس پر عبادت اثر کرسکے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جو لوگ خدا کے منکر ہیں۔ آپ ان پر ہنستے ہیں آپ کو ضرور ہنسنا چاہیے لیکن وہ لوگ جو خدا کی ہستی کے قائل ہیں انہوں نے اپنے عمل سے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ خود مضحکہ خیز ہیں جو خدا کی ہستی کے منکر ہیں تو میرا اور آپ کا فرض ہے جو خدا کا اقرار کرنے والے ہیں کہ خدا کے وجود کو اونچا بنائیں اور خدا کی عبادت کو بلند کریں میں سمجھتا ہوں کہ رسول خدا کو لوگ امی کہتے ہیں میں نہیں مانتا کہ وہ امی تھے ممکن ہے کہ انہوں نے سینٹ جانس کالج یا آگرہ کالج میں نہ پڑھا ہو۔ لیکن رسول خدا نے اس زندگی میں نہیں تو اس زندگی میں ضرور تعلیم حاصل کی تھی۔ جس کی وجہ سے وہ ہزاروں آدمیوں پر اثر انداز ہوسکے۔ (چیرز) آج کل بھی لوگ کہتے ہیں کہ فلاں شخص بورن پوئٹ ہے۔ وہ پہلی زندگی میں شاعر تھا تو پیدائشی شاعر ہوا۔ مجھ کو ان کے امی ہونے کا یقین نہیں ہے۔ وہ اس قدر خدا کی ہستی اور وجود کے قائل تھے کہ وہ ہر ذرّہ ذرّہ میں خدا کی ہستی کو دیکھتے تھے آج بدقسمت تعلیم کی بدولت یہ حالت ہے کہ امی نہیں ایل۔ ایل۔ ڈی۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ ایم اے دنیا میں گھومتے ہیں۔ لیکن ننگی آنکھوں سے کیا۔ چشمے لگا کر دوربین اور خوردبین سے ان کی آنکھیں خدا کو نہیں دیکھتیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ حضرت رسول خداؐ اور امام

حسینؑ کی یادگار منانا ہے تو ایسے تعلیم یافتوں سے بادب کہو کہ آپ کس چکر میں ہیں، آپ کدھر ہیں آپ نے سائنس کی ترقی کی علم کی ترقی کی لیکن خدا کو بھولے ہیں۔ خدا کو بھول کر آج کیسا کہرام مچا ہوا ہے۔ مشرق اور مغرب مصیبت میں مبتلا ہیں یہ کچھ کام نہیں دے گا۔ اگر آپ کے سارے علوم کا نتیجہ یہ نہ ہو کہ آپ خدا کے وجود کو دیکھیں ایسی سائنس کو پھینکو۔ مسٹر جین کی کتاب میں میں پڑھا۔ مجھ پر بہت اثر ہوا۔ سارے عالم کو دیکھ لیا۔ تمام دنیا کو دیکھ لیا لیکن ابھی تو تصویر ہی دیکھی ہے۔ ذرّہ سے لیکر آخیر تک ٹاپ سے باٹم تک دنیا کی تصویر تھی۔ لیکن کبھی دنیا کے مصور کا بھی خیال کیا۔ اگر اس مصور کا خیال کرتے تو اس دنیا میں اس تصویر کی بھی تعریف کرتے تو عیش و آرام کے وقت میں گھمنڈ نہیں ہوتا اور وقت تکلیف میں بے چینی نہیں ہوتی۔ اگر کوئی یہ سمجھ لے کہ اس تصویر کا مصور ہے جو تصویر کا کھینچنے والا ہے اور آرائش کرنے والا ہے تو وہ خدا کا قائل ہو جاتا ہے مجھے جو بات چبھتی ہے۔ حضرت امام حسینؑ کی زندگی میں وہ خدا پرستی اور عبادت ہے۔ آخر وقت میں جب وہ تلوار ہاتھ میں لیتے ہیں۔ اس وقت وہ خدا کی یاد کو نہیں بھولتے اور اپنے فرض کی ادائیگی کو خدائی حکم کی تعمیل سمجھتے ہیں۔ یہ وہ پہلو ہے جو مجھے اور آپ کو ہر وقت یاد رکھنا چاہیے۔ میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ ایک روشن چراغ ہزاروں بجھے ہوئے چراغوں کو روشن کر سکتا ہے۔ لیکن وہ روشن چراغ انہیں چراغوں کو روشن کر سکتا ہے جن میں تیل اور بتی ہو اگر تیل اور بتی نہیں ہے تو کوئی روشن چراغ سے روشنی حاصل کر سکتا ہے میں اور آپ تیرہ سو سالہ یادگار منانے بیٹھے ہیں اس کا منانا بہت مبارک ہے۔ میں اس کی کامیابی کا خواہاں ہوں میں سچائی کا عاشق ہوں۔ مجھ کو جہاں روشنی کا جلوہ نظر آئے گا میں اس کی قدر کروں گا لیکن میں نہایت جرأت کے ساتھ یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ نور مشعل حضرت امام حسینؑ کی روشنی بنے تو ذرا تیل اور بتی کی بھی فکر کرو۔ اگر علم کا تیل اور عمل کی بتی نہیں ہے تو روشنی نہیں ہو سکتی ہے۔ روشنی تب ہو سکتی ہے۔ جب چراغوں میں تیل بھی ہو بتی بھی ہو۔ ان کے اندر منور ہونے کی طاقت ہو۔ میں جلسوں کی کامیابی تب سمجھوں گا کہ آپ اس بات کا تہیہ کریں اپنی زندگی کے چراغوں میں تیل اور بتی مہیا کریں۔ آپ علم اور عمل سے اپنے کو آراستہ کریں اس بزرگ ہستی نے آخر وقت تک اپنی عملی زندگی سے دنیا کے سامنے کامیابی کا سبق بتایا۔ اس کو ہم سامنے

رکھیں گے ایک پہلو اور ہے اس کو کہہ کر میں ختم کروں گا۔ ممکن ہے کہ وقت ختم ہو گیا ہو۔ حضرت امام حسینؑ کو کسی پہلو سے دیکھو سر برآوردہ تھے۔ مذہب کے بانی وہ تھے لیکن جو خاص بات ہے وہ یہ کہ تشدد کا مقابلہ انہوں نے کیا اور آج ہم چالیس کروڑ ہیں۔ نہیں معلوم کتنے کروڑ ہیں کبھی گنتی ٹھیک نہیں ہوئی۔ لیکن چالیس کروڑ ہوتے ہوئے اگر آپ کا علم آپ کا دماغ اس بات کی شہادت دے کہ ہم اور آپ بھی کسی ظلم اور تشدد کا شکار ہیں تو اس ظلم کا مقابلہ کرنے کے لئے ہم کو اور آپ کو مشترکہ کوشش کرنا چاہیئے جیسے اس نے کیا۔ جس کی یادگار آپ مناتے ہیں۔ ایک ظالم تشدد سے دو چار سال کامیاب رہ سکتا ہے۔ دوسروں کو کچھ دن رپریشن سے ڈرایا جا سکتا ہے۔ رپیریشن کو مٹایا جا سکتا ہے۔ سچائی کو لیکر قوم کی بہبودی کو لیکر دنیا کی بہبودی کو لیکر وہ لوگ جبر و تشدد کا مقابلہ اس غرض سے نہیں کرتے یہ نہیں کہ وہ آزاد ہوں۔ یہ نہیں کہ ملک آزاد ہو۔ بلکہ اس لئے کہ تمام دنیا کو راہ راست پر لائیں۔ اور راہ راست پر لا کر تمام دنیا کو منور بنائیں۔

تجلیات فکر
جوبلی نمبر انجمن پنجتنی
۱۳۶۱ھ

امام حسین علیہ السلام اور محرم

غیر ملکیوں کی نظر میں!

حسبِ فرمائش عم محترم غلام حسنین نقوی صاحب

جناب ایس۔ایم عابد نقوی، لندن

یوں تو ہر ملک میں بہت سی کتابیں لکھی جاچکی ہیں لیکن ہم یہاں چند خاص خاص لوگوں کے بیان درج کرتے ہیں جن کی اکثر کتابیں مجھے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔

امریکہ، فرانس، جرمنی، انگلستان کے باشندے اپنی تہذیب، اپنے روایات، اپنے عقائد، اپنے رجحانات میں بالکل مختلف ہیں لیکن اس مقدس محرم کے مہینہ سے کس قدر متاثر ہوئے ہیں۔

یہاں تک کہ جرمنی کے کچھ باشندے محرمی طرز پر حضرت عیسیٰؑ کی شبیہ نکالتے رہے۔

انگستان کے بادشاہ چارلس ایسرٹامس ہربرٹ اول کا سفیر Sir Dodifaro Cotton ایران کے بادشاہ، شاہ عباس کے عہد میں جنوری ۱۶۲۸ء میں ایران پہنچا۔ اُس کے ہمراہ Sir Thomas Herbert بھی تھا۔ اُس نے اپنا سفر نامہ پہلی مرتبہ ۱۶۳۴ء میں شایع کیا۔ ستمبر ۱۶۲۸ء میں اُس نے اصفہان کا محرم اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ وہ لکھتا ہے:

’’کچھ لوگ محرم میں ۹ دن تک ادھر اُدھر پھرتے رہتے ہیں۔ نہ سر منڈاتے ہیں نہ ڈاڑھی بنواتے ہیں نہ خوش دکھائی دیتے ہیں بلکہ برابر سینہ زنی کرتے رہتے ہیں۔ بعض لوگ اپنے کپڑے پھاڑ ڈالتے ہیں اور ایک غمگین لہجہ میں حسینؑ حسینؑ کے نعرے لگاتے رہتے ہیں میرے دل پر ان چیزوں نے اثر کیا اور ان کی دریافت شروع کی جس کا ذکر یہ لوگ محرم میں کرتے ہیں۔ واقعی کوئی ہستی ایسی ہے جس کا نام لے کر یہ لوگ اپنے آپ کو تکلیف پہنچاتے ہیں جب اس ہستی کے نام میں اتنا اثر ہے تو وہ خود کتنی باعروج اور حقیقی ہوگی جن باتوں کا میں نے پتہ چلایا وہ میرے دل پر کافی اثر انداز ہوئیں خاص کر اُن کا کردار کہ تکلیفوں میں بھی بقائے انسانیت کو برقرار رکھنے کی کوشش جاری رکھی:۔‘‘

۲۔ایڈم اولیریس

ایک سفارت کے سکریٹری کی حیثیت سے ایران گیا(Adam blearius)اورنومبر ۱۶۳۸ء میں اُس نے اپنا سفرنامہ Relation de Voyage لکھا جو ۱۶۳۹ء میں شایع ہوا۔وہ لاطینی زبان میں تھا۔ اُس کا ترجمہ فرانسیسی میں اور فرانسیسی سے انگریزی میں کیا گیا۔ یہ انگریزی ترجمہ John Davies نے کیا تھا اور اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۶۶۹ء میں شائع ہوا تھا۔

''اولئے ریس'' فارسی اور ترکی زبانیں بخوبی جانتا تھا اُس نے گلستانِ سعدی کا ترجمہ جرمن زبان میں کیا جو پہلی بار ۱۶۵۴ء میں شائع ہوا۔ ہر چیز کو غور سے دیکھتا تھا۔

سترھویں صدی میں ایران کا بیان سفرنامہ سے بہتر کہیں نہیں ملتا۔ یہ مصنف ۱۶۳۷ء میں صفویوں کے مقدس مقام ''اردبیل'' میں موجود تھا۔ اُس نے عزاداری کے سلسلے میں جو کچھ دیکھا اور پڑھا اُس کا اثر اُس پر جو ہوا لکھتا ہے۔ ''پوری تاریخ میں حسینؑ سے بہتر انسان وفادار نہیں ملتا۔ اُس کی تکالیف پر جتنا صدمہ کیا جائے کم ہے۔''

۳۔سرجان شارڈن

نے تین مرتبہ ۱۶۶۶ء(Sir john Chardin) سے ۱۶۶۹ء تک ایران کا سفر کیا۔ تیسری مرتبہ ۱۶۷۲ء میں ایران کیا اور چار سال رہ کر اپنے وطن (Paris) پیرس واپس آ گیا۔ اُس نے اپنا سفرنامہ جس کا ترجمہ ۱۶۲۷ء میں شایع ہوا تھا۔

پروفیسر براؤن (Prof Brown) نے تاریخ ادبیات ایران کی جلد چہارم میں لکھا ہے کہ ''شارون'' نے فارسی زبان وادب اور ایران واہل ایران کا گہرا مطالعہ کیا تھا اُس نے اپنے سفرنامہ میں صفوی عہد کے ایران کا حال تفصیل سے لکھا ہے۔

''امام حسین'' اور ان کی یاد عہدِ ماضی کا ایک المناک کارنامہ ہے جو صدیاں گزرنے کے بعد بھی تازہ ہے جیسے یہ کل کا واقعہ ہے جس کی یاد منائی جاتی ہے اُس کا کردار دل پر اثر کرتا ہے۔ قاچاری خاندان کا بانی آقا محمد خاں ۱۷۹۶ء میں تخت پر بیٹھا اور پندرہ مہینے کی حکومت کے بعد قتل کر دیا گیا۔ اُس کا بھتیجا فتح قلی شاہ جانشین ہوا۔ اُس نے ۱۷۹۶ء سے ۱۸۳۶ء تک حکومت کی۔ اُس کے دور کے مصنفوں کے چشم دید بیانات نے بتایا کہ اُس کے عہد میں شبیہہ گردانی محرّم کی عزاداری کا جزو بن چکی تھی۔''

پروفیسر براؤن نے اپنی تاریخ ''ادبیات ایران'' کی چوتھی جلد میں کربلا کے دل دوز مناظر کی شبیہ پیش کی ہے جو آج کل محرم کی عزاداری میں بہت نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ (جلد ۴۔ صفحہ ۲۸ و ۱۹۴)

۴۔ **سر جان مالکم** (Sir John Malcolm) لکھتے ہیں:

''جس حسینؑ کی یاد ہر سال منائی جاتی ہے اُس کی مختلف حالتیں مثلاً غضب او حلم، عقل و عشقِ حقیقی۔ خوشی اور غم۔ شاہی اور گدائی۔ امیری اور چاکری۔ فرماں برداری اور فرماں روائی۔ ایک فردِ واحد میں دکھائی دیتی ہیں۔'' (از تاریخ ایران)

۵۔ **جیمس موریر** (James Morier)

جو ایک سفارت خانہ کا سکریٹری ہو کر فتح علی شاہ قاچار کے عہد میں ایران گیا تھا۔ اُس نے ایران کے سیاسی اور معاشرتی حالات کا مطالعہ جس نظر سے کیا اُس پر اُس کی کتاب ''حاجی بابا'' لکھی گئی۔

اُس نے محرم کا حال اپنے دوسرے سفر نامہ میں لکھا ہے جو ۱۸۱۸ء میں شائع ہوا لکھتا ہے۔ ''حسینؑ کی زندگی کا آخری غمناک حصہ مدینے سے روانگی سے لے کر میدانِ کربلا میں اُن کی شہادت تک ایک دلدوز پر اثر واقعہ ہے جس میں انہوں نے صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔''

۶۔ **اے خودشکو** (A.Chodsko)

کالج ڈی فرانس کا لیکچرر تھا۔ ۱۸۳۳ء میں اُس نے کئی تعزیوں میں شرکت کی۔ اس موضوع پر اُس نے ایک تفصیلی مقالہ جولائی ۱۸۴۴ء میں فرانسیسی زبان میں شایع کیا۔

یہ کتاب پانچ تعزیوں کے فرانسیسی ترجمہ پر مشتمل ہے اور اُس کے مقدمہ میں تعزیوں پر تفصیلی بحث ہے اس میں وہ لکھتا ہے:۔

''محرم کا مہینہ تعزیے کے لیے مخصوص ہوتا ہے۔ یہ ہمیشہ کھلی ہوا میں دکھایا جاتا ہے جن میں غیر ملکوں کے سفارت خانہ کے عہدہ دار بھی ہوتے ہیں۔''

اُس نے ۱۸۶۵ء میں ایک تعزیہ کا ترجمہ کر کے اپنی کتاب ''وسطی ایشیا کے مذہب اور فلسفہ'' میں شامل کر دیا ہے۔ اس کتاب کا عنوان ہے۔ عروسیٔ قاسم''۔

ایران کے لوگ یورپ کے باشندوں کو بلانے میں پس و پیش نہیں کرتے بلکہ اُس کے برخلاف ایک تعزیہ میں یورپ کے عیسائیوں کا ایک قاصد آتا ہے جو ائمہ کے حقِ خلافت کی تائید کرتا ہے۔ آگے لکھتا ہے:۔

''سقے تازہ پانی سے بھری ہوئی مشکیں لادے کٹورے ہاتھ میں لئے پانی پلاتے پھرتے ہیں اُس پیاس کی یاد میں جس نے امام کے آدمیوں کو ہلاک کر دیا تھا۔ جو گرمی میں اچانک ایک بیابان میں گھیر لئے گئے تھے۔ یہ خدمت ایک قابلِ تحسین کام ہے اور عقیدت مندی اس کی سفارش کرتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ والدین جن کی اولاد کی صحت بچپن میں کمزور ہوتی ہے وہ نظر کرتے ہیں یا منت مانتے ہیں کہ اگر یہ بچہ فلاں عمر تک پہنچ جائے گا تو اُس کو امام حسینؑ کے نام پر ایک سال یا کئی سال تعزیوں کے زمانے میں سقا بنائیں گے اس لیے وہ بچہ نذری یا نذرین کہلاتے ہیں۔ اس کے بعد حدیث خواں ائمہ کی شہادت کے متعلق روایتیں پڑھتا ہے۔ اس کے ساتھ نوحے پڑھنے والے۔ اگر سید ہے تو سفید عمامہ باندھتا ہے۔'' اے خودشکو آگے لکھتا ہے:۔

''میں نے جو عین موقعہ پر اپنی یادداشت لکھی تھی اس میں سے ایک کو یہاں نقل کرتا ہوں۔ بس اتنا اور کہوں گا کہ حضرت علی اور امام حسینؑ کی شہادت اور اہل بیتؑ کی اسیری جن پر نسلاً بعد نسلاً مظالم کئے گئے۔ انہوں نے عرب کو چھوڑ کر اکثر ایران میں سکونت اختیار کر لی۔ وہاں اُن کے ساتھ ہمدردی اور مہماں نوازی کی گئی۔ خاص کر خراسان میں اور ان صوبوں میں جو بحیرۂ اخضر کے جنوبی ساحل پر واقع تھے، علیؑ کی یاد اتنے احترام کے ساتھ کہیں نہیں ہوتی جتنی اس ملک میں جن کو اُن کی اولاد نے اپنا وطن بنالیا تھا۔

صفوی بادشاہوں کو حضرت علیؑ سے اتنی عقیدت تھی کہ وہ اپنے کو سگِ آستانِ علیؑ کہنا پسند کرتے تھے۔''

اسے کو دشکو آگے لکھتا ہے:

''ایرانی (تعزیوں) کا جو مجموعہ میرے پاس ہے اُس میں ۳۳ تعزیے ہیں جن کے چند ناموں کا ترجمہ یہاں درج کر رہا ہوں:۔

(۱) جبرئیل کا رسولؐ کو خبر دینا کہ اُن کے نواسے کو شہادت نصیب ہوئی۔

(۲) وفاتِ پیغمبرؐ

(۳) باغِ بنتِ رسولؐ

(۴) روانگی امام حسینؑ از مکّہ۔

(۵) امام حسینؑ کا اشقیاء کے لیے دعا کرنا۔

(۶) فاطمہ صغریٰ کا مدینہ سے کربلا پھول بھیجنا۔

(۷) پیغمبرانِ سلف کی روحوں کا نقش۔ امام حسینؑ کی زیارت کو آنا۔

(۸) قبلۂ بنی اسد کی عورتوں کا امام حسینؑ کے اہل حرم کے لیے پانی لانا۔

(۹) سکینہ کا ابن زیاد کے خیمے میں جانا اور شہیدوں کی لاشوں کو دفن کرنے کی اجازت مانگنا۔

(۱۰) کاتب اور ولید۔

(۱۱) یورپی درویشوں کی خانقاہ

(۱۲) امام حسینؑ کے اہل حرم کا اپنی خبر مدینہ بھیجنا

''ان تاریخوں کو میں نے تہران کی شاہی تمثیلی نمائشوں کے ڈائرکٹر حسین علی خاں خواجہ سرا سے خریدا۔ میں ان تاریخوں کو مسٹری (Mystry) کہتا ہوں۔ صرف اس لیے نہیں کہ وہ ہمارے عہدِ وسطیٰ کی تاریخوں سے مشابہ ہیں بلکہ اس لیے بھی کہ شیعوں کے عقیدہ میں آلِ رسول کے مصائب کے پردے میں تمام مومنوں کی نجات کا سامان پوشیدہ ہے۔''

حسینی کارناموں پر

مغربی مفکرین کی رائے

یاسمین امتیاز

واقعۂ کربلا اسلامی تاریخ کا وہ ناقابل فراموش باب اور ایسا پر درد اور پر اثر واقعہ ہے جس کے تذکرہ، مجالس، جلوس، گریہ و ماتم نے ہر پتھر دل کو موم اور ہر عقل وشعور رکھنے والے انسان کو خواہ اس کا تعلق کسی فرقہ، کسی بھی قوم سے ہو، متوجہ اور غم زدہ ضرور کیا ہے۔ حتیٰ کہ اسلامی تاریخوں سے قطع نظر اگر ہم یورپ اور امریکہ کے مورخوں کے بیانات سنتے اور پڑھتے ہیں تو انتہائی تعجب ہوتا ہے کہ حسینؑ کے ذکر، گریہ و ماتم نے صرف ہمیں افسردہ نہیں کیا ہے بلکہ مغربیوں کی ٹھنڈی فطرت پر بھی ویسا ہی اثر کیا اور خونی اثر ڈالا ہے۔ ان مغربی مصنفین کی ذکر حسینؑ پر آرا کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ یقیناً حسینؑ کی پہنچان کے لیے بیداری اور عقل وشعور کی ضرورت ہے۔ جس نے حسینؑ کو پہچان لیا اس نے صحیح معنوں میں حق حسینؑ ادا کر دیا۔ اور اس کے لیے مسلم اور غیر مسلم ہونا شرط نہیں ہے۔ لیکن انشاءاللہ وہ وقت دور نہیں جب بقول شاعر:

انسان کو بیدار تو ہو لینے دو
ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؑ

آیئے حسینی کارناموں پر مغربی، غیر مسلم اور عیسائی مصنفین کی آرا سے واقف ہو کر اپنے مطالعہ میں اضافہ کریں کہ اور دیکھیں کہ غیر مسلم ہونے کے باوجود ان مصنفین نے ''حسینؑ شناسی'' کا حق کس طرح ادا کیا ہے۔

مورخ اعظم ''ایڈورڈ گبن'' نے اپنی مشہور کتاب ''ڈکلائن اینڈ فال آف رومن امپائر'' میں لکھا ہے کہ

''یہ مظلومانہ شہادت اور پر درد واقعہ وطن سے ایک دور دراز ملک میں واقع ہوا یہ ایک ایسا سانحہ ہے جو بے درد بے رحم اور سنگ دل کو بھی ہلا دیتا ہے۔ اگر چہ کوئی کتنا ہی شقی القلب کیوں نہ ہو، اس کے دل میں بھی ایک جوش اور ہمدردی پیدا ہو ہی جاتی ہے۔'' (تاریخ دوم جلد ۹ ص ۳۴۶)

علیٰ ہذا القیاس ''جان لونگ'' کی اس نظم سے جو اس نے شہادت حسینؑ کے متعلق پرسوز الفاظ میں سولہ (۱۶) صفحات پر لکھی ہے ثابت ہوتا ہے کہ اس منصف مزاج عیسائی سے بغیر ہمدردی کے نہ رہا گیا۔ اس نے تقریباً ۴۰۰/اشعار میں نہایت ہی دردناک اور موثر الفاظ سے اس واقعہ کا مرثیہ لکھا ہے۔ حسینؑ کی نسبت اس کی مصنفانہ رائے کا خلاصہ ان الفاظ میں ہے۔

''وہ (حسینؑ) دین دار، خدا پرست، فروتن، خلیق اور بے مثل بہادر تھے، وہ سلطنت اور حکومت کے واسطے نہیں لڑے بلکہ خدا پرستی کے جوش میں یزید لعین سے اس لیے بیزار تھے کہ وہ اسلام اور دین محمدی کے خلاف تھا۔''

''امریکن مورخ اسمتھ کلیر'' اپنی ''تاریخ عالم'' میں واقعہ کربلا کے ذکر کے بعد تحریر کرتا ہے۔

ہم انصافاً کہتے ہیں کہ حسینؑ کے صبر اور ثابت قدمی کی نظیر نہیں، ان کی دردناک اور مظلومانہ شہادت میں ہوا خواہان اسلام کے قلوب پر رنج و غم کا ایسا گہرا زخم لگایا ہے کہ جو آج تک باوجود مرورزمانہ مندمل نہیں ہوا۔ اس شہادت کے متعلق جو واقعات بیان ہوئے ہیں جو ایسے عجیب وغریب ہیں کہ آدمی ان کو سن کر سناٹے میں آجاتا ہے۔ (ہسٹری آف دی ورلڈ، جلد ۳ صفحہ ۲۱۵)

''ارتھر وواسٹن'' اپنی کتاب ''ہاف آور دمحمدؐ'' میں واقعہ شہادت حسینؑ کو لکھتے ہوئے آپ کی جنگ کے متعلق تحریر کرتا ہے کہ

''حسینؑ پھر ایک دفعہ دشمن کی فوج میں جادھنسے، ہر طرف تباہی پھیلا دی۔ دشمن ان کے مقابلے سے ایسے بھاگتے تھے جیسے لومڑی شیر سے، دشمن عداوت حسینی سے پاگل ہو رہے تھے۔ مگر وہ اپنی فوج کی کثرت سے ہی اس بہادر حسینؑ کو قتل کر سکتے تھے۔ آخر حسینؑ کے ہاتھ پر تلوار کا کاری زخم لگا، دوسرا کاری زخم ان کی گردن پر آیا۔ جب زمین پر گرے تو ایک برچھی ان کے سینے پر لگائی گئی۔ اس طرح اس محبوب حسینؑ کا خاتمہ ہوا

جوعلیؑ کے گھرانے کا تیسرا امام تھا۔دشمنوں نے لاش حسینؑ کے ساتھ بے حرمتی کی، پھر آپ کے سر کو جدا کیا، پھر انہوں نے لاش گھوڑوں کے سموں سے اس طرح پامال کردی کہ اس غازی کا جسم پاش پاش ہو گیا جو بہ مشکل شناخت میں آتا تھا۔ یہ لاش اس بہادر کی تھی جس کی شہ زوری اور بہادر کا شاعر بڑے زور شور سے ذکر کرتے ہیں۔ یہ وہ بہادر تھا جس کی بہادری کی نظیر کسی قوم میں نہیں ملتی۔'' (صفحہ ۱۲۲)

واقعہ کربلا پر ایک مسیحی مورخ ''سی، ایچ، مارلس'' اپنی کتاب ''اے لیکچر آن اسلام'' میں لکھتا ہے

''تاریخ عالم اپنے دامن میں کئی ایسے واقعات لیے ہوئے ہے جس میں بڑے بڑے مصلحین نے محبتوں ورضائے الٰہی اور دعوت حق کی راہ میں عظیم الشان قربانیاں پیش کی ہیں اور جن مصائب و آلام کی آزمائشوں سے ان کی آزمائش کی گئی ہے وہ نہایت ہی جاں گداز ہیں مگر امام حسینؑ کی آزمائش ان سب سے زیادہ جاں گداز ہے۔''

''ہر بابین'' ایک مشہور جرمن مورخ نے شہادت حسینؑ پر ایک خاص رسالہ لکھ کر اس واقعہ کے اسباب ونتائج پر فلسفیانہ نظر ڈالی ہے۔ وہ ایک موقع پر لکھتا ہے:

''حسینؑ نے یہ مصائب سلطنت وحکومت کے لیے برداشت نہ کیے اور نہ بغیر سوچے سمجھے اگر حسینؑ کے کلمات وحرکات پر باریک بینی سے غور کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا بحیثیت سیاست داں انہوں نے بنی امیہ کے قبائح اور شنایع اور بنی ہاشم کے ساتھ ان کی قلبی عداوت اور اپنی مظلومیت ظاہر کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا اور یہ بات ان کے لیے حد درجہ کی سیاست، قوت قلب اور اپنے مقصد عالی کو پورا کرنے میں خود رفتگی کو ثابت کر رہی ہے۔ حسینؑ اپنی زندگی کے آخری وقت تک شیر خوار بچے کے متعلق وہ کام کیا کہ حکمائے زمانہ کی عقلیں حیران ہیں۔ بچہ اپنے ہاتھوں بلند کر کے پانی طلب کرنا اور تیر ستم سے اس کا جواب سننا، اس عمل سے حسینؑ کی یہ غرض تھی کہ تمام اہل عالم واقف ہو جائیں کہ بنی امیہ کی عداوت بنی ہاشم کے ساتھ کس درجہ پر تھی اس کے لیے شیر خوار بچے کا ایسی حالت میں وحشت ناک طریقے سے قتل کر دینا سوائے بہیمانہ عداوت کے جو دین ومذہب اور قانون کے منافی تھی اور کچھ ظاہر نہ کرتا تھا۔ آپ کے اس قدم نے مسلمانون پر بلکہ تمام اہل اسلام پر ظاہر کر دیا کہ بنی امیہ فقط احکام اسلام کی مخالفت میں ایسی حرکت نہیں کرتے بلکہ اپنے جاہلانہ تعصب کی وجہ سے کوشاں تھے کہ ایک متنفس بھی بنی ہاشم خصوصاً ذریت محمد کا باقی نہ چھوڑیں گے۔''

پھر آگے چل کر ''ہر مابین'' ایک اور جگہ کہتا ہے:

''حسینؑ سے پہلے بھی روساء روحانی اورارباب دیانات بحالت ظلم قتل کیے گئے ہیں مگر حسینؑ کے واقعہ نے تمام واقعات پر فوقیت حاصل کر لی۔ حسینؑ کا واقعہ عالمانہ، حکیمانہ اور سیاسی حیثیت کا تھا جس کی دنیا کی تاریخ میں نظیر نہیں ہے۔ جو مقصد ان کے پیش نظر تھا وہ نہایت ہی اعلیٰ اور بلند تھا۔ حسینؑ نے اس مقصد کے حصول میں اپنی، اپنے عزیزوں اقارب، دوست احباب سب کی جانیں قربان کر دیں، مال دیا، عیال کی اسیری گوارا کی، یکے بعد دیگرے یہ مصیبتیں پیش آئیں، دنیا کی تاریخ میں ایسے مصائب کا پے در پے ہجوم کرنا اور برداشت کرنا حسینؑ کے ساتھ ہے۔ (رسالہ فلسفہ شیعہ)

مولف تاریخ چین وختن، ''جیمس کارکرن'' مترجم صدر دیوان عدالت کلکتہ جس نے تاریخ کو مذکورہ دو جلدوں میں لکھ کر ۱۷۵۲ء میں شائع کرائی، جہاں مغلوں اور ختائیوں کی بہادری کا ذکر کرتا ہے وہاں اس نے بہادران معرکہ کربلا کی نسبت نہایت منصفانہ اور قابل قدر رائے دی ہے۔ یہ کتاب مورخ موصوف نے اردو میں لکھی ہے۔ کہتا ہے کہ:

''دنیا میں رستم کا نام بہادری میں مشہور ہے لیکن کئی شخص ایسے گزرے ہیں کہ ان کے سامنے رستم کا نام لینے کے قابل نہیں ہے۔ چنانچہ حسینؑ ابن علی کا بہادری میں اول درجہ ہے۔ میدان کربلا میں گرم ریت پر تشنگی اور گرسنگی میں جس شخص نے ایسا کام کیا ہو اس کے سامنے رستم کا نام وہی شخص لیتا ہے جو تاریخ سے واقف نہیں کس کے قلم میں یہ قدرت ہے کہ امام حسینؑ کا حال لکھے، کس کی زبان میں یہ لطافت و بلاغت ہے کہ ان بہترین بزرگوار کی ثابت قدمی تیور وشجاعت اور تیس ہزار سوار خونخوار شامی کے جواب دینے اور ایک ایک کے ہلاک ہو جانے کے باب میں مدح جیسی کہ چاہئے کر سکیں۔ کس کے نازک خیال کی یہ رسائی ہے کہ ان لوگوں کے دلوں کے حال کو تصور کرے کہ ان پر کیا گزار چاروں طرف تو فوج یزید تھی جس کے نیزوں اور تیروں کی بوچھار تھی، چاروں طرف سے ان دشمنوں نے گھیرا ہوا تھا اور پانچواں دشمن عرب کی شعلہ برساتی دھوپ تھی اور چھٹا دشمن وہ ریگ کا میدان تھا جس کی سوزش سے بنی فاطمہؑ کے پاؤں میں آبلے پڑ گئے تھے اور ساتواں دشمن ظالم بھوک و پیاس تھے جن کی شدت اور تشنگی سے بان پھٹ جاتی تھی۔ پس جنہوں نے ایسے معرکہ میں ہزار ہا کافروں کا مقابلہ کیا ہو ان پر بہادری کا خاتمہ ہو چکا اور اس کے رزم کو سر دفتر تاریخ عالم سمجھنا چاہئے۔ (تاریخ چین، جلد ۲ باب ۱۶ صفحہ ۲۳۵)

یہ پر درد الفاظ اور ہمدردی سے بھرے ہوئے جملے کن لوگوں کی زبان اور قلم سے نکلے ہیں؟ یہ مسلمان نہیں بلکہ مغربی غیر مسلم اور عیسائی ہیں جو حسینؑ کے نانا حضرت محمد مصطفیٰ کے ضرور مخالف ہیں مگر ہاں ان ''مسلمانوں'' سے بدرجہا افضل ہیں جو مسلمان ہو کر بھی اپنے پیغمبر کی ذریت پر ظلم کرتے تھے۔ (اور آج تک ان ظالموں اور ملعونوں کی نسلیں ذریت محمد اور اہل بیت رسول کے ماننے والوں اور ان کے لیے آواز بلند کرنے والوں اور ان کی یاد کو تازہ رکھنے والوں کو نہ صرف کافر قرار دیتے ہیں۔ بلکہ خود بظاہر مسلمان ہو کر دوسری مسلمان قوموں پر ظلم و ستم کر رہے ہیں جو خود ایک کافرانہ فعل ہے)

اس طرح اور بہت سے یورپین مورخ ہیں جنہوں نے جناب سید الشہداء کے واقعہ شہادت کے متعلق پرزور ریمارک اور نہایت منصفانہ آرا تحریر کی ہیں جن میں ''جرجی زیدان''، ''ارونگ واشنگٹن''، ''سائمن ڈی کلی'' اور ''آبسرن'' کے نام خصوصیت سے لیے جاتے ہیں۔ واقعی امام حسینؑ کے دل گردہ اور ہمت و استقلال کے ساتھ رستم و اسفندیار، امپرر نپولین اور قیصر ولہم یا ایسے ہی دوسرے مشاہیر کا رناموں کو نسبت دینا یا اسلام کا کسی بھی خلیفہ یا صحابی رسول کے کارناموں سے حسینؑ کے کارناموں کا مقابلہ کرتے ہوئے شہادت حسینی کو فوقیت اور اہمیت دینا اور مصائب کی انتہا پر آزردہ و ملول نہ ہونا اور گریہ و ماتم نہ کرنا، انصاف کا خون کرنا ہے۔ کیونکہ ان مصائب و شدائد پر یہ استقلال اور ثابت قدمی صرف ''حسینؑ ابن علیؑ'' ہی کا حوصلہ اور حسینؑ کی ہی ہمت تھی، کوئی اسے تسلیم کرے یا نہ کرے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لہٰذا حسینؑ وہ چراغ ہیں جو قیامت تک روشن رہے گا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ شہادت حسینی کے مقاصد کو ہمیں سمجھنے عمل کرنے اور ذات حسینؑ سے صحیح معنوں میں محبت کرتے ہوئے ''حق حسینؑ'' صحیح طرح ادا کرنے کی توفیق عطا کرے۔ (آمین)

محرم اور ہمارا فرض

شری للتا پرشاد، شاہ میرٹھی

محرم کا مہینہ ہر سال آتا ہے اور چلا جاتا ہے۔ تعزیے نکلتے ہیں، مرثیے پڑھے جاتے ہیں، مجالس ہوتی ہیں، میلے اور تماشے ہوتے ہیں، ہجوم نظر آتے ہیں۔ دکانیں سجتی ہیں۔ بازار لگتے ہیں۔

تعزیہ داری، مرثیہ خوانی اور انعقاد مجلس تو خیر لازمی اور موثر چیزیں ہیں۔ مگر دوسری سب باتیں ہوتی ہیں۔ وہ عام کی تو کیا خاص کی بھی سمجھ میں نہیں آتیں، کون سوچے کون سمجھے کسی کو کیا غرض؟

کوئی کھوجی (متلاشی) ہوا تو سرسری طور پر اتنا معلوم کرلیا کہ مسلمانوں میں ایک بزرگ امام حسینؑ آج سے تیرہ سو برس پیشتر گزرے ہیں۔ انہیں یزید نامی ایک ظاہم بادشاہ نے بے گناہ و بےقصور دشمنی سے مار ڈالا تھا۔ اس کی یادگار منائی جاتی ہے۔ پس اس سے آگے تحقیقات بھی ختم اور بتانے والے جوابات بھی ختم۔

اب ناواقف کو خیال پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ تو بتایئے کہ اتنی صدیاں گزر گئیں۔ مرنے والے رہے نہ مارنے والے۔ پھر اب تک یہ رونا دھونا اور ایامِ غم میں یہ میلا تماشہ کیسا؟

یہ سوال اکثر محققوں کے دل ودماغ میں پیدا ہونا ناممکنات سے نہیں۔ تعزیہ داری شیعہ بھی کرتے ہیں اور سنی بھی بلکہ بعض غیر مسلم بھی۔

شربت چڑھانا، سبیلیں لگانا، شرکت مجالس اور خیرات کرنا، یہ عام روایتی اصول ہیں البتہ اب چند برسوں سے مذہبی مناقشات، مذہبی کشاکش، فرقہ وارانہ خانہ جنگیوں اور سب سے بڑھ کر ملک کی تقسیم نے ان امور کی طرف متعدد لوگوں میں کشیدگی پیدا کر دی ہے۔

یہ سچ ہے کہ مسلمانوں میں ایک کثیر تعداد ایسے افراد کی ہے جو در پردہ حسینی مشن کے سخت مخالف اور دشمن ہیں اور جی جان سے اسی تگ ودو میں منہمک وکوشاں رہتے ہیں۔ کہ دنیا میں کوئی معصوم ومظلوم

حسینؑ کا نام لیوا ہی نہ رہے۔ اوراس طرح یزید کی کارگزاریوں پر ہمیشہ کے لیے پردہ پڑ جائے۔ تاریخ الخلفاء کے علاوہ مولوی صاحبان اہلسنت کے یہاں یزید کا شمار خلفائے مستند میں ہو ہی گیا ہے۔ مگر اس تمام سرد مہری اور زمانے کی بے خبری یا پبلک کی ناواقفیت کا ذمہ دار میں ان حضرات کو جانتا ہوں جو نعرہ حیدری لگانے والے اور شہادت حسینی کی یادگار منانے والے تو ہیں۔ وہ تعزیہ داری کو ضروری جائز بھی جانتے ہیں۔ عالم و قابل و ذی فہم بھی ہیں مگر اس جانب سے قطعی بے توجہ و بے نیاز ہیں۔ کہ ناواقف عوام کو اس سانحۂ عظمیٰ اور سبق آموش واقعۂ شہادت کے تفصیلی حالات سے باخبر بتائیں اور حسینی شہادت کا مقصد اور اس جنگ کا فلسفہ لوگوں کو سمجھائیں۔

امام حسینؑ کون تھے؟ اسلام میں ان کا کیا درجہ تھا۔ ان کی ہستی کیسی غیر معمولی تھی۔ ان پر کیا کیا مصیبتیں آئیں اور کیوں آئیں۔ کس کے ہاتھوں آئیں ان ظالموں کا کیا انجام ہوا وغیرہ وغیرہ۔ شیعہ ہی نہیں بلک تمام مسلمان۔ اور مسلمان ہی نہیں بلکہ تمام غیر مسلم اپنی شرکت عزاداری کو یقینا باعث ثواب دارین تصور کرنے لگیں۔

امام حسینؑ کا ہندوستان سے خاص تعلق ہے۔ دشت نینوا میں جب یزیدی افواج نے انہیں چاروں طرف سے گھر لیا تو اتمام حجت اور جھوٹوں کو دروازہ تک پہونچانے کے لیے انہوں نے عمر ابن سعد سے کہا کہ کوفہ والوں نے مجھے خط پر خط لکھ کر بلوایا ہے اگر میرا آنا ناگوار ہے تو مجھے مدنیہ واپس جانے دو یا کوفہ پہونچنے دو ورنہ میرا راستہ چھوڑ دو، تاکہ میں ہندوستان کی طرف چلا جاؤں اور وہاں اطمینان سے اپنی زندگی کے بقیہ دن گزاردوں۔

مگر یزیدیوں کا تو منشاء ہی کچھ اور تھا وہ تو شرارت پر تلے ہوئے تھے اسی خواہش کو کیوں پورا ہونے دیتے۔

بعد کی صدیوں میں خلفائے عباسی کے بتائے ہوئے کثیر التعداد شیعہ مہاجرین ہندستان بھاگ آئے تھے جو یہاں راجہ واہر وغیرہ کے یہاں دکن وسندھ میں ہاتھوں ہاتھ لے لئے گئے اور مظلوم مہمان سمجھ کر عزت کے ساتھ پارسیوں کی طرح بسائے گئے۔

امام حسینؑ کی اہلیہ معظّمہ نوشیروان عادل کے خاندان سے تھیں جو یزدجرد شاہ ایران کی دختر تھیں۔ یہ خاتون تین سگی بہنیں تھیں۔ جن میں سے ایک ماہ بانو نامی ہندوستان میں آکر سسودیہ خاندان (شاہان

اودے پور میواڑ) میں منسوب ہوئیں اور چندر بھاگا کے نام سے پکاری گئیں۔

ان جملہ تاریخی اہم اور مستند واقعات کے باوجود پبلک اب بھی ناواقف ہے اور بے خبر ہے کہ امام حسینؑ کون تھے؟ اور ان کے واقعات زندگی کیوں دردناک، دل سوز، رقت تیز اور خون کے آنسوں رلانے والے ہیں اور عزاداری کی کیوں ضرورت ہے؟

جب کوئی غیر مسلم گہری تحقیقات کرتا ہے، اور ان حالات سے آگاہ ہوتا ہے تو ہو نہ صرف حیران وششدرر رہ جاتا ہے بلکہ اسے امام حسینؑ کی اہمیت، معصومیت اور مظلومیت کا صاف پتہ چلتا ہے اور ثبوت مل جاتا ہے۔اور پھر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ کیوں ۱۳ سو سال کے بعد بھی آج محرم منایا جاتا ہے۔ یہ نہ میلہ ہے، نہ تماشا ہے نہ تیوہار ہے بلکہ عاشورکا دن ایسا دن ہے جسے رنج وغم کا مرقع کہہ سکتے ہیں۔یہی سبب ہے کہ مداحان حسینؑ صدیوں سے اس زمانے میں سوگوار بنتے اور عزائے حسینؑ قائم کرتے ہیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ شیعہ مجتہد، علماء اور سر برآوردہ حضرات ایک خاص کمیٹی اس غرض کو لے کر بنائیں کہ ہر سال خواہ ایام محرم میں خواہ قبل و بعد ہر شہر و ہر قصبہ میں یومِ حسینؑ منائے جس میں صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ تمام غیر مسلم ہندو، سکھ پارسی، عیسائی وغیرہ خاص طور پر بلائے جائیں۔ مذہبی افراط و تفریط، محض عقیدہ ہی کے مطابق نہیں بلکہ تاریخی حیثیت سے سادہ الفاظ میں صاف اور بے لوث تقریروں سے صحیح واقعات پیش کئے جائیں اور غیر مسلموں کو بھی ایس موضوع پر بولنے کا موقع دیا جائے۔

بمبئی (کیسر باغ) میں کئی سال سے اس قسم کا ایک شاندار جلسہ محرم کے اگلے ہفتہ میں ہوا کرتا ہے جس میں چار بار مجھے بھی شرکت کا موقع ملا ہے بلکہ دو مرتبہ تو کرسی صدارت کے لیے بھی مجھے منتخب کیا گیا تھا۔آگرہ شاہ گنج میں ایک باقاعدہ تنظیمی کمیٹی کے ذریعہ یوم حسینؑ منایا جاتا تھا اور تقسیم ملکی کے سال تک کامیابی سے پبلک کو فائدہ پہونچتا رہا۔

میرا تو یقین کامل اور خیال پختہ یہ ہے کہ ایسے جلسوں کے ذریعہ حیدری شان اور حسینی آن بان سے عام لوگوں کو بخوبی آگاہی ہوسکتی ہے۔

عقیدت کے پھول

پنڈت لکشمن پرشاد شرمآ

رئیس شکار پور، بلند شہر

یہ ایک نا قابل انکار حقیقت ہے کہ میں نے اپنے عقیدہ میں جناب سید شہدا امام حسینؑ سے زیادہ مظلوم، انسانیت کا محسن جبر و استبداد کا تختہ الٹنے والا شہنشاہ مملکت روحانیت اور غریب وامیر کی مصیبتوں اور آڑے وقتوں میں کام آنے والا دوسرا نہیں پایا۔ جس نے انسانیت کے گلوں سے فسق و فجور کا طوق غلامی نکالنے کے لیے یزید جیسے فاسق وفاجر زانی وشراب خواہ کے چیلنج کو جس کے نتائج انتہائی اندوہناک ہوش ربا اور روح فرسا تھے۔ نہایت سنجیدگی کے ساتھ قبول منظور فرما کر قیامت تک کی آنے والی نسلوں کو ششدر و مبہوت ہی نہیں کر دیا بلکہ مذہبی و سیاسی عصبیت، مجنونانہ اغراض ومقاصد اور متکبرانہ حکمرانی کے مستحکم قلعے جو ۱۱ھ سے ۶۱ھ تک پچاس سالہ کوششوں سے تعمیر کیے گئے تھے۔ ۱۰ محرم ۶۱ ہجری کو صبح سے سہ پہر تک کے مختصر سے وقت میں اپنے چند جاں نثار ساتھوں کے ساتھ ڈھا دیئے ان قلعوں کے مسمار کرنے میں عباسؑ جیسے چند بھائی علی اکبرؑ جیسا بیٹا قاسمؑ جیسے بھتیجے، عون محمدؑ جیسے بھانجے حبیب و زہیر جیسے چند رفیق لگا دیئے گئے ہاں حسینؑ نے جب دیکھا کہ کام سنگین ہے تو چھ مہینے کے علی اصغر کو بھی معمارئ قلعہ پر لگا دیا گیا جس نے اپنی مظلومی اور روحانی طاقت سے بیک جنبش چشم قلعہ کو ڈھا دیا ابھی زبان لبوں تک ہی آئی کہ قلعہ کے آخری کنگورے گرنے لگے اور باپ کے ہاتھوں پر ایک ایسی انگڑائی لی قلعہ کی دیواریں بیٹھ گئیں میدان ہو گیا جس کو جناب سید الشہدا نے صاف کر دیا۔ اس فاتح اعظم حسینؑ کی فتح اور یزید کی شکست فاش کی تاریخ صفحہ ارض کربلا شہدائے کربلا کے خون سے ۱۰ محرم ۶۱ھ کو لکھ کر اپنے خون سے مہر ثبت کر دی۔

مجھے یہ عقیدت اب سے نہیں ہے اور نہ یہ عقیدت کسی کورانہ ترغیب وتحریص یا کسی حرص وطمع یا کسی کے ورغلانے یا بہکانے سے ہوئی ہے بلکہ میں حسینؑ کا پرانا پجاری اور سمجھ بوجھ کر عقیدت مندانہ شیدائی وسودائی ہوں۔ زمینداری کا آبائی پیشہ ہے اب تو زمینداری ختم ہو گئی مگر جب زمینداری تھی مقدمات کا ہجوم رہتا تھا میں

جناب سید الشہدا کو جو زندہ جاوید ہیں پکار پکار کر پر اتھنا کرتا تھا کہ اے دنیائے صداقت کے بادشاہ حق و انصاف کے شہنشاہ میرے مقدمہ میں حق وانصاف کے ساتھ فیصلہ کی خدا کی درگاہ میں سفارش فرمایئے یہ دعا مانگی اور دائیں بازو پر یاعلیؑ' بائیں بازو پر' 'یاحسینؑ' ' کے جوشن باندھے۔عدالت میں یاعلیؑ یاحسینؑ پڑھ کر پیش ہوا مقدمہ کامیاب۔

سب سے پہلے ایک مرتبہ میں دفعہ ۳۰۴ میں ماخود کر دیا گیا بہت پریشان تھا ایک مہا تما نے کہا تو حسینؑ کے نام کا پوجن کر میں انے ایسا ہی کیا مقدمہ کامیاب ہوا اس کے بعد سے تو میں نے ہر مقدمہ میں امام حسینؑ کو اہی اپنا وکیل کیا اور محنتانہ بھی کچھ نہ دینا پڑا بس وہی عقیدت کے چند پھول شکرانہ میں جو بعد کامیابی مقدمہ وکیل کو اپنی خوشی سے دیا جاتا ہے وہ بھی کچھ نہیں بس مجلس میں منبر پر گیا ورشہید اعظم کی مجلس پڑھی خود عقیدت کے آنسو جناب سیدہؑ خاتون (مادرامام حسینؑ) کی گود میں ڈالے اور سامعین سے بھی خراج عقیدت (اشک عزا) پیش کرا دیئے۔

چند روز ہوئے چھولس ضلع بلند شہر میں بطلب مجی ومخلصی سید محمد علی ہادی صاحب مجلس پڑھنے کے لیے گیا تھا بعض حضرات نے خصوصاً کرم گستر سید محمد علی ہادی صاحب نے جو مجھ سے نہ جانے کیوں محبت فرماتے ہیں ارشاد فرمایا کہا آپ سے ہم کو مجلسی تعارف تو ہے لیکن شیدایان حسینؑ کو تو آپ سے اس وقت روشناسی ہوگی۔ جب آپ اخباری تعارف کرائیں۔سرفراز اخبار کے لیے محرم نمبر میں آپ کا مضمون جانا چاہئے مگر میں کہتا ہوں کہ میں کم پایہ علم حسینؑ جیسی عظیم المرتبت ہستی کے لیے اردو مین کیا الفاظ لاؤں میرے نزدیک اردو زبان میں مدحت حسینؑ کے لیے گنجائش نہیں ہے ہاں سنسکرت اور عربی زبان میں کافی گنجائش ہے بدقسمتی سے سنسکرت اور عربی نہیں جانتا ورنہ دل چاہتا ہے کہ اپنے دامی کی سنسکرت میں اور اپنے حسینؑ کی عربی میں دل کھول کر اتنی مدح کرون کہ میں تو خوش ہو جاؤں اگر چہ وہ مدح پھر بھی میرے حسینؑ کی شایان شان نہیں ہوسکتی۔

حسین علیہ السلام کی حیات جاودانی

سی ایس رنگا آئر

ہمعصر مون لائٹ کے محرم کی خاص اشاعت میں عالیجناب سی۔ ایس رنگا آئر صاحب کا ایک عظیم الشان مضمون ''حسینؑ کی حیات جاودانی'' شائع ہوا جس کا ترجمہ جناب سید ہاشم علی صاحب بی۔ اے رئیس الہ اباد رکن جماعت ادارہ الواعظ نے کیا ہے ترجمہ اسقدر سلیس وشستہ اور بامحاورہ ہے کہ یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ یہ ترجمہ ہے جتنے مضامین محرم کے سلسلہ میں ۱۳۶۰ھ میں شائع ہوئے ہیں یہ مضمون سب سے بلند اور گرانقدر ہے۔ (اشرف آغا ام اے مدیر الواعظ)

حسین ایک پیغمبر روحانی تھے۔ کربلا کے میدان میں اس جلیل القدر انسان نے اس دنیا کو خیر باد کہا جو اُن کے مراتب سے نا آشنا تھی جس میں خلوص کا نام نہ تھا اور جس پر یزیدیت چھائی ہوئی تھی۔ یہ خاکدان ان کا وطن روحانی نہ تھا جس کی تلاش میں اس دنیا میں انہوں نے بہت کوشش کی مگر نہ مل سکا اس لیے حسینؑ نے اپنا وطن جس پر مرور ایام کا اثر نہ ہو سکے اُس ہمیشہ سبز وشاداب رہنے والے باغ میں قرار دیا جو انسانی دماغ میں قائم ہے۔ اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں کہ کربلا کی سرزمین ارض مقدس ہوگئی اور دماغ بشری میں حسینؑ کو ایک مقدس جگہ حاصل ہوگئی۔ حسینؑ نے اس شکست کو خود گوارہ کر کے عالم پر واضح کر دیا کہ یزید کی دنیاوی جاہ وثروت خاک ہے اور خاک میں فنا ہو جانے والی ہے مگر روحانی عظمت جو ان کے قبضہ واقتدار میں تھی انسان کے فانی ذرّات کے مٹ جانے کے بعد بھی باقی رہنے والی شے ہے۔ اگر یزید نے دنیا کو دکھا دیا کہ انسان منزل فنا سے کتنا قریب تر ہے تو حسینؑ نے زمانہ پر ثابت کر دیا کہ عبد کو اپنے معبود سے کتنی قربت حاصل ہے۔

کربلا کا پیام مثل الہامی کتابوں کے ایک معجزہ ہے۔ اگر تم سنو اور غور سے سنو تو روح حسینؑ کی فضا میں ہمیشہ گونجتی ہوئی آواز سن سکتے ہو۔ جبکہ عالم پر سرمایہ داری اور مادیت کی تاریکی چھائی ہوئی تھی اور

دنیاوی جاہ ووقار اور فانی اقتدار کی ہوسنا کی نے روز روشن کو شب تار بنا دیا تھا اس وقت حسینؑ نے حقیقی روحانی کے سپیدۂ سحر کی تلاش میں جہاد کیا تا کہ فنا فی البقا اور بقا فی الفنا کی منزل تک پہنچ جائیں حسینؑ نے ایک مادّہ پرست انسان کی طرح اپنی حیات سے بہترین مفاد حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ بلکہ موت کو اپنی کامیابی کا بہترین ذریعہ بنایا۔ حسینؑ کی نگاہوں میں نہ تو زندگی کی وقعت تھی اور نہ موت سے نفرت۔ نہ وہ اس کے خواہاں تھے نہ اس سے متنفر لیکن ایک مذموم دور حیات کے خلاف جنگ کر کے حسینؑ نے ان خوبیوں کو پایۂ ثبوت تک پہنچا دیا جو بعد الموت حاصل ہوتی ہیں۔ شیکسپیر نے قیصر کے مزار پر مارک انٹانی کی زبان سے ایک فلسفیانہ خیال ظاہر کیا کہ جو بدی انسان کرتا ہے اس کی وفات کے بعد باقی رہتی ہے لیکن اس کی نیکیاں اکثر اس کی ہڈیوں سے ساتھ دفن ہو جاتی ہیں۔ حسینؑ کی کیفیت کچھ اور ہی ہے ان کی نیکیاں ان کے بعد زندہ ہیں کیونکہ ان میں کوئی بدی تھی ہی نہیں۔ حسینؑ کی پیغمبر صفت روح ابد الآباد تک زندگی کی تاریکیوں میں شمع ہدایت ہوگی اور ہمیشہ ان کا نام خلاق عالم کی اس منور شمع کی طرح ضیا پاش رہے گا جس کی شعاع سے تمام انسان اپنے اپنے چراغوں کو روشن کر سکتے ہیں۔ حسینؑ نے وہ شمع روشن کر دی ہے جس کی کرنیں جاذب نظر ہیں۔ جس کا شعلہ دوامی ہے اور جس کی حرارت خوشگوار ہے۔ جبکہ آلام زمانہ جسم انسانی کو گھیر لیتے ہیں اور دماغ کو کوئی گوشۂ عافیت نہیں ملتا تب اسی شمع سے روح کو سکون حاصل ہوتا ہے۔ حسینؑ کا فیض ابدی ہے۔

کربلا کے سانحہ پر ہم روتے ہیں۔ حسینؑ کے مصائب پر ہماری آنکھوں سے آنسو برستے ہیں۔ جہاں کربلا کا خیال آیا ہمارے دلوں پر غم کی گھٹا چھا جاتی ہے۔ حسینؑ اور ان کے رفقاء کا موت کے منھ میں اطمینان سے جانا تڑپا دیتا ہے کہتے ہیں کہ زمانے کی مدت ہر طرح کے غم کو کم کرتی جاتی ہے مگر زخم غم حسینؑ زمانے کے ساتھ گہرا ہوتا جاتا ہے۔ غم کی جتنی عظمت کربلا کی ارض مقدس پر ہے اتنی کہیں نہیں۔ کیوں نہ ہو کہ یہی وہ زمین ہے جہاں حسینؑ نے اپنی جان دے دی اور ہمیشہ کی زندگی حاصل کرنے کے لئے جان دی۔ انسان اپنی روح فرسا تکالیف کے وقت اگر ان مصائب کو یاد کرے اور سمجھے جو حسینؑ پر گزرے ہیں تو اس کو سکون حاصل ہو جائے گا۔ حسینؑ کے مصائب نے خدا کی معرفت کا راستہ بتا دیا اور اس کی قدرت کو عالم پر آشکارا کر دیا۔ ایام محرم میں جبکہ ہم حسینؑ کے مصائب پر بے اختیار روتے ہیں ہمارے قلوب کو اگر کچھ تسکین ہوتی ہے تو اس خیال سے کہ مصلحت خداوندی یہی تھی اور ہر کسے را بہر کارے

ساختند، ہر شخص ایک پیغام لے کر آتا ہے۔ اب وہ پہنچا سکا یا نہیں اس کا تعلق اس کی ذات اور مقدر سے ہے گر مقدر خود حسینؑ کے آگے سر بہ سجود ہے۔ حسینؑ نے مقدر پر فتح پائی۔ سانحۂ کربلا اُس مقدر پر فتحیابی کا کارنامہ ہے جس کا اقتدار اس حیات پر ہے نہ کہ حیات بعد الممات پر مقدر بھی اسی لیے حسینؑ کو پسپا نہ کر سکا۔ حسینؑ کے مقدر کی وجہ سے کربلا کی عظمت بڑھ گئی۔

جبکہ حسینؑ کے مصائب کو یاد کر کے ہم نالہ و بکا کرتے ہیں مبارک ہیں وہ آنسو جو کہ محرم میں ہزاروں آنکھوں نہیں نہیں بلکہ دلوں سے رواں ہوتے ہیں۔ ہم کو اس امر کا بھی احساس ہوتا ہے کہ ظاہری جاہ وحشم بے ثبات ہے اور سایہ سے زیادہ اس کی کوئی وقعت نہیں۔ حسینؑ کی تیغ شعلہ بار ہمیشہ ان نااہل حکمرانوں کے مذموم دور سلطنت کے خلاف کھچی رہے گی جو انسانوں پر غلبلہ پا کر شیطان کا جامہ پہن لیتے ہیں۔ حسینؑ کی حیات جاودانی ہے۔

حسینؑ کی کریمانہ زندگی ایسی ہے جس میں انسان کے لیے ہزاروں درس ہیں۔ انسانیت کا خزانہ ہے عقل کا سرچشمہ ہے۔ خوبیوں کا ذخیرہ ہے اور اوصاف خداوندی کا ایسا مظہر ہے جس سے روح کو رفعت حاصل ہوتی ہے مگر ساتھ ہی ساتھ سانحہ کربلا سے دل کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔ حسینؑ کی یاد لاتعداد قلوب پر ہر زمانہ میں نقش رہی ہے اور رہے گی کیونکہ اس کی آبیاری آب دل سے ہوتی رہتی ہے۔ کیا مجال کسی مقدر کی کہ کروڑوں انسانوں کے ان جذبات کا اظہار کر سکے جن کی جھلک اس سیل اشک میں پائی جاتی ہے جو ماہ محرم میں اس کرۂ ارض پر رواں ہوتا ہے۔ نبیرو کا قول ہے کہ اشک سے جلد تر خشک ہونے والی کوئی اور شے نہیں ہے۔'' لیکن بیشمار عقیدت مندوں کے آنسو جو سانحۂ کربلا پر جاری ہوتے ہیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ حسینؑ ہمارے دماغ اور ہمارے تخیل پر متمکن ہیں اور ہمیشہ بشریت میں ایک ایسا ہیجان پیدا کرتے رہیں گے کہ کسی اور واقعہ سے ممکن نہ ہوگا حسینؑ کی حیات جاودانی ہے۔

ہوریس کا قول ہے کہ ''بعض اوقات ہومر کے جذبات بھی بے کیف معلوم ہوتے ہیں۔ مگر حسینؑ کے واقعات میں دوامی بیداری اور حیات کے اثرات ہیں۔ عالم خواب میں بھی ہمارا خیال اس ہستی کی طرف متوجہ رہتا ہے جس کا مثل ونظیر زمانہ نے پیدا ہی نہیں کیا۔ ان کی قربانی ہر دم پیش نظر رہتی ہے کبھی کوئی قربانی اسقدر خلوص ایسی ہمت بلکہ ایسے انکسار اور انسانیت کے ساتھ پیش نہیں کی گئی۔ حسینؑ کی فتح ان کی اور ان کے باوفا رفقاء کی قربانی میں مضمر ہے۔ اپنی جان دے کر حسینؑ نے انسان کے لیے ایک نیا

مطمح نظر قائم کر دیا وہ موت کو حقیر سمجھتے رہے کیونکہ ان کو کامل یقین تھا کہ وہ نور خدا جو انسان میں ہے اس کو فنا نہیں ہے۔ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا کہ خدا کی بادشاہت ہر شخص کے دل میں ہے اور یہ ایک مخفی بادشاہت ہے۔ ہر مذہب کے انبیاء اپنے گرانقدر الفاظ میں اس کا اظہار کرتے رہے لیکن حسینؑ نے اس کو عملاً واضح کر دیا۔ اسی لیے حسینؑ کا تعلق ہر مذہب اور ہر انسان سے ہے۔ حسینؑ کی حیات جاودانی ہے۔

زمانہ ہر شے کو فنا کر دیتا ہے مسرتیں خوشنما پھول ہیں جن کی آب وتاب مٹ جاتی ہے۔ برف گرتی ہے اور پانی ہو جاتی ہے۔

انسان پیدا ہوتا ہے تو مرنے کے لیے لیکن خوشا حال ان کا جو حسینؑ کے ان نقوش قدم پر گامزن ہوتے ہیں جو سراب دہر پر واضح ہیں۔ اور وہ آنکھ حقیقتاً کور ہے جو ان کی دیکھ نہیں سکتی۔ ان نقوش قدم پر صداقت کے عالی ظرفی اور استقلال جلی حروف میں لکھے ہوئے ہیں۔ اگر کسی نے اپنی جسارت سے بدی اور راہ ضلالت کو اختیار کیا تو وہ ضرورتاً کامیاب ہوا ہے اور اس کی جگہ حق پسندوں کو ملی ہے۔ حسینؑ کی وہ صداقت ہے جس کے خلاف ہمیشہ ہمیشہ تمام حربے کند ہیں۔ موت بھی اپنے سرد ہاتھ حسینؑ کی اس صداقت پر نہیں رکھ سکتی جو دراصل خدا کی صداقت ہے۔ کربلا کی افسوسناک صداقت کا اثر دوامی ہے۔ یزید کی مادیت حسینؑ کی اس غیر فانی صداقت کو جس کو حیات دائمی حاصل ہے مٹا نہ سکی کیونکہ یہ کمال انسانی کا سرچشمہ ہے۔ واقعہ کربلا سے زیادہ تکلیف وہ کوئی سانحہ ہو ہی نہیں سکتا مگر اس پر غور کرنے سے مفید اثرات ظاہر ہوتے ہیں کیونکہ اس میں شان کبریائی پائی جاتی ہے۔ اس سانحہ کی صداقت اللہ اکبر اور حسینؑ کی غیر فانی صداقت، العظمت، للہ، حسینؑ کی حیات جاودانی ہے۔

کربلا کی قربانی کی غرض کو کبھی نظر انداز نہ کرنا چاہیے۔ یزید کی نگاہوں میں اس فرد مایہ حکومت کی بڑی منزلت تھی۔ لیکن حسینؑ کی قربانی نے بتا دیا کہ حکومت سے دستکشی کا مرتبہ عظیم تر ہے اور یہی جذبہ جملہ انسانی رفعتوں کا زینہ ہے۔ قومی معیار کی بنیاد اگر حسینؑ کے کارنامہ سے سبق لے کر قائم کی جائے تو خون آشام جنگوں کا وقوع محال ہو جائے اور ملکی فتوحات کے مذموم نتائج ہمیشہ کے لیے فنا ہو جائیں۔ دن کی مدت خواہ کتنی ہی طولانی کیوں نہ ہو آخر ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ایک وقت آئے گا کہ انسان فاسد خیالات کا خطرناک آلۂ کار نہ رہ جائے گا۔ جب قوموں کے دلوں میں حسینی روح جلوہ افگن ہو جائے گی تو وہ جنگ کو قابل مذمت سمجھ کر منتشر ہو جائیں گے جنگ انسانوں میں نفرت آگین خیالات کی باعث ہوئی

اور حسینؑ دائمی چشمۂ الفت کے۔ حسینؑ کی حیات جاودانی ہے۔

بالآخر اتنا عرض کردوں کہ دیگر اہل قلم کربلا کے دلخراش واقعات جن کے متعلق اس سے قبل لکھ چکا ہوں تفصیلات پیش کریں گے اور ہزاروں بار اس کا اعادہ ہوتا رہے گا۔ مگر آج میں نے حسینؑ کی دوامی عظمت کے بارے میں کچھ تحریر کیا ہے۔ لیکن تاوقت کہ ان کے باوفا رفقاء کے بارے میں چند الفاظ نہ ہوں مضمون تمام نہیں ہوتا۔ وہ باوفا جو حسینؑ کے ساتھ جیتے جی اور مرنے کے بعد بھی رہے تمام شجاعوں سے زیادہ شجاع تھے۔ لارڈ روزبری کا قول ہے کہ ''خراج تحسین شجاعوں کے لیے ہے'' امام حسینؑ کی معیت میں موت کی سختیاں جھیل کر گو اب دائمی خواب استراحت میں ہیں مگر درحقیقت اور زیادہ رفیع المنزلت ہو کر وہ ہمارے پاس آ گئے ہیں۔ اور یہ پیغام لائے ہیں کہ دیکھو فرض یوں ادا ہوتا ہے۔ ہمت اس کو کہتے ہیں۔ قومیت اس کا نام ہے۔ اس اہم فرض کو وفاداری سے انجام دینے کی یاد ساتھ لائے ہیں اور ہمیں اپنے کارنامہ کا الہامی پیغام دیتے ہیں۔ رحمت خدا ان کے مزاروں پر نازل ہو۔ ان کی یاد کے ساتھ سر تعظیم خم ہوتے ہیں۔ حسینؑ کی حیات جاودانی ہے۔

حسین کی دعوت

لکھنؤ کے مشہور شیدائے انسانیت جناب پنڈت برجنا تھ شرغہ
ایم اے ایل ایل بی کے امام حسینؑ کے متعلق تاثرات

انسان دنیا کے عیش وعشرت، زرومال، جاہ وحشم کے لئے کیا کچھ نہیں کرتا ہے۔ اس دوروزہ زندگی پر مرتا ہے۔ حیات ابدی سے ڈرتا ہے۔ حق سے منھ موڑ کر باطل کے پیچھے دوڑتا ہے۔ دیندار بنتا ہے کام بے دینوں کے کرتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ گناہوں کے بوجھ کے نیچے کچلا جاتا ہے۔ ہر ملک ہر زمانہ میں ایک نہ ایک شخصیت ایسی ظہور پذیر ہوتی ہے جو اپنے لہو سے بنی نوع انسانی کے گناہوں کا کفارہ دے کر اس کی نجات کی راہ نکالتی ہے۔

ہند میں زمانہ ہوا رنتی دیوا نے اپنے تئیں اپنی جنس پر قربان کیا۔ دو ہزار سال گزرے حضرت عیسیٰ نے کانٹوں کا تاج پہن کر صلیب پر معراج پائی تاکہ انسان کی نجات ہو، تیرہ سو سال ہوئے میدان کربلا میں حضرت امام حسینؑ نے راہ حق پر اپنے کو نچھاور کیا تاکہ دنیا پر مرنے والا انسان حیات ابدی حاصل کرے۔ پھر بھی ہم نے مآل کار دنیا کی دولت ہی کو مان رکھا ہے۔ ہندیوں نے محض بہائم کی زندگی بسر کرنے کے لئے حریت کو قربان کردیا وہ حریت جو دین کی پہلی شرط ہے۔ آج بھی من وتو کے جھگڑے میں پھنس کر حریت کی طرف سے آنکھ پھیرے ہوئے ہیں۔ عیسائی دنیا پر قابو پانے کے لئے نہ محض غیر عیسائیوں پر جور وظلم کرتے ہیں بلکہ خود ایک دوسرے کے فنا کرنے میں مصروف ہیں اور اس زندگی کو روحیانیت اور تہذیب کی معراج سمجھتے ہیں۔ پیروان حسینؑ بھی نا قابل معافی ہیں۔ صدق دل سے حسینؑ پر اگر عقیدت ہے تو ان کے نقش قدم پر چلنا فرض ہے۔ یہ سود وزیاں کا حساب لگانا بے کار ہے، جان رہے یا جائے ثروت وحشمت حصہ میں پڑیں یا نہ پڑیں حق پر فدا ہونا اور باطل کو فنا کرنا یہی پہلا اور آخری زینہ حسینؑ کے مذہب کا ہے۔ جو حق پر فنا ہوتا ہے وہ واصل حق ہوتا ہے اور واصل حق کے لئے اپنا اور بیگانہ،

دوست ودشمن سب ہی ایک رشتہ حق میں بندھ جاتے ہیں اور وہی ذات حقیقی کے حق کے عکس نظر آتے ہیں۔دنیا کی تفریق اس کے لئے لایعنی ہے مخلوق اسے اپنا سمجھتی ہے اور وہ مخلوق کو اپنا سمجھتا ہے۔

حضرت امام حسینؑ نے ورثہ میں غم کیوں دیا۔کیا یہ ممکن نہ تھا کہ وہ یزید کا مقابلہ کثیر فوج سے کرکے اسے تہہ تیغ کرتے۔اور دنیا میں بجائے ماتم کے محفل چراغاں ہوتی۔غیر ممکن تو نہ تھا لیکن اگر وہ ایسا کرتے تو اس کا ثبوت نہ ملتا کہ کمزور بھی باطل کا سامنا کر سکتے ہیں اور اپنی ہستی مٹا کر باطل کی بیخکنی کر سکتے ہیں۔ہر شخص راحت تن کے خیال سے اپنے کو کمزور سمجھ کر باطل پرست بن بیٹھتا اس کی بیعت کرتا۔صرف یہی نہیں حسینؑ کی قربانی میں ایک اور بھی راز ہے۔وہ آئے تھے انسان کے دل پر اس کے فریضہ کی چھاپ ڈالنے۔یہ محفل چراغاں میں ناممکن تھا۔دل پر چوٹ لگتی ہے۔گہری چوٹ لگتی ہے تو غم کی نہ کہ خوشی کی۔رنج والم کی تیز آنچ میں دل کو تپا کر ہی حسینؑ نے اس پر اپنا نقش کندہ کیا ہے۔رنج کا کتنا دیر پا اثر ہوتا ہے اس کے شاہد ہیں عاشق کا دل اور شاعر کا کلام۔اگر دل میں ہر وقت حسینؑ کا درد ہے تو وہ اسی کی فکر میں رہے گا۔انسان کو اس کے نقش قدم کی تلاش ہوگی اور اس پر چل کر حیات جاودانی حاصل کرے گا۔اگر سچے دل سے یہ دعا ہوگی کہ:

یا خدا جب تک کہ دم میں دم رہے
بس حسینؑ ابن علیؑ کا غم رہے

تو اسے محسوس ہوگا کہ قدرت حسینؑ کے رنج میں ڈوبی ہوئی ہے۔حسینؑ کی سوگواری میں زمین سبز پوش ہے۔ضیا سر دھن رہی ہے گل چاک گریبان ہے۔نرگس حیران ہے حوض چشم پر از آب ہے، برگ اشجار کف افسوس مل رہے ہیں۔پیپل سرد آئیں بھر رہا ہے۔سرو خاموش کھڑا ہے۔چشمے نالہ کناں ہیں۔لہریں سر کوباں ہیں۔چڑیاں گریہ وزاری میں مصروف ہیں۔غرضکہ تمام عالم ایک مجلس عزا ہے۔ بااین ہمہ قدرت کا ذرہ ذرہ جدوجہد میں لگا ہوا ہے۔زندگی ہے نام جدوجہد کا۔

میدان کارزار میں حضرت امام حسینؑ کا شہید ہونا زبان حال سے جدوجہد کی تلقین کر رہا ہے۔ بیکس وبے بس بیوہ اور ضعیفہ کی طرح محض سینہ کوبی کافی نہیں ہے۔دل رنج امام سے آباد ہو ہاتھ امام کے کام میں لگے ہوں۔دل بیاد دست بکار۔کام بھی وہی جو امام کے پیرو کے شایان شان ہوں۔

روزی کے لئے تو جانور بھی دوڑتے پھرتے ہیں اگر ہم بھی محض شکم پری کے کام میں پھنسے رہے

تو ہم میں اور جانوروں میں فرق ہی کیا رہا۔ اگر ہم زندہ جاوید ہونا چاہتے ہیں تو ہم کو اپنے خیالات واحساسات سے اپنے حرکات وسکنات سے حق کا اعتراف کرنا چاہیے۔ دنیا میں دو ہی راستے ہیں ایک حسینؑ ایک یزید کا۔ ایک عیسیٰ کا ایک شیطان کا۔ ایک رام کا ایک راون کا۔ ہمارے اختیار میں ہے جس راستہ پر چاہیں چلیں۔ اگر یزید کا راستہ اختیار کرتے ہیں دنیا کے عیش وعشرت کے نشہ میں ہم اپنے خالق کو نہیں نہیں خود اپنے کو بھول جاتے ہیں۔ طاقت کے نشہ میں غریب آزادی کرتے ہیں۔ کچھ دن چین سے کاٹ لیتے ہیں لیکن بالآخر ہمارے اعمال ہماری بدکرداریاں نہ محض عقبیٰ میں بلکہ یہاں اسی دنیا میں جہاں ہم اپنے کو سب سے بڑا سب کا مخدوم سمجھتے تھے ذلیل وخوار کرتے ہیں۔ ہماری دولت ہماری طاقت ہماری شفاعت نہیں کر سکتے۔ اگر حسینؑ کی راہ اختیار کرتے ہیں تو جسمانی راحت کو خیر باد کہنے کو تیار رہنا چاہیے۔ پانی کی ایک ایک بوند کے لئے ترسیں مگر حق پر ثابت قدم رہیں۔ اپنے عزیز اپنے بچے آنکھوں کے سامنے ہم سے بچھڑ جائیں ہم اُف نہ کریں۔ سر قلم ہو اور اسے موذی مرتد ٹھکرائیں لیکن باطل کی بیعت نہ کریں۔ ایسا ایثار چاہیے حسینؑ کی راہ پر چلنے والے کے لئے۔ اپنے کو مٹا دے حق کا ہو رہے۔ اُسی کا بول بالا ہے۔ اس وقت دنیا کو ضرورت ہے خود فراموش حق پرستوں کی حسینؑ اپنی روشن زندگی سے دنیا کو دعوت دے رہے ہیں کہ آؤ میرے قدموں کے نشان پر چلو مٹا دو اپنے تئیں حق کے لئے مقابلہ کرو باطل کا ہمت سے مردانگی سے۔ بنی نوع انسان کو ترقی معکوس سے بچاؤ جس پر اس نے اب قدم بڑھایا ہے۔ انسان کو انسانیت سے بالاتر ہونا ہے۔ اسے حیوانیت کی طرف واپس مٹ ہونے دو جو اس دعوت کو قبول کرتے ہیں وہ حسینؑ کے سچے پیرو ہیں۔ وہ اپنے رسول کے جگر کے ٹکڑے ہیں وہ اپنے خدا کے سب سے پیارے بندے ہیں۔ حسینؑ کی یہ دعوت ایک ملک ایک مذہب ایک قوم ایک زمانہ کے لئے محدود نہیں ہے۔ وہ تو بحر حیات میں مثل ان روشنی کے بُرجوں کے ہے جو ہر وقت ہر ملک وقوم وملت کے بھولے بھٹکے جہازوں کو خطرہ سے آگاہ کر دیتے ہیں اور سلامتی کی راہ دکھا دیتے ہیں۔

امام حسین علیہ السلام کی بابت

مہادیوراج کی پیشنگوئی

مہاراجکمار محمد امیر حیدر

مہاراجکمار محمد امیر حیدر صاحب بالقابہ آف محمود آباد۔ متولی منتظم ادارہ عالیہ مدرستہ الواعظین لکھنؤ
مہادیو جی پاربتی جی سے فرماتے ہیں۔(چنانچہ یہ پیش گئی متعدد کتابوں میں دیکھنے کا اتفاق ہوا۔)
مہامت (محمدؐ) کی اس بیٹی (فاطمہؑ) کو وہ قادر دو نیک بخت (حسنؑ اور حسینؑ) فرزند عنایت کرے گا وہ دونوں حسن و جمال والے ہوں گے، بہت زور والے اللہ کو پہنچاننے والے شجاعت والے اور سب کاموں میں بے مثال ہوں گے۔ وہی مہامت کے بیٹے (فرزندان رسولؐ) ان کے جانشین ہوں گے اور ان سے بہت سی اولاد ہوگی یہ دونوں مہامت کے دین میں کامل ہوں گے اور کوئی کام اپنی خوشی کے واسطے نہ کریں گے اور ان کے سب قول فعل اس بڑے قادر کی مرضی کے موافق ہوں گے۔
اے پاربتی مہامت کے مرنے کے بعد چند سال گزریں گے کہ مہامت کے ان دونوں نواسوں کو بعض شریر لوگ ناحق ظلم کر کے دنیا کی خاطر مار ڈالیں گے اور ساری زمین ان کے مارنے جانے سے سرخ ہو جائے گی اور ان کے ماننے والے ملچھ (بے دین) ہو جائیں گے ظاہر میں مہامت کے دین میں کہہ لائیں گے (منقول از کتاب بشارت احمدی وذبیح فرات و حسینی دنیا)
بحوالہ اتر کھنڈ: بیاس جی نے کتاب بھونک اتر پران میں جو پتے مہامت کے متعلق پیش کیے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ مہامت ''محمدؐ'' کو کہتے ہیں۔
حضرت علی علیہ السلام کو ان کے نام سے اور کبھی ایلیا کے لقب سے ہندوستان کے مذہبی پیشواؤں نے پکارا ہے

(۱) پانڈوں اور کوروں کی مشہور جنگ میں سری کرشن جی مہراج نے اپنے مالک حقیقی کے سامنے زمین بوس ہو کر یہ دعا مانگی تھی۔

ہے پرمیشور سنسار پرم آتما تجھے اپنی ذات کی قسم جو آکاش اور دھرتی کا جنم کارنٹر ہے اور اس کی قسم جو تیرے پیارے کا پیارا (محبوب محبوب خدا) تجھے اس کا واسطہ جو آہلی (حوت) ہے جو سنسار کے سب سے بڑے مندر (خانہ کعبہ) کالے پتھر (حجر اسود) کے نزدیک اپنا چمتکار دکھلائے گا تو میری بنتی سن۔ جھوٹے راکشوں کو نشٹ کر اور سچوں کو فتح دے۔ ہے ایشور اہلا اہلا اہلا اہلا

(رسالہ کرشن بنتی مولفہ پنڈت رام دھن ص ۷۲)

(۲) کتاب ناگر ساگر میں پنڈت کرشن گوپال لکھتے ہیں:

پراچین سمے کی پرانی زبان میں ایک سنسکرت ہی ہے جس کا یہ دعوی ہے کہ وہ سب سے پرانی بولی ہے اس میں کوئی کوئی شاکھیا ایسے بھی ہیں جو آج کل عام لکھنے پڑھنے اور بولنے میں نہیں آتے۔ اسی طرح ایک نام ہے ''ایلا'' اس کا مطلب ہے بڑے اونچے درجہ والا اور اہل آہلی یا آلی بھی اسی سے نکلتا ہے۔ جیسا کہ عربی زبان میں کہتے ہیں اعلیٰ، عالی، علی تعالیٰ وغیرہ پراچین ویدوں میں بہت سے ایسے لفظ ملتے ہیں جن کو پڑھنے والے شبہ کر سکتے ہیں۔ کہ وہ عربی بگڑے ہوئے یا سنسکرت سے عربی میں میں چلے گئے ہیں۔

ملاحظہ ہو کتاب ناگر ساگر شایع کردہ نرائن بکڈپو آگرہ۔ ۱۹۱۷ء دوسرا ایڈیشن مطبوعہ سمپورن پریس آگرہ۔

مجاہدۂ حسینی اور اسلام

جناب منشی بشیشور پرشاد منور لکھنوی

انسانی زندگی کی مقدس ترین اور عظمت دوام رکھنے والی جتنی بھی قدریں ہمارے محدود ذہنوں میں آ سکتی ہیں۔ان میں سے کسی ایک قدر کی بھی پامالی سے بنی نوع انسان کی جبلی فضلیت کو دھکا پہنچتا ہے یہ پامالی اقدار اس طویل وعریض دنیا کے خواہ کسی گوشے میں بھی ہو اس کا اثر تمام دیار وامصار پر براہ راست یا بلا واسطہ پڑتا ہے لیکن دنیا کی وہ ٹریجڈی ہے جو سرزمین کربلا پر واقع ہوئی۔اس میں جہاں تک زیادہ سے زیادہ غور کرنے سے پتا چلتا ہے، مہذب ومتمدن دنیا کی کوئی قدر بھی ایسی نہیں جس کی ہلاکت بنی امیہ کے ہاتھوں نہ ہوئی ہو۔مذہبی اخلاقی معاشرتی اور روحانی غرض کوئی بھی قدر ایسی نہیں جس کا خون حادثہ کربلا میں انتہائی بے دردی کے ساتھ بہایا نہ گیا ہو۔یہی وجہ ہے کہ آج تقریباً چودہ سو سال بعد بھی دنیا کے ہر گوشے میں اس حد درجہ انسانیت سوز ہی نہیں بلکہ یزدانیت کش واقعہ پر غم وغصہ کا اظہار کیا جاتا ہے۔اور شاید ہی کوئی ایسا شقی القلب انسان یا انسانی جماعت ہو جو واقعہ کربلا کو شیطانی فطرت کا بدترین مظاہرہ نہ سمجھتی ہو۔

یہ صحیح ہے کہ واقعہ کربلا کے بعد بھی تقریباً دینا کے ہر ملک میں ایسے ایسے روح فرسا اور دہشت انگیز واقعات ہر زمانے میں پیش آتے رہے ہیں اور آج بھی ہر قسم کے قدروں کے قابل نفرت قاتل اپنا کام کرتے رہتے ہیں۔

اگر واقعہ کربلا کے بعد پیش آنے والی ٹریجڈیوں کا تفصیلی ذکر کیا جائے تو ایک حجیم وضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

بہر حال اس تفصیل کی میری ان چند سطور میں گنجایش نہیں پھر بھی عفریت پرستوں کا دور دورہ واقعہ کربلا کے ساتھ ختم نہیں ہو گیا مظالم وہی ہیں۔شدائد وہی ہیں مگر ان کی نوعویت ان کی صورت جداگانہ ہے۔پھر بھی اس سے سرزمین عرب میں بانی اسلام کی رحلت کے چند سال بعد ہی ان کے معصوم نوا

سوں پر جو قیامتیں بر پا کی گئیں ان کی اہمیت کسی طرح کم نہیں قرار دی جاسکتی۔

کربلا کی ٹریجڈی کیوں اور کس طرح نازل ہوئی اس کے پس منظر سے تمام پڑھنے لکھے حضرات واقف ہیں اور خاص طور پر وہ حضرات جن کو اسلامیات نیز واقعات کربلا کا بے لوث مطالعہ کرنے کے مواقع حاصل ہوتے رہتے ہیں۔

میں مسلمان نہیں، میری طرح اور لاکھوں انسان حلقہ اسلام میں داخل نہیں مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں دنیا کی اس عظیم ترین ٹریجڈی کی طرف سے چشم پوشی کرلوں جس میں صرف اسلامی قدروں کی ہی نہیں عالمگیر قدروں کی بیخ کنی کرنے میں انسانیت اور یزدانیت کے دشمنوں نے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی ہو۔ مسلمان نہ ہونے پر بھی میں محسوس کرتا ہوں کہ اگر انسان کو قدرت نے جینے کا حق دیا ہے تو اسے جینا چاہئے اور ہر ایسی قیمت پر جینا چاہئے جس سے انسانیت اور یزدانیت کا خون نہ ہو۔

کربلا کے حادثۂ عظیم کے بعد بھی اسلام ابھرا اور ایک نئے ولولے ایک نئے جوش اور ایک نئی قوت کے قالب میں ڈھل کر ابھرا اسی لیے تو مولانا محمد علی مرحوم نے فرمایا تھا۔

قتل حسینؑ اصل میں مرگ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

اور اسی لیے میں نے کئی سال ہوئے اپنی ایک نظم میں یہ کہنے کی جسارت کی تھی کہ

ہوتا نہ کہیں ذکر رسول عربیؐ کا
لیتا نہ کوئی نام بھی اس پاک نبیؐ کا
قرآن کے احکام کی توقیر نہ ہوتی
دنیا کبھی اسلام سے تسخیر نہ ہوتی
انساں کوئی اس دین سے آگاہ نہ ہوتا
امید جہاں خانۂ اللہ نہ ہوتا
ایماں جسے کہتے ہیں وہ ایمان نہ رہتا
اسلام کی توسیع کا امکاں نہ ہوتا
پیغام الٰہی پہ کوئی جان نہ دیتا

تعلیم پیمبرؐ پہ کوئی کان نہ دیتا
تہذیب حجازی فلک آثار نہ ہوتی
دینائے عرب خواب سے بیدار نہ ہوتی
رخ بھول کے قبلہ کی طرف کوئی نہ کرتا
حاصل یہ تفوق یہ شرف کوئی نہ کرتا
مردان خدا کی کبھی تعریف نہ ہوتی
اصحاب ہدا کی کوئی توصیف نہ ہوتی
اس سمت نہ اٹھتی کبھی دنیا کی نظر بھی
اسلام کے پرچم پہ نہ جھکتا کوئی سر بھی
بھرتا نہ کبھی کوئی بھی دم پنجتنی کا
یہ ہاتھ اٹھاتے نہ علم پنجتنی کا
شمشیر علیؑ نازش اسلام نہ بنتی
صمصام حقیقت میں یہ صمصام نہ بنتی
توحید کے آئین جہانگیر نہ ہوتے
ممتاز شہادت سے جو شبیرؑ نہ ہوتے
اسلام نہ رہتا کسی تدبیر سے زندہ
اسلام ہے قربانی شبیرؑ سے زندہ

جس زمانے میں میں نے حضرت امام حسینؑ کی شہادت عظیم کے متعلق اپنے ان محسوسات کا اظہار کیا ہے جو اس نظم میں شامل ہیں تو مجھے اشاعت نظم کے بعد یہ خیال آیا کہ اگرچہ میرے یہ محسوسات حقیقت اور واقفیت پر مبنی ہیں پھر بھی میں نے شاعرانہ غلو سے کام لے کر کہیں اسلام کے کسی طبقہ کے جذبات کو نادانستہ طور پر ٹھیس تو نہیں پہنچائی اور میں ڈر رہا تھا کہ کہیں اس نظم سے کوئی پہلو ایسا تو نہیں نکلتا جس سے حضرت امام حسینؑ کی شہادت سے پیغمبر اسلامؐ کی عظمت پس پشت پڑ جاتی ہو۔ لیکن مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ جو بات میں نے اپنی نظم میں کہی وہ متعدد اور شاعروں اور نثر نگاروں نے بھی اپنے اپنے

مخصوص انداز بیان میں ایک مرتبہ نہیں بار بار فرمائی ہے اور مولانا محمد علی مرحوم کے مذکورہ بالا شعر سے تو میری کلی طور پر تشفی ہوگئی کہ میرے معروضات میں کسی قسم کا مبالغہ یا غلو نہ تھا اور اس سے رسول عربی کی عظمت فضیلت کو کسی طرح سے بھی کوئی صدمہ نہیں پہنچا تھا۔

اسلامیات پر قلم اٹھانا ایک غیر مسلم کے لیے بہت نازک کام ہے۔ معلوم نہیں کون بات اس کے قلم سے خواہ وہ کتنی ہی نیک نیتی پر کیوں نہ مبنی ہو ایسی نکل جائے جس سے اہل اسلام کو من حیث المجموع یا اس کے کسی ایک مخصوص فرقے کی دل آزاری کا پہلو نکل آئے۔

اور یہ ایک حقیقت ہے کہ واقعۂ کربلا کے بارے میں بھی خود اہل اسلام میں دو نظریئے ہیں۔ ایک طبقہ اسے تعقل و استدلال کے نقطۂ نظر سے دیکھ کر اس کی المناکیت کا قائل ہونے کے باوجود اسے اتنی اہمیت نہیں دیتا جتنا ایک دوسرے طبقہ والا دیتا ہے۔ دوسرے طبقہ میں دلائل و براہین کے ساتھ ساتھ جذبات انگیزی سے بھی کام لیا جاتا ہے اور وہ اس واقعہ کو بتریک و تقدس کا لباس پہنا کر اس کی یاد میں اظہار غم والم کو اپنے لیے توشۂ نجات قرار دیتا ہے۔

صاف الفاظ میں اگر کہا جائے تو سمجھ لیجئے کہ واقعات کربلا کو شیعہ حضرات ایک جداگانہ نظریہ سے دیکھتے ہیں اور اہل تسنّن کا زاویہ نظر ان سے قدرے جداگانہ ہے۔ اگرچہ دونوں ہی فرقے حضرت امام حسینؑ کی شہادت کو شہادت عظمیٰ قرار دے کر ہر سال عزاداری کرتے ہیں۔ دونوں کے جداگانہ نظریات کا دارومدار واقعات کربلا کے پس منظر پر ہے اور یہ اختلاف اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب پیغمبر اسلامؐ کی رحلت کے بعد خلافت کا حق حضرت علیؑ سے چھین کر دوسرے خلفاء کو دے دیا جاتا ہے۔ اسی لیے اکثر اہل الرائے اس پس منظر کو پیش نظر رکھ کر واقعات کربلا کو ایک سیاسی کشمکش کا منطقی نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ ممکن ہے کہ اس نظریے میں کچھ وزن ہو پھر بھی حصول اقتدار کی اس کشمکش کا انجام جس ہولناک صورت سے پیش آیا ہے وہ انسانیت سوز ہی قرار دیا جائے گا اور اسی لیے اگر مظلوم طبقہ اس انسانیت سوزی کے خلاف اپنے الم انگیز جذبات کا اظہار وقتاً فوقتاً آہ و بکا اور شور وشین کے ساتھ کرتا ہے تو ہمیں اس پر انگشت نمائی کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

شہنشاہ اورنگ زیب نے اپنے باپ اور بھائیوں کے ساتھ جو سلوک کیا اس میں خواہ کتنی ہی سیاسی مصلحتیں کیوں نہ پوشیدہ ہوں اور مذہبی نقطۂ خیال سے کچھ مسلمان اُسے خواہ کتنا ہی جائز کیوں نہ قرار دیں

لیکن عام اخلاقی اصول اور اعلیٰ انسانی قدروں کو مدنظر رکھتے ہوئے کوئی شخص بھی جو برائے نام بھی فہم وفراست رکھنے کا دعوے دار ہو۔ اورنگ زیب کے اس طرز عمل کی کبھی تحسین وستایش نہ کرے گا کیونکہ بہر حال اعلیٰ انسانی اقدار اس شہنشاہ کے اس طرز عمل سے مطمئن نہیں ہوتیں۔

ایک شہنشاہ اورنگ زیب ہی پر کیا منحصر ہے۔ دنیا کی تاریخ میں اور نہ جانے کتنے واقعات ایسے پیش آئے ہیں جو سیاست ملوکانہ کے نقطۂ خیال سے خواہ کتنے ہی بجا و درست کیوں نہ قرار دیئے جائیں اعلیٰ انسانی اقتدار کبھی ان کی تائید نہ کریں گی۔ جیسا کہ ہمارے دور میں مہاتما گاندھی کا قتل بھی ایک سیاسی نظریہ کا مایوسانہ منطقی نتیجہ تھا۔ اس کے باوجود بہ استثنائے چند دنیا کے ہر فرد بشر نے اس قتل کو انسانیت کی موت قرار دیا۔ اس لیے میرا یہ عرض کرنا غالباً نادرست ہوگا کہ پیغمبر اسلام حضرت محمدؐ کے انتقال کے بعد حق خلافت کے متعلق سیاسی کشمکش خواہ کتنی ہی نیک نیتی اور خلوص پر مبنی کیوں نہ ہو اس کا نتیجہ حضرت علیؑ اور اس کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام اور ان کے بہتر رفقا کی قربانی کی شکل میں ہرگز نہ نمودار ہونا چاہیے تھا اس لیے واقعات کربلا کی ذمہ داری سے وہ شخصیتیں کسی طرح مبرہ نہیں کہی جاسکتیں جن کا مسئلہ خلافت سے براہ راست یا بالواسطہ تعلق کسی نہ کسی صورت سے رہا ہے اور جن کی چشم پوشی یا در پردہ حمایت کے باعث بنی امیہ کے حوصلے اس قدر بڑھ گئے کہ انہوں نے ذاتی اغراض کے سامنے دینی اغراض کو قربان کر دیا۔ اسلام کو ترقی وقوت دینے کے بجائے ایسے ذرایع اختیار کئے جس سے اسلام کشی کا پہلو پیدا ہوگیا اور یہ اسلام کشی آخر میں حضرت امام حسینؑ کی شہادت عظمیٰ میں ظاہر ہوئی۔ لیکن چونکہ حضرت امام حسینؑ نے جو کچھ کیا کسی ذاتی غرض کے تحت نہیں کیا۔ صرف اسلام اور اس رفیع المقاصد اسلام کے تحفظ و بقا کے لیے کیا جس کی روشنی اُن کے مقدس ومحترم ناناؐ کے ذریعہ دنیا میں ظہور پذیر ہوئی تھی بنوامیہ اور ان کی اولاد کے ہاتھوں اسلام کی جو مٹی پلید ہو رہی تھی اور اسلام کا جس طرح سے خون بہایا جارہا تھا حضرت حسینؑ نے اس کے خلاف آواز اٹھائی اور محض آواز ہی نہیں اُٹھائی اسلام کی حفاظت اسلام کے استحکام و بقا اور اسلام کی روح کو دائم وقائم رکھنے کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ انہوں نے جو کچھ کیا اللہ کی راہ میں ایمان کی راہ میں اور اسی لیے ان کی شہادت عظمیٰ اسلام کے خاتمے کا سبب بننے کے بجائے اس کے دوامی استقرار و استحکام کا باعث بن گئی۔

انسانیت اور درندگی کا کھلا ہوا مقابلہ

بابو مہابیر پرشاد، سریواستوا
ایڈوکیٹ وسابق وزیر گورنمنٹ، یوپی

ہر ملک، ہر قوم اور ہر مذہب میں کچھ نہ کچھ لوگ ایسے گزرے ہیں، جنہوں نے اپنی مادی ضرورتوں کو حق وانصاف کا بول بالا رکھنے کے لیے قربان کر دیا ہے۔ ایسے لوگ انسان کی تاریخ میں زندہ ہیں اور ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ ان کی یادیں بھی موقع محل سے منائی جاتی ہیں لیکن دنیا کے تمام واقعات اور قربانی کی اعلیٰ ترین مثالوں میں، کربلا میں امام حسینؑ ان کے عزیزوں اور دوستوں کی شہادت ایک ایسا واقعہ ہے، جس کا جواب ہم کو کسی دوسری جگہ نہیں ملتا ہے۔ یہیں سبب ہے کہ اس شہادت سے بلا تفریق مذہب وملت اور تمام جغرافیائی خصوصیتوں سے علاحدہ ہو کر تمام انسانوں نے چاہے ان کا تعلق کسی بھی ملک سے کیوں نہ ہو، اثر لیا ہے اور اس کارنامے کی یاد اس طرح منائی جاتی ہے۔ جس کی مثال بھی اور کہیں نہیں ملتی۔

امام حسینؑ کی بزرگی ثابت کرنے کے لیے اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ واقعہ کربلا کو چودہ سو برس گزر جانے کے بعد بھی یہ غم اتنا ہی تازہ ہے گویا کہ یہ شہادت کل ہی واقع ہوئی تھی یہ ہر سال محرم کا چاند نکلتے ہی ہم کو یہ یاد آجاتا ہے کہ امام حسین ترک وطن پر مجبور کر دیئے گئے تھے اور صحراؤں اور جنگلوں کا گرمی کے زمانے میں سفر کر کے کربلا پہنچے تھے جہاں سے ان کو آگے بڑھنے کی اجازت نہیں دی گئی۔

دوسری محرم کو ان کے خیمے دریا سے دور جلتی اور تپتی ریت پر نصب کرائے گئے ساتویں سے پانی بند کیا گیا اور لڑائی چھڑ جانے کا سارا انتظام نویں محرم کو مکمل ہو گیا۔ امام حسین نے اپنے دشمنوں سے ایک رات کی مہلت مانگی اور دوسری روز یعنی دسویں محرم کو وہ اور ان کے ساتھ ایک ایک کر کے شہید کر دیئے گئے۔ امام حسین نے اس ہنگامے میں بھی یہ تجویز پیش کی اکہ ان کو چھوڑ دیا جائے تو وہ یزید کی سلطنت اور پورے عرب ملک سے بے تعلق ہو کر ہندوستان چلے جائیں گے لیکن ان کے دشمنوں کو یہ بھی گوارا نہ ہو کہ وہ مسلم ملک سے باہر نکل کر اپنے ہندو دوستوں کی امان میں زندہ وسلامت رہ سکیں گے۔

تاریخ کا مطالعہ ہم کو یہ سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ آخر امام حسینؑ کر زندہ نہ رہنے دینے پر اتنا اصرار کیوں تھا؟ کہا گیا تھا کہ امام یزید کی بیعت کرلیں اور اگر وہ بیعت نہ کریں تو ان کو قتل کردیا جائے صورت حال واضح ہے۔ بیعت کے یہ معنی تھے کہ امام حسین جو شرافت، انسانیت، حق، صداقت، انصاف اور پا کیزگی کا مجسمہ تھے ایک ایسے شخص کے آگے سر جھکا دیتے ہیں جو کسی ایماندار آدمی کے نزدیک روحانی سر داری تو درکنار مادی سلطنت کا بھی اہل نہ تھا۔ امام حسینؑ کا ضمیر کچلا نہیں جاسکتا تھا ان کے لیے ان کا قتل کر دیا جانا آسان تھا۔ اپنے ضمیر کی پا کیزگی کو ہمشیہ کے لیے زندہ بنا دینا ان کے لیے ضروری قرار پایا۔ اس لیے انہوں نے صرف اپنے قتل کر دیئے جانے پر قناعت نہیں کی بلکہ ایک دن کے چند گھنٹوں میں ایسے بہتر ساتھوں کی قربانیاں پیش کر دیں جن کو وہ بہت اچھی طرح پرکھ کر اور عرب سماج سے چن کر اپنا سوچا سمجھا مقصد حاصل کرنے کے لیے کربلا لائے تھے۔ ان بہتّر ساتھیوں میں ایسے بوڑھے بھی تھے جن کو آنکھوں سے دیکھنے کے لیے پپوٹو اوپر کھینچ کر رومال سے باندھنا پڑے اور گھوڑے پر بیٹھ سکنے کے لیے کمر کو کس کے باندھنا پڑے اور انھیں بہتّر میں نابالغ بچے بھی تھے جن میں ایک چھ مہینے کا دودھ پیتا بچہ بھی تھا ان شہیدوں کے حالات پڑھ کر بے ساختہ کہنا پڑتا ہے کہ اگر کربلا کے میدان میں انسانیت اور روندگی کا کھلا مقابلہ ہوا جس میں مرنے والوں نے اپنی جان کی بازی لگا کر میدان جیت لیا۔

ان تمام واقعات و حالات کے پیش نظر کہنا پڑتا ہے کہ امام حسینؑ نے انسانیت کا مرتبہ بلند کیا ور آدمیت کا سر فخر سے اونچا ہو گیا اس لیے ہر شخص کے واسطے جس کے دل میں انسانیت کی عظمت اور آدمیت کا درد ہے یہ ضروری قرار پاتا ہے کہ وہ امام حسین کی یاد تازہ رکھنے اور واقعہ کربلا سے اپنی روزمرّہ کی زندگی میں سبق لیتا رہے۔ امام حسین کے کردار سے برائے نام اثر لے لینا بھی ہم میں بہت سی خوبیاں اجاگر کر سکتا ہے اور ان کی یاد ہم کو مذہبی دیوانگی کی سطح سے اونچا کر کے آدمیوں کے درمیان میں بھائی چارے کا رشتہ قایم کرتی ہے۔ محرم کی مجلسوں کو اگر مذہبی رسم ورواج مان بھی لیں تو شاید یہی ایک ایسا رسم ورواج ہے جس میں ہر مذہب کا آدمی برابری کے ناتے ایک طرح سے بیٹھ کر برابر سے شریک ہوسکتا ہے کہ یہی وہ مذہب ہے جس میں ہر مذہبی خیال کا آدمی، صرف آدمی ہوتے ہوئے ایک انسان کامل کی یاد میں مادیت کی دینا سے نکل کر، روحانی قدروں سے لطف اندوز ہوتا ہے اور اپنی زندگی کے لیے سبق حاصل کرتا ہے۔

❁❁❁

حسین اور امن

پنڈت ویاس دیو مصرا (بار، ایسٹ، لا، دہلی)

رسول کریمؐ کو خدا نے دنیا میں رحمت اللعالمین بنا کر بھیجا، اور یہ حقیقت ہے کہ رسولؐ نے اپنے اخلاق و آداب اور تہذیب و تمدن سے دنیا پر یہ ظاہر کر دیا کہ نہ صرف مسلمانوں کے لیے بلکہ دنیا کی ہر قوم اور ہر مذہب کے لیے وہ رحمت تھے۔ بڑی بڑی مصیبتیں جھیلیں مگر پیشانی پر شکن نہ آئی، غیروں کا تو کیا کہنا ہے اپنوں نے بھی چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ مگر رسالتؐ اپنا صحیح فرض ادا کرتی رہی، تاریخ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول نے کسی جنگ میں بھی پہل نہیں کی بلکہ امن وامان کا پیغام دیا اگر امن وامان قائم رکھنے کے لیے جبراً جنگ بھی کرنی پڑی، تو خدا کے اس آخری پیغمبرؐ نے ہارے ہوؤں کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا کہ دنیا قیامت تک اسے یاد رکھے گی۔

رسولؐ کے بعد علیؑ نے بھی وہی راستہ اختیار کیا جس کی حفاظت کے لیے رسولؐ کو بڑے بڑے مصائب برداشت کرنا پڑے۔ وہ علیؑ جو شیر خدا تھا اور جس کا سکہ دنیا کے بڑے بڑے پہلوانوں اور سرکشوں کے دلوں پر بیٹھ چکا تھا۔ جس نے ہر جنگ میں رسولؐ کو اور رسالت کو بچانے کے لیے اپنی جان پیش کی، جس کی ذوالفقار چند لمحات میں سارے عالم کو ختم کر سکتی تھی رسولؐ کے بتائے ہوئے راستے پر ثابت قدم رہا، اور امن وامان کا پیغام زمانے کو دیتا رہا دنیا نے امن وامان کی راہ اس پر بند کر دی، مگر اس کے قدم صراط مستقیم سے نہ ڈگمگائے، مسجد خدا کا گھر ہے، اور یہاں کافر کو بھی امن وامان ملتی ہے مگر رسول کے داماد اور جانشین کے لیے مسجد میں بھی امان نہ ملی، اور حالت نماز میں بے رحمی سے شہید کیا گیا۔

علیؑ ضربت کے بعد دو روز زندہ رہے، حسنؑ و حسینؑ اور عباسؑ جیسے فرزند نظروں کے سامنے تھے۔ اگر چاہتے تو قاتل کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے مگر رسولؐ کے گھرانے والے اور اپنا طرز عمل نہیں بدلتے، علیؑ کی نگاہ پیاسے قاتل کی طرف گئی حسنؑ کو حکم دیا کہ شربت کا پیالہ قاتل کو پلایا جائے۔ رحمت کا کام رحم و کرم کرنا ہے رحمت اللعالمین کے گدی نشین نے قاتل کو شربت پلا کر یہ ظاہر کر دیا کہ ہمارا کام امن وامان پھیلانا ہے ہم قاتل سے بھی بدلہ نہیں لیتے۔

علیؑ نے جام شہادت پیا۔ اہل بیت نے بجائے بدلہ لینے کے خاموشی اختیار کی۔ دنیا والے دنیا کی سوچیں گے مگر رسولؐ کے گھرانے والے ایک کے بعد ایک کا ماتم کرتے رہے نانا کو اچھی طرح رونے نہ پائے تھے کہ ماں کا سایہ سر سے اٹھ گیا، شفقت پدری نے تسلی دی، اور اتنا ضرور ہوا کہ دل کھول کر نانا کا اور ماں کا غم منالیا اب تک یہ وقت نہ آیا تھا کہ جب رونا بھی منع ہو۔ ابھی ماں کو جی بھر نہ روئے تھے کہ باپ نے بھی داغ مفارقت دے دیا۔ دنیا نظروں میں تاریک ہوگئی۔ وقت یا تو یاد الٰہی میں گزرتا تھا یا رسولؐ، علیؑ اور فاطمہؑ کی قبروں پر گریہ وزاری میں۔ مگر کیا مجال کہ دل میں بدلہ لینے کا خیال بھی پیدا ہوا ہو۔

حسنؑ کا زمانہ آیا مشکلات پہلے سے کہیں زیادہ ہوگئیں، جتنی اسلام کی تبلیغ ہوتی گئی اتنا ہی دشمنان اہل بیت بڑھتے گئے، علیؑ کے اس فرزند نے دنیا کے جاہ وجلال کو ٹھکرا دیا، ظاہری حکومت کو بے معنی سمجھ کر اس کی طرف توجہ نہیں کی۔ صلح کر کے امن وامان کو اس معراج تک پہنچا دیا اور خود گوشہ نشین ہو گئے۔ مگر دشمنان دین نے اس پر بھی آرام سے نہ رہنے دیا۔ رسولؐ کے اس جلیل القدر نواسے کو زہر دلوا دیا، کلیجہ ٹکڑے ٹکڑے ہوکر نکل گیا، زہر نے اس چراغ نبوت کو خاموش کر دیا۔

جنازہ اٹھا، جنازہ پر تیر برسائے گئے، اعتراض یہ تھا کہ، نانا کے پہلو میں نواسہ دفن نہ ہو دنیا کی تاریخ پڑھ ڈالئے آپ کو کہیں ایسی مثال نہیں ملے گی، جہاں جنازے سے بے ادبی کی گئی ہو، اور یہ تو رسولؐ کے نواسے کا جنازہ تھا، مگر حسینؑ نے صبر وسکون سے کام لیا۔ موقع تھا کہ تیر کا بدلہ تیر سے اور تلوار کا بدلہ تلوار سے دیتے مگر رحمت اللعالمین کا نواسہ ایسا کب کر سکتا تھا اس حالت میں بھی امن کو قائم رکھا بھائی کو ماں کے پہلو میں دفن کر دیا۔

رسولؐ سے لے کر حسنؑ تک جو مناظر حسینؑ نے دیکھے، جو سلوک امت نے کیے اس سے اس درجہ مغموم ہوئے کہ گوشہ نشین کو بہتر خیال کیا مگر ایمان کے دشمن کب آرام سے بیٹھنے دیتے تھے، مدینہ میں رہنا دشوار کر دیا خون کے پیاسے مختلف بھیس اور لباس میں ابھرنے لگے۔ ولید نے بیعت کا سوال کیا ،یعنی قتل کا بہانہ نکالا، کیونکہ وہ سب جانتے تھے کہ حسینؑ بیعت نہ کریں گے۔ جب مدینہ میں رہنا دشوار ہوا تو اپنے بچوں، بیبیوں اور عزیزوں سمیت کربلا کا رخ دیا۔ نانا کی قبر سے لپٹ کر روئے اور امت کی بدسلوکی کا شکوہ کیا ماں اور بھائی کی قبر سے رخصت ہونے کو دل نہ چاہتا تھا۔ مگر دین وایمان کی بہبودی، اور فلاح کے لیے، ناچار نانا، ماں اور بھائی کے مزاروں سے جدا ہوئے کربلا کی سرزمین پر پہونچے، محرم کا

چاند تلواروں کی شکل میں آسمان پر نمودار ہوا، بھرے گھر کی طرف نظر ڈالی، بی بیوں پر نظر پڑی، آیہ تطہیر کی تفسیر نظروں کے سامنے آ گئی، زمین خریدی، خیمے نصب کرائے، بیبیوں کے پردے کا خاص انتظام کیا بچوں کا آرام پیش نظر تھا، خیمے دریا کے کنارے نصب ہوئے مگر فوج مخالف نے اس پر اعتراض کیا، لڑائی سے بچنے کے لیے دریا کے کنارے سے خیمے ہٹوا دیئے۔

محرم کی ساتویں تاریخ، اہل بیتؑ پر پانی بند کر دیا گیا، مصائب اپنے انتہا کو پہونچے، مگر رسولؐ کے نواسے نے صبر اور استقلال کی عنان ہاتھوں سے نہ چھوڑی۔ یہاں تک کہ نویں کا دن ڈھلا، سورج غروب ہوا، اور شام ہوئی، اور ادھر حسینؑ اور ان کے عزیز و انصار زمانے کی دشوار راور کٹھن منزلیں کاٹتے ہوئے اپنی زندگی کی شام تک پہونچے۔ مغرب سے شفق نے شہادت کا مژدہ سنایا، جاں نثاران، امام پر مر مٹنے کے لیے بے چین ہو گئے، بی بیوں نے بچوں کو نصیحتیں کرنی شروع کیں، اور امام پر قربان ہونے کی تلقین کی، اُدھر امام نے سب پر سے بیعت اٹھالی، ہر ممکن کوشش کی کہ ان کی جانیں بچ جائیں، مگر جن کے دلوں میں، حیات جاودانی کی شمعیں فروزاں ہو چکی تھیں، وہ مرنے سے کیا ڈرتے۔ انہیں تو موت کا بے چینی سے انتظار تھا محض امام سے اجازت چاہتے تھے۔

صبح عاشور نمودار ہوئی، علیؑ اکبر نے اذان دی، اور دین سے پھرے ہوؤں کو دعوت دی کہ یاد الٰہی میں مشغول ہوں اور نماز حق ادا کریں۔ امام نماز کے لیے کھڑے ہوئے، تیر پر تیر آنے شروع ہوئے، مگر نمازیوں کی نماز میں فرق نہ آیا۔ شہادت بھی ہوئی، مگر حسینؑ نے پہل نہ کی۔ اور صبر کی تلقین کی۔ وہ وقت بھی آیا جب نظروں کے سامنے اعزاء اور انصار کے لاشے ریگ گرم پر پڑے تھے، حسینؑ کی حسرت بھری نگاہیں ان پر بار بار پڑ رہی تھیں۔ اور کبھی خیمے کی طرف منھ پھیر کر دیکھتے تھے، تو بی بیوں اور بچوں کی گریہ وزاری کی صدائیں کانوں میں آتی تھیں، عجیب مصیبت کا وقت تھا۔

یہ حسینؑ کا دم تھا کہ اب بھی امن کی تلقین کر رہے تھے، یہاں تک کہ اپنا آخری استغاثہ بلند کیا۔ یہ نہیں کہا کہ تم نے میرے اعزاء کو کیوں قتل کیا۔ اس کا شکوہ نہ کیا، کہ تم نے اہلبیتؑ پر پانی کیوں بند کیا؟ یہ خواہش نہ کی کہ اہلبیتؑ پر میرے بعد ظلم کرنا۔ ہاں ایک خواہش ضرور کی، اور وہ یہ کہ تم اپنے رسولؐ اور اس کے نواسے کو پہنچانو، اور قرآن اور اسلام کی بے حرمتی نہ کرو ہاں ایک خواہش تھی اور شاید وہ آخری خواہش تھی، وہ اس وقت جب شمر سینے پر سوار ہوا، اور امامؑ نے اس سے کہا کہ اے شمر اگر تو مجھے قتل ہی کرنا چاہتا

ہے تو اتنی مہلت دے کہ نماز حق ادا کرلوں۔ افسوس کہ شمر نے اس کی مہلت بھی نہ دی۔ ابھی امام نے سر سجدہ خالق میں جھکایا ہی تھا کہ خنجر سے سر اقدس جسم مبارک سے جدا کر دیا اور امامت کے اس تیسرے چراغ کو جو راہ امن و امان میں روشن تھا ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا۔

اگر چہ حسینؑ کو شہید ہوئے تیرہ سو سال سے زیادہ ہو چکے ہیں مگر آج بھی حسینؑ کا وہ سبق جو انہوں نے کربلا میں دیا تھا، دنیا کے لیے مشعل راہ ہے اگر واقعی دنیا کی قومیں امن و امان قایم کرنا چاہتی ہیں تو حسینؑ کی شہادت سے سبق لیں، یعنی دشمن کتنا ہی قوی کیوں نہ ہوں اور اس نے کتنا ہی ظلم کیوں نہ کیا ہو مگر اپنی طرف سے جنگ کی پہل نہ کرے۔

انسان کامل

پنڈت چندریکا پرشاد، جگیاسو

ہمارا مادروطن ہندوستان ایک مذہبی ملک ہے ہندوستان کی روح نے زمانہ قدیم سے صرف دھرم پر غور کیا ہے اور دھرم پر ہی اپنا سب کچھ تصدق کر دیا ہے۔حضرت امام حسینؑ کے مبارک دل میں بھی اس سرزمین کے لیے بھی پیار تھا۔آپ نے جنگ کربلا کے آغاز میں ہی مسلمانوں کا خون بہانے اور یزیدیوں کو تباہی سے بچانے کی جن تین شرائط کو یزید کے سامنے پیش کیا تھا ان میں سے ایک میں آنحضرت نے ہندوستان میں تشریف لانے کی خواہش ظاہر فرمائی تھی۔اسی ہندوستان میں جہاں ان کی شہادت عظیم کے تیرہ سوسال بعد آج اس تاریخی شاندار عمارت میں آپ ان کی بین الاقوامی یادگار منا رہے ہیں۔میں اپنی تقریروں میں متعدد بار یہ بتا چکا ہوں کہ چار خاص مذاہب ہیں۔جن کا اپنا اپنا ضخیم مذہبی لٹریچر ہے۔یہاں کا وہ ایک قدیم ترین مذہب ہے جو آریہ قوم کے اس ملک میں آنے سے قبل یہاں پھیلا ہوا تھا اور آج کل ''سنت مت'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔گرد گورکھناتھ سنت تکارام، رامانند، کبیر، نانک سب اسی کے پیروکار ہوئے اور اس وقت آگرہ کا دیال باگ اس کا اپٹوڈیٹ اکھاڑا مانا جاتا ہے اور دکھن میں ''دروڑ سنسکرتی'' (ڈریوڈین تہذیب) کے نام سے وہاں کی تامل تیلگو وغیرہ تیرہ دکھنی زبانوں میں جس کا قدیم لٹریچر بھی موجود ہے اور موجودہ منہجد دور ہڑپا کی تحقیقات میں جس کے کثیر علامات ملتے ہیں دوسرا آریوں کا ویدک دھرم ہے جو ویدوں اور سنسکرت لٹریچر کے تمام ارش گرنتھوں میں موجود ہے جس کا اپٹوڈیٹ دعویدار مہارشی دیانند سروتی کا قایم کیا ہو، آریہ سماج ہی تیسرا جین دھرم ہے جس کا لٹریچر پراکرت اور سنسکرت زبانوں میں موجود ہے اور چوتھا بودھ دھرم ہے جس کا ترٹپک، مہابنس اور جاتک وغیرہ عظیم لٹریچر پالی زبان میں ہے جو تبت، سلون، چین، جاپان، برما و سیام وغیرہ ممالک میں اس وقت بھی شان کے ساتھ رائج ہے۔یہ چاروں ہندوستان کے قدیم مذہب ''کرم واد'' یعنی مسئلہ تناسخ کے قائل ہیں، ان میں جین اور بودھ دو ایسے مذاہب ہیں جو خدا کی ہستی سے تو منکر ہیں لیکن انسان کامل کے پرستار ہیں۔موجودہ ہندو مذہب جس کے ماتحت آج جمیع ہندو چل رہے ہیں، ان چاروں مذاہب کا

مجموعہ ہے، چونکہ سنت مت کے بزرگ ہمیشہ سے تارک الدنیا اور فقرا رہے ہیں اور اس کا مذاق محض روحانیت رہا ہے اسی لیے وہ روحانیت کے متلاشیوں میں ہمیشہ سینہ بہ سینہ چلتا رہا ہے۔ وہ دنیاداری کے سماجی نظام سے ہمیشہ کنارہ کش رہا ہے۔ لیکن باقی تینوں دھرم چونکہ ہندوستان کے راج دھرم (شاہی مذاہب) رہ چکے ہیں، اس لیے ان تینوں دھرموں کے اصولوں کو لے کر یہاں ایک عام مذہب کی ساخت ہوئی تھی وہی ہندوستان کا عام مذہب اب ''ہندودھرم'' کہلاتا ہے جین، بودھ، اور ویدک ان تینوں دھرموں کی ایک ایک خصوصیت ہے، ویدک دھرم کی خصوصیت ہے ''یگیہ اور ہون'' جین دھرم کی خصوصیت ہے ''تپ'' یعنی روزہ زہد و ریاضت اور بودھ دھرم کی خصوصیت ہے ''دان'' یعنی زکوٰۃ وخیرات، موجود ہندودھرم میں یہ تینوں خصوصیات ہیں۔ ہندودھرم کی ساخت کے بارے میں صاف کہا گیا ہے۔

تر یودھرم اسکندھ یگیہ تپودانم اتی

یعنی یگیہ، تپ اور دان یہ دھرم کے تین بڑے کھمبے ہیں جن پر ہندودھرم کی عمارت کھڑی ہے۔ موجودہ ہندو مذہب کی کوئی ایسی رسم نہیں ہے جس میں اگیاری یعنی کچھ نہ کچھ آگ میں سلگا یا نہ جاتا ہو۔ یہ یگیہ ہے، کوئی ایسی رسم نہیں ہے جس میں برت (روزہ) رکھنا ضروری نہ ہو، یہ تپ ہے کوئی ایسی رسم نہیں ہے جس میں برہمن بھون یا برہمن کو سیدھا نہ دیا جاتا ہو۔ یہ دان ہے یہی وجہ ہے کہ جینوں اور بودھوں کی طرح موجودہ ہندو مذہب بھی انسان کامل (یعنی پورن پرش) یا (Perfect Man) کے اصول کا قائل ہے۔

یہ ایک عجیب مزا ہے کہ جب میں ہندوستان کے ان چاروں ممتاز مذاہب کے اندر انسان کامل کے جو صفات بیان کئے گئے ہیں ان کے ساتھ حضرت حسینؑ کے مبارک صفات کو منطبق کرتا ہوں تو میں ہندوستان کی مذہبی روح کے نقطۂ نظر سے آپ کو انسان کامل پاتا ہوں اور میرا دل حسینی عقیدت ومحبت سے بھر جاتا ہے۔ میں آپ کے پاک، اوصاف وصفات پر غور کرتا ہوں، آپ مجھے ہندوستان کی مذہبی روح کے ایک روشن مجسمہ نظر آتے ہیں۔ اور میں آپ کو اپنے مذہبی جذبات سے ایک لمحہ کے لیے بھی نظر انداز کرنے میں قاصر ہو جاتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ میں یادگار حسینی کے ان بین الاقوامی جلسوں کو ہندوستان کے قومی اتحاد کے لیے نہایت ہی مبارک سمجھتا ہوں۔ کیونکہ مجھے یقین ہے کہ جوں جوں حسینی

صفات کا مطالعہ اوران پر غور وخوض کیا جائے گا تیوں تیوں ہندو مسلمانوں کے منتشر جذبات یکجائی اور متنفر مذہبی روح مانوس ہوتی جائے گی۔ اسی لیے میں کہتا ہوں کہ مبارک ہیں وہ دماغ جن میں حسینؑ کی بین الاقوامی یادگار منانے کی سوجھ پیدا ہوئی۔

اس وقت نہایت اختصار کے ساتھ بطور نمونہ کچھ باتیں پیش کروں گا اور وقت جہاں تک اجازت دے گا کہتا رہوں گا۔

یہ مضمون کچھ فلسفیانہ ہے کیونکہ قدیم ہندوستان فلسفیوں کا مسکن تھا۔ ہندوستان کے فلسفیوں نے متفقہ طور سے نجات (رذان یا موکش، کو انسان کی انتہائی منزل تسلیم کی ہے اور یہاں کا ہر مذہب اپنے جداگانہ طریقوں سے انسانوں کو نجات حاصل کرنے کی تدبیر بتاتا ہے۔ چنانچہ جین مذہب جو اپنی تہذیب کے متعلق ویدک تہذیب سے بھی قدیم ترین اصلی اور بنیادی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے، حصول نجات کے قابل انسان کامل کے تین صفات پیش کرتا ہے۔ اس کا مقولہ ہے۔

''سمّیک درشن گیان چارترانی ستا کشان وکش مارکہ'' جس کا مطلب یہ ہے

(1) سمیّک درشن یعنی صحیح نظر (Right vision)

(2) سمیّک گیان یعنی صحیح ادراک وعلم (Right Knowledge)

(3) سمیّک چارترانی یعنی صحیح اخلاق (Right Character)

ان تین صفات سے منور انسان حصول نجات کی قابلیت رکھتا ہے آیئے اس جین نظریہ کو سامنے رکھ کر ذرا سیرت حسینی کی زیارت کریں۔

یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ حسینؑ کو ''صحیح نظر'' حاصل تھی۔ یزید کو شام وعرب کے تمام علماء جبکہ مسلمان سمجھ کر اسکے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے اور ان کے دل ودماغ پر جبکہ یزید غالب ہو رہا تھا، تب حسینؑ اُسے مسلمان، نہیں نہیں بلکہ انسان کہلانے کا بھی اہل نہیں دیکھ رہے تھے اس لیے آپ کو صحیح نظر (Right Vision) حاصل تھی۔ حسینؑ جب کوفہ والوں کے بلانے پر اپنی بیوی بچوں اور بڑے بوڑھوں کو بے سروسامان اور بلا تیاری کے اپنے ساتھ کوفہ کی جانب لے کر چلنے کو تیار ہوئے تو ہر سمجھدار آپ کو منع کرتا تھا اور ہر شخص آپ کی غلطی بتاتا تھا، لیکن حسینؑ کی عقل اسی کو صحیح راستہ سمجھ رہی تھی کیونکہ آپ کو صحیح ادراک (Right Knowledge) حاصل تھا حسینؑ کے صحیح اخلاق (Right Charactor) کا کیا کہنا

ہے۔ کسی دشمن کو بھی کبھی آپ کے اخلاق میں کوئی رتی بھر لغزش ڈھونڈھے نہیں ملی حالانکہ اس وقت کے مورخین سب مخالف پارٹی کے افراد تھے۔ اس لیے جین مذہب کے نقطۂ نظر سے حسینؑ اپنی جگہ انسان کامل تھے۔

دوسرا بدھ مذہب ہے جس نے دنیا کے ایک تہائی انسانوں کے دلوں کو مغلوب کر رکھا ہے۔ بودھ مذہب کی ریڑھ اس کا ''آریہ اسٹانگ مارگ'' ہے۔ بھگوان گوتم بدھ نے چار ''آریہ سنیوں'' یعنی چار اصل واعلیٰ ترین سچائیوں کو دیکھا اور ان کا احساس وعمل کیا تھا ان چاروں میں سے چوتھی سچائی پر جس میں کہ آٹھ صفات ہیں خود عمل کر کے انھوں نے اس کامل کو حاصل کیا تھا جس سے کہ وہ ''نروان'' میں پہونچے اور بنی نوع انسان کے لیے انہوں نے نروان یعنی نجات کاملہ کے حاصل کرنے کی ایک شاہی سڑک تلاش کردی۔ گوتم بدھ کی دیکھی ہوئی وہ چاروں سچائیاں یہ ہیں

(1) دکھ(suffering) اذیت کیا ہے؟

(2) دکھ سمودے(Origin of suffering) یعنی اذیت کی بنیاد کیا ہے؟

(3) دکھ نرودھ(Distruction Of Suffering) یعنی اذیت کی تباہی وتخریب کیا ہے؟

(4) دکھ نرودھ کا پایہ(Vinoble Way of distruction of Suffering) یعنی اذیت کی تخریب کا راستہ کیا ہے؟

ہم دیکھتے ہیں حسینؑ نے بھی اپنی جگہ پر چار اصل سچائیوں کو دیکھا اور ان کا احساس وعلم کیا تھا آپ نے دیکھا کہ:

(1) خود رائی ونفس پرستی وشراب خوری ولوٹ کھسوٹ، جدال وقتال تباہی وبربادی بدچلنی وزناکاری، بیماری، موت اور آخر میں دوزخ کی آگ میں جلنا یہ اذیت ہے۔

(2) ایک خدا کی ذات پاک یعنی حق پرستی اور نیکی پر ایمان کامل نہ لاکر ہزاروں وہموں میں پھنسے رہنا یعنی شرک، بت پرستی، اندھی نفس پرستی وناعاقبت اندیشی یہ اذیت کی بنیاد ہے۔

(3) خداشناسی یعنی توحید ونیکی پرہیزگاری ونفس کشی وآخرت پسندی وقناعت واستغناء اور یتیموں ومسکینوں ومصیبت زدوں کی مدد کرنا یہ اذیت کی تخریب ہے۔

(4) رسولؐ کا بتلایا ہوا اسلام ہی اذیت کی تخریب کا صحیح راستہ ہے۔ بھگوان گوتم بدھ نے اذیت کی

تخریب کا صحیح راستہ جس پر چل کر انسان انسان کامل (Perfect Man) ہو جاتا ہے، اسٹانگ مارگ یعنی ''آٹھ صفات کا غنی ہونا''، محسوس کیا تھا۔ کون آٹھ؟

(1) سمیک درشٹی (Right Views) صحیح نظریہ۔

(2) سمیک سنکلپ (Right aspiration) یعنی صحیح آرزو یا صحیح ارادہ۔

(3) سمیک واچا (Right Speech) صحیح کلام یعنی حق گوئی۔

(4) سمیک کرمانت (Right Conduct) صحیح اخلاق یا صحیح افعال۔

(5) سمیک آجیو۔ (Right Livelalyhood) روزگار یا صحیح معیشت۔

(6) سمیک ویایام (Right Effort) صحیح ورزش یا صحیح جدوجہد یا صحیح کوشش۔

(7) سمیک سمرتی (Right memory) صحیح حافظہ یعنی صحیح یادداشت۔

(8) سمیک سمادھی (Right Contemplations) صحیح تصور یا صحیح مراقبہ۔

جب ہم لارڈ بدھا کی بتائی ہوئی ان آٹھوں صفات کو حضرت امام حسینؑ میں تلاش کرتے ہیں تو ہمیں یہ آٹھوں آپ کی سیرت میں واضح طور سے نمایاں ملتی ہیں۔ مثلاً

(۱) حسینؑ میں سمیک ورشٹی یعنی صحیح نظر تھی یہ میں پہلے عرض کر چکا آپ نے جو کچھ دیکھا صحیح دیکھا جو شے اندر باہر سے جیسی تھی اس کو ٹھیک ویسا ہی دیکھا۔

(۲) حسینؑ میں سنکلپ یعنی صحیح ارادہ تھا۔ اسے بھی میں عرض کر چکا ہوں۔ آپ نے اپنی زندگی میں جو بھی ارادہ کیا وہ جس بات کی آرزو کی آپ کا وہ ارادہ اور وہ آرزو صحیح تھی۔

(۳) حسینؑ میں سمیک واچا یعنی صحیح کلام تھا۔ آپ جو بولے صحیح بولے۔ جس موقع پر جس شخص سے جو کچھ کہا درست اور صحیح تھا وہی اور اتنا ہی آپ نے فرمایا، کہیں پر ایک نقطہ بھی کم و بیش یا غلط نہیں فرمایا۔

(۴) حسینؑ میں سمیک کرمانت یعنی صحیح اخلاق تھا اسے بھی میں پہلے عرض کر چکا کہ دشمن کو بھی آپ کے اخلاق میں کبھی کوئی غلطی ڈھونڈھنے سے نہیں ملی۔

(۵) حسینؑ میں سمیک اجیو یعنی صحیح روزگار تھا۔ آپ نے کبھی غلط طریقہ سے روزی نہیں کمائی بلکہ آپ کے والد ماجد حضرت علیؑ نے تو بیت المال ہوتے ہوئے بھی مزدوری کر کے یعنی یہودیوں کے باغ میں پانی سینچ کر اپنا گزر بسر کیا۔ وہ بیت المال کو رعایا کی دولت سمجھ کر اسے رعایا کی بہبودی میں خرچ

کرتے رہے اور حسینؑ کی والدہ حضرت فاطمہؑ چکی پیس کر چرخا چلا کر امور خانہ داری کی انجام دہی اپنے دست مبارک سے کر کے اپنی بسر کرتی تھیں اور ظاہر ہے کہ بچہ ماں باپ کی تشکیل ہوتا ہے۔

(۶) حسینؑ میں سمیک ویایام یعنی صحیح ورزش یا صحیح کوشش تھی۔ آپ کی کوئی ورزش، جہد کوشش کبھی غلط نہیں ہوئی۔ آپ ہمیشہ جسمانی وروحانی دونوں ورزشیں صحیح کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ایک طرف جہاں آپ روحانیت میں لاثانی تھے وہاں جسمانی بہادری میں بھی بے نظیر تھے۔ آپ نے باوجود تین دن کی تشنگی اور انتہائی دل کی خستگی کی حالت میں بھی کربلا میں تنہا ہزاروں سپاہیوں کے ساتھ بے نظیر بہادرانہ جنگ کی۔ سمیک ویایام (Right effort) کے دوسرے معنی صحیح کوشش یا صحیح جہد بھی ہے صحیح جہد کیا ہے؟ یہی کہ اپنے جان و مال سے غریبوں، یتیموں کی مدد کرنا عبادت یعنی روزہ کے ذریعہ دل کو پاک کرنا۔ نفس وغصہ کو جیتنا گمراہوں کو نصیحت و نیک اخلاق کے ذریعہ سچے دین پر لانا وغیرہ۔

(۷) حسینؑ میں سمیک سمرتی یعنی صحیح حافظہ یا صحیح یادداشت تھی۔ آپ کبھی کوئی بات کوئی وعدہ، کوئی فریضہ کبھی بھولے نہیں۔ آپ ایک لمحہ کے لیے کبھی یہ نہیں بھولے کہ آپ خدا کے پاس سے آئے ہیں اور آخر میں خدا کے پاس جانا ہے اور تمام عمر کے کاموں کا حساب دینا ہے۔ آپ اس بات کو بھی کبھی نہیں بھولے کہ آپ رسول اللہ کے نواسے ہیں، ان کی پاک گود میں کھیلے ہیں، رسول اللہ نے پیار سے آپ کے لب چومے ہیں اور اس پیار ہی پیار میں آپ نے رسولؐ کی امت بچانے کا وعدہ کیا تھا اور آپ کے اوپر اسلام کے اصولوں کی انتہائی وکامل پابندی کی بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ اس لیے نہیں بھولے کہ آپ کی یادداشت درست اور حافظہ صحیح تھا اور صحیح حافظہ (Right Memory) انسان کامل کی ایک صفت ہے۔

(۸) حسینؑ میں سمیک سمادی یعنی صحیح تصور و مراقبہ تھا۔ اپنے معبود کی یاد نہ آپ اپنے نانا کے مبارک گود میں بھولے اور نہ جنگ کربلا میں ۱۹۵۱ زخم کھانے کے بعد ملعون شمر کے خنجر کے نیچے۔ کیونکہ آپ اپنے معبود سے ایک لمحہ بھی الگ نہ ہو سکتے تھے، یہ آپ کے صحیح مراقبہ کی زندہ مثال ہے۔ میرے خیال میں کوئی صاحب علم اس امر سے منکر نہیں ہوسکتا کہ حسینؑ ان آٹھوں صفات سے منور نہیں تھے جو بودھ مذہب کے نظریہ سے انسان کامل میں ہونا لازمی ہیں۔

جس طرح جین اور بودھ مذہب کے نظریہ سے حسینؑ انسان کامل ہیں اسی طرح ہندو نظریہ سے

بھی آپ کامل نظر آتے ہیں۔موجودہ ہندو دھرم کی سب سے زیادہ مستند کتاب پاک بھگوت گیتا ہے۔گیتا بھگوان کرشن کا پاک کلام ہے۔گیتا میں چار خاص لوگ مانے جاتے ہیں یعنی۔

(۱) کرم یوگ

(۲) گیان یوگ

(۳) دھیان یوگ یا راج یوگ

(۴) بھگتی یوگ

حسینؑ میں یہ چاروں یوگ ہم نمایاں پاتے ہیں۔کرم یوگ کی تعریف میں کہا گیا ہے کہ جو بلا کسی شخصی بہبودی خواہش کے محض یا فریضہ کی ادائی کے یے ہر کام کرتا ہے وہی کرم یوگی ہے۔صاف ظاہر ہے کہ حسینؑ کا کوئی کام کبھی اپنے شخصی مفاد یا شخصی آرام کے لیے نہیں ہوا۔آپ نے جو کچھ کیا صرف دھرم کے لیے دین و دنیا کی بھلائی و بہبودی کے لیے کیا۔ یہاں تک کہ دھرم پر آپ نے اپنے آپ کو قربان کر دیا۔اس لیے کہ آپ گیتا کے نظریہ کے مطابق سچے کرم یوگی تھے۔آپ گیان یوگی بھی تھے، کیونکہ آپ آخرت واجلی زندگی کو ہی اصلی زندگی سمجھتے تھے۔آپ گیتا کے اس کلام کو بخوبی سمجھے ہوئے تھے۔

(ستنیہ ترم نانیت کنچد استی دھننجیہ)

یعنی ایک پرمیشور کی ذات پاک کے سوا باقی اور سب باطل ہے،آپ سچے حق شناس یعنی ایشور درشی تھے۔حسینؑ دھیان یوگی یا راج یوگی بھی تھے۔کیونکہ آپ ہر وقت اپنے معبود سے تعلق رکھتے تھے۔ کسی وقت ایک لمحہ بھی اس سے جدا نہ ہوتے تھے۔یہی گیتا کے راج یوگ کا لب لباب ہے کہ انسان کو ''پورن یکت''،یعنی باطن سے ہمہ تن مصروف ہونا چاہیے۔حسینؑ بھگتی یوگی یا پورن بھگت تھے۔آپ نے ایشور یا اللہ کی مرضی کے لیے ہی اپنا سب کچھ تصدق و قربان کر دیا تھا۔عبادت آپ کو از حد عزیز تھی۔ اپنے معبود کی عبادت کے لیے آپ نے خاص طور سے دشمن سے ایک رات کا موقع مانگا تھا اور نویں محرم کی تمام رات جو کہ آپ کی زندگی کی آخری رات تھی آپ نے صرف عبادت میں گزاری۔

علاوہ ان چاروں یوگوں کے بھگوان کرشن نے گیتا میں اپنے عزیز ترین و کامل بھگت کے صفات بھی بیان فرمائے ہیں۔ یہ صفات گیتا کے بارھویں ادھیائے میں بیان ہوئے ہیں۔تین اشلوک پیش کرتا ہوں۔

ان اشلوکوں میں بھگوان فرماتے ہیں کہ جو کسی سے بغض و کینہ نہیں رکھتا۔ جو سب کا دوست اور رفیق ہے۔ جو سب پر رحم کرتا ہے جو ممتا موہ سے خالی ہے جس میں غرور و تکبر نہیں ہے۔ جو رنج و راحت میں ہمیشہ یکساں رہتا ہے۔ معافی دینے والا ہے جو ہر حالت میں صبر و شکر کرتا ہے جو یوگی یعنی حق میں ہمہ تن مصروف رہتا ہے جس نے اپنے نفس یعنی اپنے آپ کو جیت لیا۔ جو عقیدت کا پختہ ہے جس نے اپنے دل و دماغ کو ایشور کے حوالے کر دیا ہے یعنی جو خدا کی مرضی کو ہی اپنی مرضی سمجھتا ہے جو نہ خود کسی سے مضطرب ہوتا ہے اور نہ جس سے کوئی دوسرا مضطرب ہوتا ہے اور جو خوشی، غصہ اور خوف کے غلبوں سے کبھی مغلوب نہیں ہوتا۔ ایسا کامل بھگت مجھے عزیز ترین ہے۔ بھگوان کے عزیز ترین کامل بھگت کے یہ چودہ صفات کا جب ہم حسینؑ کی اعلیٰ ترین شخصیت میں پتہ لگاتے ہیں تو ہم آپ کو ہر صفت سے منور و کامل پاتے ہیں۔ آج اس جلسہ میں اتنا وقت نہیں ہے کہ میں شہید انسانیت کے واقعات زندگی پر تبصرہ کر کے کہ کب کسی موقع پر کس صفت کا آپ نے کامل طور پر اظہار کیا ہے۔ اسے وضاحت کے ساتھ بیان کروں گو لطف بیان وضاحت ہی میں ہے۔

اس طرح حسینؑ کو جب ہم ہندوستان کے مذہبی نقطۂ نظر سے دیکھتے ہیں تو آپ میں ان تمام صفات کو نمایاں پاتے ہیں جن کے ہونے سے انسان ''پورن پروش'' یا پرشوتم'' ہو جاتا ہے۔ ہندوستان کے یوگ فلسفہ و مہا بھارت کے نارائنی دھرم میں اس بات پر کافی دلیل کی گئی ہے کہ نر ہی ''نر'' یعنی انسان ہی یوگ کی ''بھوتیاں'' و کمال حاصل کر کے نارائن ہو جاتا ہے اور ویدانت بھی اس اصول کی تصدیق کرتا ہے۔

میں نے جب مسلمان علماء سے پوچھا کہ کیا اسلام میں بھی انسان کامل کے لیے کوئی صفاتی معیار قائم کیا گیا ہے تو جواب ملا ''ہاں'' پوچھا کون صفات؟ جواب ملا صرف ایک۔ پوچھا کون ایک؟ جواب ملا معصومیت آہا! معصوم یعنی بے گناہ ہونا۔ کیا جامع اور پر معنی صفت ہے۔ انسانی حرکات کے صرف تین وسیلے ہیں۔

(۱) خیال

(۲) قول

(۳) فعل

انسان کچھ سوچتا ہے، یہ خیال ہے۔

انسان کچھ بولتا ہے، یہ قول ہے۔
انسان کچھ کرتا ہے یہ فعل ہے۔

چوتھی کوئی انسانی حرکت نہیں ہے چنانچہ معصوم کامل بھی تینوں طرح سے معصوم خیال ہے تو کبھی غلط نہ ہوگا۔ معصوم قول ہے تو کبھی غلط بیانی نہ ہوگی، معصوم فعل ہے تو کبھی غلط کاری نہ ہوگی۔ اسلامی نقطۂ نظر سے انسان معصوم پیدا ہوتا ہے، لیکن دنیاوی عیش وعشرت اور نفس پرستی وغیرہ شیطانی وسوسوں سے مغلوب ہوکر معصوم رہنے نہیں پاتا، ہندو فلسفیوں نے بھی روح کو نتیہ، شدھ، بدھ، مکت سبھاؤ، بتایا ہے یعنی روح فطرتاً غیر فانی پاک، معارف ونجات پسند ہے۔

ملاحظہ ہو کہ لفظ شدھ یعنی پاک ولفظ معصوم ایک ہی معنی رکھتے ہیں لیکن ہندوستانی واسلامی نظریہ میں ذرا سا فرق بھی ہے اور وہ ہے ''کرم واد'' یعنی مسئلہ تناسخ۔ ہندوستان کے فلسفی زندگی کی شروعات اپنے اس موجودہ جسم سے ہی نہیں سمجھتے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نہایت قدیم زمانے سے اجسام بدلتے ہوئے اپنے موجودہ جسم میں موجود ہیں۔ جس طرح انسان پھٹے پرانے کپڑوں کو بدل کر نئے کپڑے پہن لیتا ہے اسی طرح وہ پرانے اور ناقص جسموں کو بھی تبدیل کر کے نئے جسموں میں چلا آتا ہے اور نئے جسموں میں آنے کے ساتھ ہی اپنے گزشتہ جسم کے سنسکار یا خصائص بھی اپنے ساتھ لیے آتا ہے۔ نسل انسان میں اختلاف خصائل کی یہی خاص وجہ ہے۔ خصائل قدیم روح کے ساتھ اسی طرح رہتے ہیں جس طرح برگد کے ننھے سے خشخاش برابر بیج میں وسیع برگد کا پیڑ چھپا ہوتا ہے اس لیے ان قدیم خصائص کو معدوم کر کے روح کی اصلی وفطری خاصیت ''وشدھی'' یعنی معصومیت کو جسم پر غالب کر دینا باعث نجات ہے اسی لیے یہ سب صفاتی معیار قائم ہوئے اور انہیں ''مارگ'' یا ''راستہ'' کہا گیا ہے اور انہیں عبور کرنے والے انسان کو انسان کامل بتایا گیا۔

ان سب کے تذکرہ سے میری غرض صرف یہ ہے کہ جب ہم گہرائی کے ساتھ ہندوستان کے مذہبی نقطۂ نظر سے حسینؑ کی مبارک شخصیت کو دیکھتے ہیں تو ہر پہلو سے آپ کو کامل پاتے ہیں اور ہم کہہ اٹھتے ہیں کہ حسینؑ ایک ایسا انمول ہیرا ہے جسے جس پہلو سے دیکھو بے عیب وبیش قیمت ہے۔

حسینؑ وہ خوش نما گلاب ہے جس کا ہر جز واپنی خوبصورتی وخوشبو سے دل کو کھینچ لیتا ہے۔

حسینؑ ایسا کھرا سونا ہے جسے جوں جوں تپاؤ وہ خوش رنگ ہی ہوتا جاتا ہے۔

حسینؑ وہ روشن آفتاب ہے جس میں ہر رنگ موجود ہے اور واقعات کربلا ایک ایسا مرقع ہے جس میں دنیا کی تمام انفرادی خانگی وسماجی زندگی میں اٹھنے والے ہر سوال کے حل کی تصویر ہے۔ اس میں باپ، بیٹا، بھائی، بہن، بیوی، شوہر، دوست، اقارب سب کے فرائض کی حد بندی کا عملی نمونہ موجود ہے۔ اس میں دینی و دنیاوی زندگی کا بھی ایک کامل عملی نمونہ موجود ہے۔ اس میں سیاسی جدو جہد اور سیاسی مشکلات کا بھی نمایاں حل موجود ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو دین و دنیا کا کوئی ایسا سوال نہیں ہے جسے حضرت امام حسینؑ نے اپنے کارناموں سے حل نہ کر دیا ہو۔

حسینؑ کا کوئی کام ادھورا نہیں ہے۔ ہر کام پورا اور کامل ہے۔ کامل انسان کا ہر فعل کامل ہوتا ہی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جنگ کربلا صرف مسلمانوں کی خانگی لڑائی نہیں ہے۔ بلکہ وہ نسل انسانی کے دو خاص فرقوں کی لڑائی ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حسینؑ کے بہتر آدمیوں کے چھوٹے سے لشکر میں دنیا کی ہر خاص نسل کے انسان موجود تھے۔ اگر حسینی لشکر میں ہر نسل کے لوگ تھے تو یقینا یزیدی لشکر میں ہر نسل کے لوگ رہے ہوں گے۔ اگر یہ صحیح ہے تب بھی کربلا کو صرف مسلمانوں کی خانگی لڑائی نہیں کہا جاسکتا۔ حسینؑ نے یزید کے سامنے ایک مسلمان خاندان اور بہتر سچے مسلمانوں کو پیش کر کے اسے چیلنج دیا کہ اے یزید! کیا تو دراصل مسلمان ہے؟ اور مغرور اور اندھے یزید نے آپ پر پانی بند کر کے اور آپ کو از حد تکلیف دے کر نہایت ظالمانہ طریقہ سے ان سچے مسلمانوں کو قتل کر کے یہ ثابت کر دیا کہ وہ مسلمان نہیں ہے۔ کیونکہ ایک سچا مسلمان دوسرے مسلمان کے ساتھ کبھی ایسا ظلم نہیں کر سکتا پھر حسینؑ نے ایک جاں بلب شیر خوار بچہ کو پیش کر کے یزیدیوں سے پانی کی درخواست کی اور وہ بے شیر پانی سے تڑپتا بچہ نہایت بیرحمی سے اپنے باپ کی گود میں وہیں تیر کا نشانہ بنا دیا گیا۔

اس واقعہ نے یہ ثابت کر دیا کہ یزیدی انسان بھی نہ تھے بلکہ انسانیت سے خارج مجسم حیوان و شیطان تھے۔ دوسری طرف حسینؑ نے اپنے ذخیرہ آب سے اسی ظالم کے لشکر کو یہاں تک کہ اونٹوں اور گھوڑوں کو بھی سیراب کر کے اپنے انسانی جوہر کے کمال کو دکھا دیا۔ یہ سب واقعات اس بات کے ثبوت ہیں کہ کربلا کی لڑائی حقیقت میں حق و باطل کی لڑائی تھی۔ نیکی و بدی کی لڑائی تھی۔ ایک طرف نیکی، ایمانداری، نفس کشی، رحم حق شناسی وخدا پرستی ہے اور دوسری طرف بدی، مکاری، نفس پرستی، ظلم، ظلمت،

خود پرستی یعنی شراب خواری، عیاشی اور جملہ خصوصیات شیطانی ہیں۔ دونوں طاقتوں کا مقابلہ ہے۔

ظاہر طور سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بدی کی جیت ہوئی۔ لیکن نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یزید ہمیشہ کے لیے فنا ہوجاتا ہے اور حسینؑ ہمیشہ کے لیے زندہ ہوجاتے ہیں۔ مولانا محمد علی صاحب نے بجا فرمایا ہے ؎

قتل حسینؑ اصل میں مرگ یزید ہے

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

اسلام کی معنی ہیں نیکی یونیورسل گڈ (Universal Good) اور نیکی پھیلتی ہے نیک لوگوں کی قربانی ہونے کے بعد نسیمؔ امروہوی نے ''ساز حریت'' میں کیا اچھا کہا ہے ؎

جہاں کو خواب فنا سے جگا دیا تو نے

بقا کے واسطے مرنا سکھا دیا تو نے

اگر بہ نظر غور دیکھا جائے تو دنیا میں صرف دو نسلوں کے لوگ ہیں ایک وہ جو نیک ہیں اور نیک راہ پر چلتے ہیں اور نیکی کی پیروی کرتے ہیں اور دوسرے وہ ہیں جو بد ہیں اور بدی کے پیرو کار ہیں۔

اگر تمام دنیا کے ہر نسل کے لوگوں کو یعنی سمیتک، ہمیتک منگولین سپتھین ایرین، ریڈ انڈین، نیگرو، یوروپین، امریکن اور افریقن وغیرہ سب کو ایک جگہ اکٹھا کیا جائے تو یہ تمام انسان صرف دو حصوں میں تقسیم کئے جاسکیں گے۔ ان میں سے ایک حصہ نیکوں کا ہوگا اور دوسرا بد لوگوں کا۔ پس انسانوں کی یہ دو خاص نسلیں ہیں۔ اس لیے مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ جو لوگ نیکی کی راہ پر گامزن ہیں وہ سب حسینی راستہ پر چل رہے ہیں۔ اور جو بدی کی راہ پر ہیں وہ سب یزیدی راہ پر چل رہے ہیں، اور اسی لیے لوگ نیکی کی راہ پر ہیں وہ چاہے کسی نسل کے بھی کیوں نہ ہوں چونکہ وہ حسینی راہ پر ہیں اس لیے انہیں یہ کہنے کا حق حاصل ہے کہ وہ حسینؑ کے ہیں اور حسینؑ ان کے ہیں۔

برخلاف اس کے جو لوگ بدی کے راستے پر چلتے ہیں وہ سب یزیدی ہیں چاہے وہ ہاشمی خاندان اور سادات میں سے ہی کیوں نہ ہوں۔ وہ حقیقتاً اس بات کے دعوے دار نہیں ہوسکتے کہ وہ حسینؑ کے ہیں اور حسینؑ ان کے ہیں۔ ہاں جو ہاشمی خاندان سے ہیں اور حسینی راستہ پر بھی ہیں ان کا کیا کہنا ہے۔ سونے میں خوشبو ہے۔

آج اس وحشت ناک اور نازک زمانے میں بین الاقوامی طریقہ سے یادگار حسینی منا کر گویا آپ

لوگ دنیا کے لوگوں کے سامنے یہ سوال پیش کر رہے ہیں کہ اے دنیا کے لوگو! اس مصیبت کے وقت جبکہ عالمگیر جنگ نے انسانوں کو درندہ بنا دیا ہے۔ جب کہ ایک نسل دوسری نسل کو مٹا دینے پر تلی ہوئی ہے جبکہ توپوں، بموں اور ٹینکوں کی مار سے صدیوں میں تیار ہوئے دنیا کے خوبصورت اور عالیشان شہر منٹوں میں کھندر بن رہے ہیں۔ جبکہ کروڑوں انسان قتل ہو کر، نہیں نہیں زندہ بسمل دفن ہو رہے ہیں، جبکہ خوں ریزی ظلم، تباہی، بربادی، بھوک اور افلاس سے دنیا دردناک آہ و زاری کر رہی ہے اور جنگ کے بادل ہندوستان پر گھر آئے ہیں معلوم نہیں کس وقت کہاں بمباری ہو، کس کا مکان جل جائے۔ کس کی جائدادلٹ جائے کس کا باپ مرے، کس کا بیٹا ہلاک ہو، کس کی عورتوں کی بے عزتی ہو، آہ اس مصیبت وقیامت خیز زمانے میں اے دنیا کے لوگو! اپنے حواس درست کر کے اپنے دلوں میں فیصلہ کرو اور بتاؤ تم کس راستے کو اختیار کرو گے؟ یا تم یزیدی راستے کے پیروکار بن کر انسانی بربادی وتباہی کا مزہ لوٹو گے یا پاک حسینی راستے پر گامزن ہو کر مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کرو گے؟ میں حسینؑ کی یادگار میں دعا کروں گا کہ اے حسینؑ تو سچ مچ شاہ ہے تو بادشاہ ہے۔ تو ہی دین ہے اور تو ہی دین پناہ ہے۔ تیری شان میں مولانا معین الدین چشتی صاحب نے بہت ہی بجا فرمایا ہے کہ تو نے اپنا سر دیدیا لیکن باطل پرست یزید کے ہاتھ میں اپنا پاک ہاتھ نہیں دیا۔ اے حسینؑ اے نور علی نور اس مشکل وقت میں تو اپنی بے انتہا رحمت سے ہمارے دلوں کو روشن کر اور ہم میں وہ پاک دل وہ روحانیت وہ پاکیزگی وہ پیار اور وہ حوصلہ عطا کر جس سے کہ ہم تیری راہ پر چل کر دنیا کی کچھ بھلائی کر سکیں، آمین ثم آمین۔

کربلا کی آواز

گردھاری لال آنند صرّاف۔ جموں۔ کشمیر۔

آج کی دنیا میں جہاں عام طور پر دھرم و ایمان ایثار و قربانی کی جگہ اخلاقی پستی اور خود غرضی نے لے رکھی ہے، کون سا ایسا شخص ہوگا، جس نے ایامِ محرم میں عزاداروں کی آہ و غم کی چیخیں اور اضطراب والم کی پکاریں نہ سنی ہوں، اور جس نے ایک خاص دن اور خاص مقام سے تعزیہ کے ساتھ کچھ یا زیادہ لوگوں کو اپنا سر و سینہ پیٹتے نہ دیکھا ہو۔ مذہبی خیال سے ایسے اشخاص کو اہل شیعہ یا حضرت امام حسینؑ کے عزدار کہتے ہیں۔ تاریخ عالم کی سب سے بڑی اور بے مثل قربانی۔ جو حضرت امام حسینؑ نے باطل اور ظلم و ستم کے خلاف کربلا کے میدان میں دی تھی اس کی یاد کو یہ لوگ ہر سال نہ صرف تازہ کرتے ہیں۔ بلکہ ان کا پبلک طور پر اس قسم کا تذکرہ جھوٹ اور جبر و تشدد سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بیزاری اور ظالم کے سامنے سرِ تسلیم خم نہ کرنے کا اظہار ہے۔

جو آوازِ حق حسینؑ نے، یزید ایسے ظالم اور اسلامی اصولوں سے منکر ہونے والے کے خلاف اٹھائی تھی، اور جس کی بدولت وہ اور ان کے چند ساتھی شہید ہوئے تھے، اس کو زندہ رکھا جائے، عوام میں ایثار کے جذبات کو اُبھارا جائے اور ظاہر کیا جائے کہ حسین مظلومؑ نے باطل کے خلاف جو آواز اٹھائی تھی وہ انفرادی نہ تھی، بلکہ وہ انسانی ضمیر کی اجتماعی صدا تھی۔ جو تیرہ سو سال کے گزرنے کے بعد بھی آج اسی طرح زندہ ہے کہ جیسی وہ کربلا کے میدان میں زندہ تھی۔

دنیا کی تاریخ اس امر کی شاہد ہے، کہ مذہب اور ہر زندہ قوم کے افراد بڑے بڑے اوتاروں کا مذہبی بانیوں، محب الوطنوں اور قومی شہیدوں کی یاد کو کسی صورت میں مفقود ہونے نہیں دیتے، اور ہر قوم اپنے ماضی کے قومی شہیدوں کے سنہری کارناموں کا احترام کرتی ہے، نیز انسانی عظمتوں کی یاد کو یادگاروں، قومی روایتوں اور تہواروں کے انعقاد کے ذریعہ زندہ رکھنے کی کوشش بھی کی جاتی ہے۔ جس قوم نے اپنے بزرگانِ دین اور شہیدوں کی قربانیوں کو نظر انداز کیا اس قوم کا نام دنیا کے نقشہ سے حرف غلط کی طرح مٹ کر رہ گیا۔

مجھے اسلامی تاریخ پر کماحقہٗ عبور حاصل نہیں لیکن جو کچھ مجھے علم ہے اس کے مطابق ایام محرم میں تعزیہ کا موجودہ شکل میں ماتمی جلوس باشاہان وقت سے شروع ہوا۔ چونکہ ہندوستان سے کربلا معلیٰ کا سفر بڑا کٹھن اور لمبا تھا اس وجہ سے کربلا معلیٰ میں حضرت امام حسینؑ کے روضہ کے نقشہ کو یہاں ہی کسی دوسری شکل میں ترتیب دی گئی۔ لہٰذا عقیدت اور محبت کی پیاس کو بجھانے کی خاطر یہ رسم ایک ذریعہ بن گئی، تعزیہ جو کسی ذی روح کی تصویر نہیں، اور جس کا اصل وجود کربلا میں ہے۔ محض مشابہت کے سبب قابل احترام سمجھا جانے لگا۔ اسی لیے حسینی جماعت مقررہ دن پر اسی نقشہ کا مظاہرہ پیش کرتی ہے، کہ جو کربلا کے میدان میں دیکھا گیا۔ اسی وجہ سے تعزیہ کے ساتھ ذوالجناح جسے عام فہم الفاظ میں گھوڑا کہا جاتا ہے، اور جس کے سفید لباس پر سرخ رنگ کی چھینٹوں کے علاوہ ڈھال، تلوار اور کچھ تیر بھی نظر آتے ہیں اور کہ جو ایک بے زبان کی وفاداری کے نمونہ کی یاد کو تازہ کرتا ہے۔ اور علم جو کربلا کے حسرت ناک واقعے میں بھی سرنگوں نہ ہوا۔ شامل ہوتے ہیں۔ یہ بھی محض مندرجہ سبق آموز سانحے کی یاد اور آنحضرت کی شجاعت اور اسلامی نظریات کے لئے قربانی کی زندہ مثال کو تازہ دم کرنے کے سلسلہ میں اگر اہل شیعہ موجودہ شکل میں کرتے ہیں۔ میری رائے میں اس سے اسلامی اصولوں کی مخالفت کرنی مطلوب نہیں۔

کربلا کے شہید اعظم اس حقیقت سے ناواقف نہ تھے کہ جس یزید کو راہ راست پر لانے کے لئے سفر کر رہے ہیں اس میں انہیں بظاہر کسی کامیابی کی امید نہیں۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے مادّی سفر شروع کیا، جو مدینہ کی گلی کوچوں سے شروع ہو کر فرات کے کنارے آپ کے عبرت ناک قتل پر ختم ہوا۔ سفر شروع کرنے سے قبل ان کے مشیروں نے جن کی محدود نگاہیں اصلیت سے بے بہرہ تھیں، ان کو مشورہ دیا کہ وہ کربلا نہ جائیں، لیکن ان کے مشوروں کو قبول نہ کیا گیا۔ ظاہر ہے کہ حسینؑ مظلوم کے سامنے فتح قلوب کی اصل تصویر تھی، نہ کہ فتح ملک کی۔ وہ خوب جانتے تھے کہ کسی ملک کے فاتح ہمیشہ ختم ہوتے رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے لیکن فاتح قلوب، دنیا کے آخر تک زندہ جاوید رہتے ہیں ممکن ہے ان کے سامنے اس وقت کی اسلام کی کمزور پوزیشن بھی ہو کہ جسے وہ اپنی جان کی بازی لگا کر بھی مضبوط بنانا چاہتے ہوں۔ گویا کہ ان کی شہادت نے اسلام کی نیو کو کافی حد تک مضبوط بنا دیا۔ بظاہر یہ بات معمولی تھی کہ حسینؑ یزید کی بیعت منظور کر لیتے۔ اور یہ المناک واقعہ ظہور پذیر نہ ہوتا۔ مگر امامؑ نے یزید ایسے ظالم وجابر اور پست اخلاق کی بیعت کرنا کسی قیمت پر گوارہ نہ کیا۔ نیز وہ اپنی شہادت سے انسانیت کو بلند

کرنے کا پختہ ارادہ کر چکے تھے۔ چنانچہ بقول ایک بزرگ کے ہمارے اس خیال کی تائید ہوتی ہے۔

شاہ است حسینؑ بادشاہ است حسینؑ
دین است حسینؑ دین پناہ است حسینؑ
سردار نداد دست دردست یزید
حقا کہ بنائے لاالہ است حسینؑ

یعنی کہ حسینؑ نے اپنا سر دینا قبول کیا لیکن یزید کے ہاتھ میں بیعت کا ہاتھ دینا پسند نہ کیا۔

ہر ذی فہم انسان، خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو، یہ باور کرنے پر مجبور ہوگا کہ امامؑ کی قربانی نے اسلام اور انسانیت کی شان کو دوبالا کیا۔ آپ کا جذبۂ شہادت سورج کی طرح چمکا، جو دنیا کے آخر تک غروب نہ ہوگا۔ خداوند تعالیٰ جو کرتا ہے وہ بہتر کرتا ہے۔ اس لحاظ سے حضرت امام حسینؑ کے کربلا کے میدان میں شہید ہونے سے قرآن اور پیغمبر اسلامؐ کے سنہری اصولوں کو بڑھاوا ملا، میرا یقین ہے کہ اگر یہ شہادت دنیا کے سامنے نہ آتی تو آج اسلام کے نام پر مساوات واخوت کا پرچار نہ ہوسکتا، روزہ اور نماز کا نشان نہ ہوتا، مسلمانوں میں قوم پرستی اور جذبۂ قربانی کی باتیں نہ ہوتیں، حق پرستی کے نام پر اشک افشانی نہ ہوتی، الغرض اسلام کی پوزیشن اسی طرح ڈانواڈول ہوتی کہ جس طرح امامؑ کی شہادت سے قبل تھی۔ ظاہر ہے کہ حسین مظلومؑ کی شہادت اسلام کا دوسرا نام بن کر رہ گئی۔

قتل حسینؑ اصل میں مرگ یزید ہے
اسلام زندہ ہوگیا بس کربلا کے بعد

اگر آج بھی کربلا کے ریگستانی علاقہ کے ذرات کو نچوڑا جائے تو خون شہادت کے مقدس قطرے ماتم اور آنسوؤں کے طلبگار ہوں گے۔ آج بھی وہ مطالبہ کریں گے کہ ظلم اور جبر وتشدد کے سامنے سر جھکانا گناہِ عظیم ہے۔ انہیں آج بھی افسوس ہوگا کہ دشمنوں نے تو کربلا کے شہیدوں کی عظمت اور دعوتِ حق کو ختم کرنا چاہا، لیکن دوست بھی ان کے لئے سچائی کے آنسو بہا نہ سکے۔ آج بھی مقدس قطرے خطبہ کے ان کلمات کو جو آنحضرتؐ نے بیضہ کے مقام پر دورانِ سفر میں فرمائے تھے۔ (جو ذیل میں درج ہیں) ان کو یاد کرانے کی خاطر ہر مسلمان کو جھنجوڑ کر خبردار کریں گے کہ ہر انسان کو اپنے اندر اور باہر کی برائیوں کا مردانہ وار مقابلہ کرنا عین ایمان ہے۔

''اے لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو کوئی ایسے حاکم کو دیکھے جو ظلم کرتا ہے خدا کی قائم کی ہوئی حدیں توڑتا ہے، عہدِ الٰہی کو شکست دیتا ہے، سنت نبویؐ کی مخالفت کرتا ہے تو خدا ایسے آدمی کو اچھا ٹھکانہ نہ دے گا۔ دیکھو یہ لوگ شیطان کے پیرو بن گئے، رحمن سے سرکش ہوئے، فساد ظاہر ہے، حدود الٰہی معطل ہیں، مال غنیمت پر ناجائز قبضہ ہے، ان کی سرکشی کو حق وعدل سے بدل دینے کا میں حق دار ہوں۔''

صدیوں سے مسافر کربلا شہید اعظم امام مظلومؑ کے لیے جس قدر ماتم ہوا ہے، شاید ہی اتنا کسی شہید یا قومی ہیرو کا ہوا ہو۔ اشکوں سے عقیدت کے جتنے آنسوان کے لئے بہائے گئے ہیں، کسی دوسرے بانیانِ مذہب کے لیے بہائے نہیں گئے، دنیا نے پورے اتفاق سے اس صداقت کو تسلیم کیا کہ آپ کی شہادت نے وہ مذہبی اور سیاسی کام کیا جو طاقت سے سرانجام نہ پاسکتا تھا۔ کربلا کی خونچکاں داستان نے ہر ملک اور ہر زبان میں جس قدر مقبولیت حاصل کی، کسی دوسرے واقعہ کو میسر نہ آسکی۔ مستقبل میں بھی اس حادثہ عظیمہ پر گریہ زاری اور ماتم ہوتا رہے گا، لیکن جو لوگ اس سبق آموز حادثہ کو محض یاد رکھنا یا کسی نام کو فراموش نہ ہونے دینا ہی اصل مقصد ظاہر کرتے ہیں وہ غلط راہ پر گامزن ہیں۔ اگر ہمیں پچھلوں کو محض یاد ہی رکھنا ہے تو اس صف میں اچھے برے اور چھوٹے بڑے سب قسم کے افراد شامل کرنے ہوں گے، حقیقت یہ ہے کہ تیرہ سو سال سے اس سلسلہ میں جو الم جاری ہے اس کی تہہ میں اخلاق حسنہ، ان کے عزائم، اور ان کے سنہری کارنامے کارفرما ہیں، جن کی یاد اور تذکروں کے پس منظر میں قوموں کے لئے سب سے زیادہ موثر دعوتِ عمل شامل ہے، تاکہ اعمال حسنہ کو اپنی نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیا جائے، اور ان کی پورے طور پر تقلید کی جائے۔ یہ جب ہی ممکن ہے کہ جب ہم اشکوں سے زیادہ دل اور دماغ سے ماتم کریں، جب ہم باتوں کی بجائے عمل سے کچھ کر دکھائیں، ایام محرم میں عہد کریں کہ حسینؑ کا ہر پیروکار اپنے اخلاق کو پست نہیں ہونے دے گا، قرآن پاک کی تعلیم اور پیغمبر اسلامؐ کی ہدایت پر سختی سے عمل کرے گا، علم وعمل، زہد وتقویٰ، شجاعت و بے غرضی، صبر وتشکر، حق پرستی وقربانی، اور حق گوئی ایسی صفات جو حضرت امام حسینؑ میں موجود تھیں، ان کو اپنی زندگی کا جزو بنانے کا عہد کرے گا۔ جب تک ہم خود نیک نہیں بنیں، دوسروں کو نیک بننے کا درس دینے کا ہمیں کوئی حق نہیں۔ عمل سے زندگی بنتی ہے۔ خالی خولی نعروں اور بے عمل زندگی کے سہارے قربانی اور تیاگ کی باتیں کرنا بے سود ہیں۔ مجھے معاف فرمایا

جائے۔ اگر میں صاف گوئی سے یہ عرض کروں کہ ایسے اشخاص جن کو اسلامی سوسائٹی میں اپنی بظاہر ٹیپ ٹاپ کی بدولت کتنا ہی بلند مقام کیوں نہ حاصل ہو، اگر وہ پست اخلاق ہیں تو انہیں ماتمی صفوں میں کھڑا ہونے کا کوئی حق نہیں، ایسے لوگ تو مذہب اور سوسائٹی کو رسوا کرنے کا موجب بنتے ہیں۔ ہر انجمن میں تعداد کی بجائے نیک اخلاق والوں کی عزت افزائی ہونی مناسب ہے۔ جب میں سنتا ہوں کہ بعض اسلامی ممالک میں مسلم بھائیوں کی زبان اور دماغ پر تالے لگے ہوئے ہیں، اور وہ وقتی حکومتوں کے جبر سے خوف زدہ ہیں جس کا رن صحیح اور صداقت پر مبنی بات کرنے سے بھی ترستے ہیں، تو افسوس ہوتا ہے۔ دراصل وہ اپنے بزرگان دین کی مذکورہ قسم کی قابلِ تقلید قربانیوں کو آہستہ آہستہ بھولتے جا رہے ہیں، جو ان کے مذہبی اصولوں کے سراسر منافی ہے۔

دعا گو ہوں کہ ہر مسلم بھائی جو حضرت امام حسینؑ سے پیار کرتا ہے۔ اس کو خداوند تعالیٰ توفیق دے کہ وہ ان کی پاک زندگی سے سبق حاصل کرے، اور ان کی تقلید کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرے۔

طوفانِ نوحؑ لانے سے اے چشم فائدہ
دو اشک بھی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں

شہادت امام حسین علیہ السلام چند تاثرات

کے پی سکسینہ

واقعات کربلا وشہادت امام حسینؑ کو مذہب وملت کی قیود میں محدود رکھنا ایک پاک مقصد کے ساتھ ناانصافی کرنا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ ظلم وتشدد وجارحیت کا سر کبھی اونچا نہیں رہ سکا۔ حقائق کی فضا میں جھوٹ کا پرچم کبھی سرفراز نہیں ہوا۔ اس روشن حقیقت پر کسی مذہب کی پابندی عائد نہیں ہوتی۔ ہندوؤں کی مذہبی کتاب ''گیتا'' میں خود بھگوان کرشن نے ارجُن سے کہا ہے کہ جب کبھی نوع انسانی پر ظلم کا پہاڑ ٹوٹا ہے اور ایمان کی سچائی کو سرکوب کرنے کی کوشش کی گئی ہے، کسی نہ کسی شکل میں ایک نہ ایک انسانی فرشتہ حق کا محافظ بن کر ظالم کا سر کچل دیتا ہے۔ حضرت امام حسینؑ کی شہادت ایسے ہی ایک انسانی فرشتے کی درخشاں مثال ہے جو یزیدی مظالم اور جارحیت کے خلاف میدان کربلا میں اٹھی، حضرت امام حسینؑ کی تلوار، ایک انسانی فرشتے کی تلوار تھی جس کی یادگار آنے والی نسلوں میں برسہا برس شمع ایمان روشن کرتی رہے گی۔

زمانہ کے بدلتے حالات وقت پر پیاز کے چھلکوں جیسے پرت در پرت اترتے جارہے ہیں۔ جذبہ مادیت نوع انسانی پر غالب ہوتا جارہا ہے۔ تاہم یادگار حسینؑ زندہ جاوید ہے۔ شہادت حسینؑ تاریخ انسانی کا وہ مقدس باب ہے جسے دنیا کا کوئی فرقہ، کوئی مذہب فراموش نہیں کرسکتا۔

مرثیہ خوانوں اور سوگواروں کا ہجوم ہر چشم انسانی کو پرنم کردیتا ہے۔ ایام محرم میں بچپن کی وہ یادیں تازہ ہو اٹھتی ہیں جو عہد طفلی میں ایک معمّہ بنی ہوئی تھیں۔ انہیں یادوں کا ایک ہجوم آج اچانک ذہن میں گھر اٹھتا ہے اور آنکھیں بھیگ جاتی ہیں۔ مغربی اتر پردیش کا ضلع بریلی جہاں آج بھی ہندو مسلمان اپنے بھائی چارے اور یک جہتی کی مثال آپ ہیں۔ تعزیوں کے امنڈتے ہجوم، مرثیہ خوانوں کی سوگ میں ڈوبی ہوئی آواز، گھر گھر صف ماتم بچھی ہوئی۔ ایسے ہی ماحول میں میرا بچپن ایک معمولی گھرانے میں نانی اماں کے دامن میں گزرا۔ اِدھر محرم کے نقارے پر چوٹ پڑی ادھر گھر گھر چولھوں کی راکھ ٹھنڈی ہونے لگی۔ پچاس ساٹھ گھروں کا ہندوؤں کا محلہ۔ مرد عورتیں، بچے سب سوگ

میں ڈوبے نظر آنے لگے۔ کڑھائی کا چونکن بند ہو گیا اور پیدائش مونڈن، مکتب جیسے مواقع پر بھی ڈھولک کے چھلے ڈھیلے کر دیئے گئے۔ نئے کپڑے سلنا، شادی بیاہ کی تاریخیں نکلنا، پیروں میں مہاور لگانا، ڈاڑھی بنوانا۔ سب ملتوی۔ غرض کہ ہر وہ کام بالائے طاق رکھ دیا گیا جو عام ہندو گھرانوں میں ایام سوگ میں ممنوع ہے۔ ہمارے بازوؤں و گردن کے گرد سبز دھاگے باندھ دیئے جاتے۔ کھیل تماشوں کی پوٹلیاں چھپا کر رکھ دی جاتیں اور ہمارے کنکوئے و چقئی (ایک قسم کا کھلونا) ہمارے امکان سے اونچے مقام پر ٹانگ دیئے جاتے۔ دروازے دروازے حسب حیثیت سبیلیں نصب ہوتیں اور مٹکوں کا پانی و شربت پلانے میں ہم ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوششوں میں سرگرداں رہتے۔ گھر گھر بھونے ہوئے دھنیے و شکر کا کرمُرا تیار کیا جاتا اور ہماری ڈیوٹی لگا دی جاتی تھی کہ ہم اسے پُڑیوں میں باندھ کر تقسیم کریں۔ ایام محرم میں اس کرُمرے کی تقسیم آج بھی وہاں کار ثواب سمجھا جاتا ہے ہم میں سے جو عمر میں قدرے بڑے تھے انہیں تعزیے و تخت سجانے میں لگا دیا جاتا۔ کوئی لوبان لینے دوڑا جا رہا ہے تو کوئی مٹی کے پیالے خریدنے، آدھی آدھی رات تک نیند میں بوجھل آنکھیں سنبھالے ہم دروازوں پر سبیلیں لگائے بیٹھے رہتے۔ پے در پے چھڑ کاؤ اور سڑک پر تعزیوں و مرثیہ خوانوں کے جوق در جوق امنڈتے آتے۔ تعزیوں اور سوگواروں کی صفیں اختتام پر آتیں تو شب نصف سے زیادہ گزر چکی ہوتی مگر ہماری آنکھوں میں نیند کہاں؟ اپنی اپنی سبیلیں اٹھا کر گھروں میں داخل ہو جاتے۔ ایام محرم میں نانی اماں ہمیں گھر پر رکھے تعزیے کے پاس بچھی دری پر بٹھا کر واقعات کربلا و شہادت امام حسینؑ سے متعارف کرواتیں۔ انیسؔ و دبیرؔ کے مرثیوں کے کچھ حصے انہیں حفظ تھے۔ رامائن و گیتا کی دھنی نانی اماں حسینؑ کی شہادت کے واقعہ تک پہونچتے پہونچتے اپنی سفید کھردری ساڑی کے آنچل سے آنکھیں پونچھنے لگتیں اور ہم سکتہ کے عالم میں ان کے جھری دار چہرے پر آنکھیں گڑائے رہتے۔ نانی اماں پاس رکھے بنڈل سے نکال کر نئی شمعیں جلاتیں۔ مٹی کے کوزے میں لوبان چھڑکتیں اور ٹوٹتے سلسلہ کی کڑی دوبارہ جوڑ دیتیں۔

محرم کی دسویں کو محلے بھر میں چولھے ٹھنڈے رہتے ایک کونے میں کنڈے سُلگا کر کچھ پکا لیا جاتا۔ چند ایک گھرانوں میں آج کے دن ہندو عورتیں مانگ میں سیندور تک نہ ڈالتیں۔ ٹھنڈا کرنے کے واسطے لے جانے والے تعزیوں میں ہمارے تعزیے بھی شامل کر دیے جاتے۔ بجلی تو ان دونوں محلے بھر میں نہ تھی۔ گھروں میں سر شام سوائے شمعوں کے لالٹینیں تک نہ روشن کی جاتیں۔ پڑوس کے محلے

نواده شیخاں میں نانی اماں و محلے کی دیگر بزرگ مستورات زنانے سوگ میں شریک ہوتیں۔ برکت کے خیال سے خمیری روٹیاں و چنے کی دال جو تعزیہ داروں کے یہاں بٹتی، ہم میں تقسیم کردی جاتی۔ عہد طفلی میں روح محرم سے تو بھلا ہم کیا روشناس ہو پاتے، مگر اتنا جذبہ ضرور ہمارے دلوں میں سما گیا تھا کہ ایک نیک دل اور سچے انسان نے برائی پر فتح حاصل کرنے کے لئے اپنی اور اپنے عزیزوں کی جانیں قربان کردیں وقت پر پے در پے چڑھتی چڑھتی تھوں کے ساتھ ساتھ شہادت کربلا کے واقعات ہمارے دلوں میں گھر کرنے لگے۔ نانی اماں کا سورگباش ہوگیا۔ مگر ایام محرم میں سوگواروں کے ہجوم میں بھیگی آنکھیں دیکھ کر ہمیں نانی اماں کے لجلجے چہرے پر ڈھلکتے آنسو یاد آجاتے اور ایک ایک واقعہ ہماری نظروں کے سامنے تیر جاتا بس ایک ہی بات تھی جو سوالیہ نشان بن کر ہمارے ذہنوں میں منڈلانے لگتی۔ شہادت حضرت امام حسینؑ مذہبی قیود سے بالاتر ہے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر ہماری نانی اماں، پڑوس کی لکشمی چاچی اور دروازے پر حقہ گڑگڑاتے ہمارے بوڑھے نوکر مہادیو کی پُرنم

ان کی مصیبت پر آنسو بہانے کے کیا معنی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت امام حسینؑ نے جو بلند منزلیں شہادت کے بعد پائی ہوں گی، ان کا اندازہ تو اسی وقت ہوسکتا ہے جب خود بھی انسان دنیا میں باقی نہ رہے۔ کیوں کہ وہ تمام عطیات خداوندی چشمِ انسانی سے چھپے ہوئے ہیں، اور جو چیز انسان کے علم میں نہ ہو، یا اس کی نگاہیں نہ دیکھ سکتی ہوں، اس پر خوشی منانا صحیح نہیں ہوسکتا۔ لیکن جو مصائب اور مصیبتیں حضرت امام حسینؑ پر گزر گئیں وہ سب تاریخوں کے اوراق میں محفوظ ہیں، بلکہ دماغوں میں اپنی جگہ بنا چکی ہیں۔ اس لئے ان کے مصائب یاد کرکے رونا انسان کی فطرت ہے، اور فطرت سے کوئی شخص بھی اختلاف کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔

حضرت امام حسینؑ کے متعلق بعض مسلمانوں کا یہ خیال ہے کہ وہ صرف مسلمانوں کے ہیں، مگر ایسا نہیں ہے، جس طرح چودھویں کا چاند اور اسکی روشنی کسی ایک مذہب کے ماننے والوں کے لئے مخصوص نہیں ہوتی، جس طرح سورج کی شعاعیں ہندو، مسلمان، سکھ یا پارسی کے مکانات میں بغیر کسی امتیاز کے اپنی تجلی پہونچادیتی ہیں، یا جس طرح بہتی ہوئی گنگا اور جمنا پیاسے کا نام و مذہب پوچھے بغیر اسکو سیراب کردیتی ہیں، بعینہ اسی طرح حضرت امام حسینؑ کا کرم، محبت اور ان کا فیض یا ان کے اصول صرف مسلمانوں کے لئے مخصوص نہیں ہیں، بلکہ جو بھی ان کے چہرے کی ضیاؤں سے کسب نور کرنا چاہے وہ تجلی حاصل کرسکتا ہے،

اس لئے کہ امام حسینؑ نے سچائی کی خدمت کی تھی، حقیقت کو باطل کی دست برد سے بچایا تھا، انسانیت اور انسان کے اخلاق وعادات اور اچھے صفات کا تحفظ کیا تھا، انہوں نے بندش آب کو گوارا کر لیا تھا، لیکن اس کو برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ یزیدیت کے شکنجہ میں پھنس کر انسانیت کا دم نکل جائے۔

اگر حقیقت بھری نگاہوں سے واقعہ کربلا کو دیکھا جائے تو روز عاشور کتنے ہی سبق ملتے ہیں۔ اگر حضرت زینبؑ نہ ہوتیں تو دنیا کیونکر سمجھ سکتی کہ بہن اپنے بھائی کو اور بھائی اپنی بہن کو کتنا چاہتا ہے۔ اگر حضرت علی اصغرؑ امام حسینؑ کے ہاتھوں پر شدتِ تشنگی میں تیر کھا کے، خون اگل کر نہ مرجاتے، تو دنیا کو کیسے اندازہ ہوسکتا کہ ایک باپ نے اپنے چھ ماہ کے بچہ کو خون اور آندھی کی بارش میں کیونکر بارگاہ خدا میں پیش کر دیا۔ اور پھر بچہ چھ ماہ کے سن میں کس طرح اپنے باپ کے حکم کی اطاعت کرتے ہوئے اپنی جان اس کے اٹل اصول پر نثار کر دیتا ہے۔

اگر حضرت علی اکبرؑ نہ ہوتے اور شہادت کی بلند منزل پر فائز نہ ہوتے تو دنیا کو کیونکر یہ احساس ہوتا کہ ایک وقت ایسا بھی آتا ہے جب سچائی کے نام پر نوجوان بیٹے کی بھی قربانی پیش کر دی جاتی ہے۔ بعض مسلمانوں کے ذہن میں اب بھی یہی بات باقی ہے کہ جب حضرت امام حسینؑ شہادت کی منزل پر فائز ہو گئے یا پیغمبرؐ خدا کا ان کی وفات کے بعد خدا سے وصال ہو گیا تو اس پر غم کرنے کی کیا ضرورت ہے تو اس کا ہی ظاہری جواب ہے کہ شہید ہوئے حضرت امام حسینؑ بلند درجات ملے ان کو، وصال ہوا پیغمبر خدا کا، مگر اس کی خوشی سے ان لوگوں کو کیا ربط، جو غم کے فطری اصول سے منھ پھیر کر راستہ چلتے ہیں، اگر شہید کی شہادت پر یا اس کی ظاہری موت پر رونا بدعت ہی ہوتا تو خدا کے رسولؐ اپنے حقیقی چچا حضرت حمزہ کی شہادت کے بعد کیوں روتے، اور اصحاب بلکہ خصوصیت سے مدینہ کی مسلمان عورتوں کو رونے کا حکم کیوں دیتے۔ یہی نہیں بلکہ تمام اسلامی تاریخوں میں یہ واقعہ بھی موجود ہے کہ حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے کچھ دیر بعد حضرت ابن عباس اور ام المومنین ام سلمہ نے خواب میں پیغمبرؐ خدا کو اس طرح دیکھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے، اور سر پر کربلا کی خاک پڑی ہوئی تھی دونوں ہاتھوں میں دو شیشے تھے، جن میں خون تازہ جوش کھا رہا تھا۔ حضرت ام سلمہ کے سوال کرنے پر پیغمبرؐ نے جواب دیا کہ ابھی کربلا میں میرا نواسہ اپنی اولاد سمیت شہید کر دیا گیا۔ اور دوسرے شیشے میں ان کے اصحاب کار جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ عام لوگ حضرت امام حسینؑ کی بلند منزلوں سے واقف نہیں ہو سکتے، مگر

پیغمبرؐخدا تو جانتے تھے کہ حسینؑ شہادت کی منزل حاصل کرنے کے بعد کن بلند درجات پر فائز ہو گئے۔ مگر اس کے بعد بھی پیغمبرؐخدا روئے، اور ان کی فطری محبت نے گریہ پر مجبور کر دیا۔ جس کے بعد وہ مسلمان جورونا بدعت جانتے ہیں یہ سمجھ لیں کہ آنسو ظاہری مصیبت پر نکلتے ہیں۔ صرف اس خیال پر ہمارا غم غلط نہیں ہوسکتا ہے کہ امام حسینؑ کو حیات جاوید ملتا تھی اور مل بھی گئی۔ وہ شہید بھی ہیں اور تمام شہدائے راہِ خدا کے سردار بھی۔ حیات جاوید تو ان کے قدم چومتی ہے، مگر وہ جن مصائب کے ساتھ درجۂ شہادت پر فائز ہوئے، اور جو مظالم ان پر کئے گئے ان کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ یہ بھی انسان کی فطرت ہے کہ اگر کسی کے دادا کو بے گناہ قتل کر دیا گیا ہو تو اس کا پوتا اپنے دادا کے قاتل کے پوتے کو دیکھ کر یہ سوچنے پر مجبور ہوگا کہ اسی کے دادا نے ہمارے دادا کو قتل کیا، اور جب تک قتل کا بدلہ قتل سے نہیں مل جائے گا اس وقت تک مقتول کا پوتا قلبی اور فطری اطمینان حاصل نہیں کر سکتا۔ حضرت امام حسینؑ شہید بھی ہوئے اور ان کو حیات جاوید بھی حاصل ہوگئی مگر ان کا خون بے گناہ آج بھی شفق میں جگمگا کر اپنی بے گناہی کا اعلان کرتا رہتا ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ واقعۂ کربلا اپنی آپ مثال بھی ہے اور دنیا کے لئے ایک ایسا سبق بھی ہے جس سے قیامت تک دنیا فیض و برکت حاصل کرتی رہے گی اور کربلا کا ہیرو اپنی شہادت کے بعد بھی دنیا کو یہ بتا تا رہے گا کہ سچائی گلا کٹوانے کے بعد بھی فنا نہیں ہوسکتی اور جھوٹ کو کسی مظلوم کا گلا کاٹ دینے کے بعد بھی فروغ حاصل نہیں ہوسکتا۔ کربلا میں روز عاشور صرف چند گھنٹے میں حق و باطل کی جنگ ختم ہوگئی، مگر حق ہمیشہ کے لئے فاتح اور باطل مفتوح ہو کر رہا۔ یزید چندروزہ زندگی کو پائدار جانتے ہوئے اپنی دولت کو غیر فانی جانتا تھا، اور وہ یہ سمجھتا تھا کہ امام حسینؑ کا گلا کاٹ دینے کے بعد وہ اسلام کا نام ونشان دنیا سے مٹادے گا۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ ادھر امام حسینؑ شہید ہوئے اور ان کو حیات جاوید ملی اور اُدھر یزید کے تصورات خاک میں مل کر رہ گئے۔ یہی نہیں بلکہ جو اسلام رسولؐ کی وفات کے بعد سے نیم مردہ حالت میں ہچکیاں لے رہا تھا اس میں جان پڑ گئی۔ وہ آنکھیں مل کر ہمیشہ کے لئے بیدار ہو گیا۔ اور دنیا سمجھ گئی کہ اسلام کے وارث وہ نہیں تھے جنہوں نے ملک گیری کو اسلام کا مقصد سمجھ رکھا تھا۔ اور فتوحات سے احکام اسلامی کی خلاف ورزی کی تھی، آمریت کو جگایا تھا، اور روحانیت کو ہمیشہ کے لئے سلا دینے کی کوشش کی تھی بلکہ اسلام وہ تھا جس کو رسولؐ کے بعد حضرت علیؑ نے اپنے سر کا خون دیا۔ امام حسنؑ نے

دستِ قاتل سے زہر کھا کر اسلام کا علاج کیا اور حسینؑ نے اپنے اصحاب و اعزاء کا لہو دے کر جسم اسلام میں روح ڈالی، جس کا نتیجہ یہی نہیں نکلا کہ امام حسینؑ خود حیات جاوداں کے مالک ہو گئے، بلکہ یہ بھی ہوا کہ اسلام کو بھی قیامت تک کے لئے دوسری زندگی مل گئی۔

زندگی کے آثار ہوتے ہیں، اس کی نشو ونما ہوتی ہے، اور زندگی دنیا کی نگاہوں کو محسوس ہوا کرتی ہے، ہوسکتا ہے کہ آپ یہ کہیں کہ حضرت امام حسینؑ اگر زندہ ہیں تو وہ ہمارے سامنے کیوں نہیں آتے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ حیات شہید عام لوگوں کی زندگی کی طرح نہیں ہوتی جس کو ظاہری نگاہیں دیکھ لیں۔ بلکہ شہید اگر باقی رہتا ہے تو اس کے اصول بھی زندہ رہتے ہیں۔ آج کتنے ہی دنیا کے بڑے انسان مرجاتے ہیں، مگر دس بیس سال بعد دنیا ان کو بھول جاتی ہے۔ سیکڑوں برس پہلے کتنوں ہی نے شہادت پائی، مگر آج زبانوں پر ان کا نام بھی نہیں آتا۔ مگر وہ صرف حضرت امام حسینؑ ہی ہیں جن کی یاد دنیا کے گوشہ گوشہ میں منائی جاتی ہے۔ صرف محرم ہی پر منحصر نہیں ہمہ وقت امام حسینؑ کا ذکر خیر ہوتا رہتا ہے، بلکہ ان کا نام بھی زبان پر آتا ہے تو آنکھوں کے آنسو ان کی یادوں کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ ان کی شہادت کو ۱۳۲۳ سال گزر چکے ہیں، لیکن جب محرم کا چاند فلک پر نمودار ہوتا ہے تو ہر ملک اور ہر قوم میں حسینؑ کا غم تازہ ہو جاتا ہے، جیسے کہ محرم کے مہینہ کو امام حسینؑ نے اپنی ذات کے لئے مخصوص کر لیا ہو، ورنہ جس طرح ہر مہینہ کا چاند نکلتا ہے، مگر کوئی کسی کو یاد نہیں کرتا لیکن ادھر محرم کا چاند نمودار ہوا اور حسینؑ کی ذہنی تصویریں دماغوں میں جگمگانے لگیں۔ یہ کیا ہے اگر حیات نہیں ہے، کیونکہ اگر کوئی انسان زندہ رہتا ہے تو اس کے آثار حیات اس کے ساتھ ہوتے ہیں، مگر جب کوئی شخص دنیا سے اٹھ جاتا ہے تو وہ آثار نظر نہیں آتے۔ حسینؑ کی زندگی کا ثبوت یہ ہے کہ ان کے اصول زندہ ہیں، ان کا نام زندہ ہے، ان کی بات زندہ ہے، او ریہ سب کچھ ہمیشہ باقی رہے گا، کیونکہ اسی کو حیات جاوید کہتے ہیں۔

حیات شہید

وشوناتھ پرشاد، ماتھر لکھنوی

اگر انسان کو ایک گلاب کا پھول سمجھ لیا جائے تو اس کی خوشبو کو روح تصور کرنا ہوگا۔ جس طرح پھول کی خوشبو اس کی تازگی تک وابستہ رہتی ہے، بعینہ اسی طرح انسان کی زندگی یا روح اس کے جسم میں موجود ہوتی ہے، پھول مرجھایا اور خوشبو گئی، انسان مرض الموت میں مبتلا ہوا، تو روح نے مفارقت کا راستہ طے کیا۔ روح کیا ہے؟ دنیا کا کوئی فلاسفر، سائنس داں، عالم اب تک جستجو کے باوجود اس سوال کا جواب پیدا نہ کر سکا۔ دنیا کا کوئی بھی مذہب کیوں نہ ہو، لیکن جب اس کے راہبر سے روح کے متعلق پوچھا جائے گا تو وہ اپنا خیال ایک دوسرے سے مختلف ظاہر کرے گا۔ کوئی کہتا ہے کہ روح خون ہے، جب انسان مرجاتا ہے تو خون گوشت میں جذب ہو کر غائب ہو جاتا ہے، اور یہی روح ہے، کوئی کہتا ہے نہیں روح کے معنی جان کے ہیں، اور جان ایک ایسی شے ہے جس کو حواس خمسہ محسوس تو کر سکتے ہیں مگر دیکھ نہیں سکتے۔ چنانچہ یہی سوال جب پیغمبر اسلام سے کیا گیا، اور انہوں نے خدا سے پوچھا، تو جواب ملا کہ اے رسولؐ کہہ دو ان لوگوں سے کہ روح تو خدا کا ایک حکم ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے بھی اس کی توضیح مناسب نہیں سمجھی کیونکہ صرف روح ہی نہیں، ہر چیز جو عالم وجود میں ہے وہ یا تو خدا کا حکم ہے، یا خدا کی نشانی، جس کو دیکھ کر اہل بصیرت صحیح راستے پر گامزن ہوتے ہیں۔

روح کی جسم سے جدائی مختلف اسباب کی بنا پر ہوتی ہے، لیکن جب یہ روح انسان کے جسم سے حقیقت کے راستے میں جنگ کرنے کے بعد جسم سے جدا ہو جائے تو اسی کا نام شہادت ہے، اور دیکھا یہ گیا ہے کہ شہید کی روح ظاہری نگاہوں میں تو ضرور پرواز کر جاتی ہے مگر در حقیقت شہید دائمی زندگی سے منسلک ہو کر حیات جاوید حاصل کر لیتا ہے اس کی زندگی بھی لباس ظاہری میں نہیں ہوتی، کیوں کہ شہید عام انسانوں کی نگاہوں میں نظر نہیں آتا، مگر اس کی زندگی باقی رہتی ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے پھول کی خوشبو موجود تو ہوتی ہے، محسوس بھی ہوتی ہے، مگر دکھائی نہیں دیتی۔ بالکل اسی طرح جیسے چلتی ہوا کا احساس تو ہوتا ہے مگر وہ دکھائی نہیں دیتی۔

دنیانے ہزاروں بلکہ لاکھوں برس سے اس کی سرتوڑ کوشش کی کہ نہ صرف روح کی تحقیق کی جائے بلکہ کوئی بھی ایسی شے ہاتھ لگ جائے جس سے انسان کو ہمیشہ کی زندگی پر قابو حاصل ہوجائے، مگر کوشش کرنے والے اب تک گرد کارواں بھی نہ پا سکے۔ اگر کوئی راستہ حیات ابدی کا معلوم ہوا تو وہ صرف شہید کی زندگی ہے، جو اپنا خون سچائی کے راستے میں بہا کر ہمیشہ کے لئے زندگی حاصل کرلیتا ہے، اور مسلمانوں کے عقیدے سے جس کا اظہار قرآن مجید میں کیا گیا ہے، شہیدوں کو خدا عام انسانوں کی طرح روزی بھی دیتا رہتا ہے، اور وہ زندہ ہیں۔ مگر سوال تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہر وہ شخص جو قرولی یا تلوار کا زخم کھا کر، یا گولی وغیرہ سے مرجائے، اس کو ہمیشہ کی زندگی مل جاتی ہے؟ ایسا نہیں ہے، شہادت کے بھی جادے اور منزلیں ہوتی ہیں، اصول ہوتے ہیں، طریقے ہوتے ہیں۔ اگر کوئی شخص فوجوں کے ہمراہ کسی کے ملک پر دولت کے لالچ میں حملہ آور ہوتا ہے اور اس قتل وغارت میں جانیں تلف ہوتی ہیں، تو یہ لوگ شہادت کی منزل تک نہیں پہونچ سکتے، اس لئے کہ ان کا مقصد ملک گیر ہوتا ہے، دولت اور جاہ وثروت کی انہیں حرص ہوتی ہے، ان کی جنگ نہ حقیقت کے بچاؤ کے لئے ہوتی ہے، نہ وہ سچائی کو تقویت دینے کے لئے لڑتے ہیں۔ ایسے لوگ تو صرف اپنی جیب کو وزنی بنانے اور دوسروں کے مال سے اپنا پیٹ بھرنے کے لئے تلوار اٹھاتے ہیں۔ یہ لوگ چاہے تلوار سے مریں یا بندوق سے، ان کی جگہ جب دنیائے انسانیت میں نہیں نکل سکتی تو شہادت کی منزل تو کوسوں دور رہ جاتی ہے۔

آپ نے یورپ کی تاریخ میں نپولین کا مقام بہت بلند سنا ہوگا، مگر اس کو بھی آپ ایک دنیاوی تاریخ سے زیادہ بلندی نہیں دے سکتے۔ پھر اس کی موت بھی میدان جنگ میں واقع نہیں ہوتی، بلکہ دشمن کی قید میں مرجاتا ہے اسی طرح محمود غزنوی کا نام بھی لیا جاسکتا ہے، اس نے بھی فوجوں اور تلواروں کی طاقت پر ہندوستان جیسے ملک پر چڑھائی کی تھی۔ یہی نہیں بلکہ احکام اسلامی کے خلاف دوسروں کی عبادت گاہیں مسمار کرنے کے بعد، اس نے فتح کا پرچم اڑایا۔ مگر یہ فتح کا پرچم نہ تو صداقت کا نشان تھا، نہ سچائی کا علم تھا، بلکہ اس کی طمع دنیاداری کی آئینہ دار تھی۔ یہ اگر میدان جنگ میں تلواروں سے زخمی ہوکر مرجاتا، تو اسے ہرگز شہادت کا درجہ نہیں حاصل ہوسکتا تھا۔ کیونکہ اسکے دل میں حقیقت خیز جلوے نہیں تھے، بلکہ سونے چاندی اور جواہرات کی حرص نے اسے مجبور کردیا تھا کہ وہ انسانیت کا گلا کاٹے۔ شہید وہ نہیں ہوتا، جو انسانیت کا قاتل ہو، شہید اس کو کہتے ہیں جو خدا کے راستے میں خلوص ومحبت کی راہ پر اپنی

گردن پیش کر دینے کے بعد انسانیت اور صداقت کا بچاؤ کرتے ہوئے قتل کر دیا جائے، یہ ضرور شہید ہوتا ہے، اور ایسا شہید جس کے متعلق قرآن نے بھی رزق دینے کا وعدہ کیا ہے، اور یہ درحقیقت حیات جاوید بھی پالیتا ہے، اس طرح کے شہیدوں کی تعداد بھی کم نہیں ہے۔ خدا ہی جانے کتنے شہیدوں نے اس کی راہ میں سخت سے سخت امتحان دے کر اپنی جانیں نذر کیں، اور خدا نے ان کو حیات جاوید مرحمت فرمائی۔ ان شہیدوں کی گنتی معلوم نہیں کی جاسکتی، مگر تمام شہیدوں کا جو سردار ہے اس کو دنیا کا ہر شخص جانتا ہے۔ خواہ اس کا تعلق کسی مذہب سے کیوں نہ ہو۔ اور وہ ہیں سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام جنہوں نے ۱۳۲۳ سال قبل، سرزمین عرب پر کربلا میں شہادت کا وہ بے نظیر مرقع پیش کیا جس کا جواب نہ تو ان سے پہلے کوئی تھا اور نہ قیامت تک پیدا ہوسکتا ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب حضرت امام حسینؑ شہید ہو کر حیات جاوید پا گئے اور خدا نے ان کو تمام شہیدوں کا رہنما اور سردار بنا دیا، تو ان کے غم میں رونا کیسا، اور ان کی مصیبت پر آنسو بہانے کے کیا معنی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت امام حسینؑ نے جو بلند منزلیں شہادت کے بعد پائی ہوں گی، ان کا اندازہ تو اسی وقت ہوسکتا ہے جب خود بھی انسان دنیا میں باقی نہ رہے۔ کیوں کہ وہ تمام عطیات خداوندی چشمِ انسانی سے چھپے ہوئے ہیں، اور جو چیز انسان کے علم میں نہ ہو، یا اس کی نگاہیں نہ دیکھ سکتی ہوں، اس پر خوشی منانا صحیح نہیں ہوسکتا۔ لیکن جو مصائب اور مصیبتیں حضرت امام حسینؑ پر گزر گئیں وہ سب تاریخوں کے اوراق میں محفوظ ہیں، بلکہ دماغوں میں اپنی جگہ بنا چکی ہیں۔ اس لئے ان کے مصائب یاد کر کے رونا انسان کی فطرت ہے، اور فطرت سے کوئی شخص بھی اختلاف کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

حضرت امام حسینؑ کے متعلق بعض مسلمانوں کا یہ خیال ہے کہ وہ صرف مسلمانوں کے ہیں، مگر ایسا نہیں ہے، جس طرح چودھویں کا چاند اور اسکی روشنی کسی ایک مذہب کے ماننے والوں کے لئے مخصوص نہیں ہوتی، جس طرح سورج کی شعاعیں ہندو، مسلمان، سکھ یا پارسی کے مکانات میں بغیر کسی امتیاز کے اپنی تجلی پہونچا دیتی ہیں، یا جس طرح بہتی ہوئی گنگا اور جمنا پیاسے کا نام و مذہب پوچھے بغیر اسکو سیراب کر دیتی ہیں، بعینہ اسی طرح حضرت امام حسینؑ کا کرم، محبت اور ان کا فیض یا ان کے اصول صرف مسلمانوں کے لئے مخصوص نہیں ہیں، بلکہ جو بھی ان کے چہرے کی ضیاؤں سے کسب نور کرنا چاہے وہ تجلی حاصل کر سکتا ہے، اس لئے کہ امام حسینؑ نے سچائی کی خدمت کی تھی، حقیقت کو باطل کی دست برد سے بچایا تھا، انسانیت اور

انسان کے اخلاق وعادات اور اچھے صفات کا تحفظ کیا تھا، انہوں نے بندش آب کو گوارا کرلیا تھا، لیکن اس کو برداشت نہیں کرسکتے تھے کہ یزیدیت کے شکنجہ میں پھنس کر انسانیت کا دم نکل جائے۔

اگر حقیقت بھری نگاہوں سے واقعہ کربلا کو دیکھا جائے تو روز عاشور کتنے ہی سبق ملتے ہیں۔ اگر حضرت زینبؑ نہ ہوتیں تو دنیا کیونکر سمجھ سکتی کہ بہن اپنے بھائی کو اور بھائی اپنی بہن کو کتنا چاہتا ہے۔ اگر حضرت علی اصغرؑ امام حسینؑ کے ہاتھوں پر شدتِ تشنگی میں تیر کھا کے، خون اگل کر نہ مرجاتے، تو دنیا کو کیسے اندازہ ہوسکتا کہ ایک باپ نے اپنے چھ ماہ کے بچہ کو خون اور آندھی کی بارش میں کیونکر بارگاہ خدا میں پیش کردیا۔ اور پھر بچہ چھ ماہ کے سن میں کس طرح اپنے باپ کے حکم کی اطاعت کرتے ہوئے اپنی جان اس کے اٹل اصول پر نثار کردیتا ہے۔

اگر حضرت علی اکبرؑ نہ ہوتے اور شہادت کی بلند منزل پر فائز نہ ہوتے تو دنیا کو کیونکر یہ احساس ہوتا کہ ایک وقت ایسا بھی آتا ہے جب سچائی کے نام پر نوجوان بیٹے کی بھی قربانی پیش کردی جاتی ہے۔ بعض مسلمانوں کے ذہن میں اب بھی یہی بات باقی ہے کہ جب حضرت امام حسینؑ شہادت کی منزل پر فائز ہوگئے یا پیغمبرؐ خدا کا ان کی وفات کے بعد خدا سے وصال ہوگیا تو اس پر غم کرنے کی کیا ضرورت ہے تو اس کا ہی ظاہری جواب ہے کہ شہید ہوئے حضرت امام حسینؑ بلند درجات ملے ان کو، وصال ہوا پیغمبر خدا کا، مگر اس کی خوشی سے ان لوگوں کو کیا ربط، جو غم کے فطری اصول سے منھ پھیر کر راستہ چلتے ہیں، اگر شہید کی شہادت پر یا اس کی ظاہری موت پر رونا بدعت ہی ہوتا تو خدا کے رسولؐ اپنے حقیقی چچا حضرت حمزہ کی شہادت کے بعد کیوں روتے، اور اصحاب بلکہ خصوصیت سے مدینہ کی مسلمان عورتوں کو رونے کا حکم کیوں دیتے۔ یہی نہیں بلکہ تمام اسلامی تاریخوں میں یہ واقعہ بھی موجود ہے کہ حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے کچھ دیر بعد حضرت ابن عباس اور ام المومنین ام سلمہ نے خواب میں پیغمبرؐ خدا کو اس طرح دیکھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، اور سر پر کربلا کی کاک پڑی ہوئی تھی دونوں ہاتھوں میں دو شیشے تھے، جن میں خون تازہ جوش کھا رہا تھا۔ حضرت ام سلمہ کے سوال کرنے پر پیغمبرؐ نے جواب دیا کہ ابھی کربلا میں میرا نواسہ اپنی اولاد سمیت شہید کردیا گیا۔ اور دوسرے شیشے میں ان کے اصحاب کار جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ عام لوگ حضرت امام حسینؑ کی بلند منزلوں سے واقف نہیں ہوسکتے، مگر پیغمبرؐ خدا تو جانتے تھے کہ حسینؑ شہادت کی منزل حاصل کرنے کے بعد کن بلند درجات پر فائز ہوگئے۔

مگر اس کے بعد بھی پیغمبرؐخدا روئے، اور ان کی فطری محبت نے گریہ پر مجبور کر دیا۔ جس کے بعد وہ مسلمان جور و نا بدعت جانتے ہیں یہ سمجھ لیں کہ آنسو ظاہری مصیبت پر نکلتے ہیں۔ صرف اس خیال پر ہمارا غم غلط نہیں ہوسکتا ہے کہ امام حسینؑ کو حیات جاوید ملنا تھی اور مل بھی گئی۔ وہ شہید بھی ہیں اور تمام شہدائے راہِ خدا کے سردار بھی۔ حیات جاوید تو ان کے قدم چومتی ہے، مگر وہ جن مصائب کے ساتھ درجۂ شہادت پر فائز ہوئے، اور جو مظالم ان پر کئے گئے ان کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ یہ بھی انسان کی فطرت ہے کہ اگر کسی کے دادا کو بے گناہ قتل کر دیا گیا ہو تو اس کا پوتا اپنے دادا کے قاتل کے پوتے کو دیکھ کر یہ سوچنے پر مجبور ہوگا کہ اسی کے دادا نے ہمارے دادا کو قتل کیا، اور جب تک قتل کا بدلہ قتل سے نہیں مل جائے گا اس وقت تک مقتول کا پوتا قلبی اور فطری اطمینان حاصل نہیں کر سکتا۔ حضرت امام حسینؑ شہید بھی ہوئے اور ان کو حیات جاوید بھی حاصل ہوگئی مگر ان کا خون بے گناہ آج بھی شفق میں جگمگا کر اپنی بے گناہی کا اعلان کرتا رہتا ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ واقعۂ کربلا اپنی آپ مثال بھی ہے اور دنیا کے لئے ایک ایسا سبق بھی ہے جس سے قیامت تک دنیا فیض و برکت حاصل کرتی رہے گی اور کربلا کا ہیرو اپنی شہادت کے بعد بھی دنیا کو یہ بتاتا رہے گا کہ سچائی گلا کٹوانے کے بعد بھی فنا نہیں ہوسکتی اور جھوٹ کو کسی مظلوم کا گلا کاٹ دینے کے بعد بھی فروغ حاصل نہیں ہوسکتا۔ کربلا میں روز عاشور صرف چند گھنٹے میں حق و باطل کی جنگ ختم ہوگئی، مگر حق ہمیشہ کے لئے فاتح اور باطل مفتوح ہو کر رہا۔ یزید چند روزہ زندگی کو پائیدار جانتے ہوئے اپنی دولت کو غیر فانی جانتا تھا، اور وہ یہ سمجھتا تھا کہ امام حسینؑ کا گلا کاٹ دینے کے بعد وہ اسلام کا نام ونشان دنیا سے مٹا دے گا۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ ادھر امام حسینؑ شہید ہوئے اور ان کو حیات جاوید ملی اور اُدھر یزید کے تصورات خاک میں مل کر رہ گئے۔ یہی نہیں بلکہ جو اسلام رسولؐ کی وفات کے بعد سے نیم مردہ حالت میں ہچکیاں لے رہا تھا اس میں جان پڑ گئی۔ وہ آنکھیں مل کر ہمیشہ کے لئے بیدار ہوگیا۔ اور دنیا سمجھ گئی کہ اسلام کے وارث وہ نہیں تھے جنھوں نے ملک گیری کو اسلام کا مقصد سمجھ رکھا تھا۔ اور فتوحات سے احکام اسلامی کی خلاف ورزی کی تھی، آمریت کو جگایا تھا، اور روحانیت کو ہمیشہ کے لئے سلا دینے کی کوشش کی تھی بلکہ اسلام وہ تھا جس کو رسولؐ کے بعد حضرت علیؑ نے اپنے سر کا خون دیا۔ امام حسنؑ نے دستِ قاتل سے زہر کھا کر اسلام کا علاج کیا اور حسینؑ نے اپنے اصحاب و اعزاء کا لہو دے کر جسم اسلام

میں روح ڈالی، جس کا نتیجہ یہی نہیں نکلا کہ امام حسینؑ خود حیات جاوداں کے مالک ہو گئے، بلکہ یہ بھی ہوا کہ اسلام کو بھی قیامت تک کے لئے دوسری زندگی مل گئی۔

زندگی کے آثار ہوتے ہیں، اس کی نشو و نما ہوتی ہے، اور زندگی دنیا کی نگاہوں کو محسوس ہوا کرتی ہے، ہوسکتا ہے کہ آپ یہ کہیں کہ حضرت امام حسینؑ اگر زندہ ہیں تو وہ ہمارے سامنے کیوں نہیں آتے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ حیات شہید عام لوگوں کی زندگی کی طرح نہیں ہوتی جس کو ظاہری نگاہیں دیکھ لیں۔ بلکہ شہید اگر باقی رہتا ہے تو اس کے اصول بھی زندہ رہتے ہیں۔ آج کتنے ہی دنیا کے بڑے انسان مرجاتے ہیں، مگر دس بیس سال بعد دنیا ان کو بھول جاتی ہے۔ سیکڑوں برس پہلے کتنوں ہی نے شہادت پائی، مگر آج زبانوں پر ان کا نام بھی نہیں آتا۔ مگر وہ صرف حضرت امام حسینؑ ہی ہیں جن کی یاد دنیا کے گوشہ گوشہ میں منائی جاتی ہے۔ صرف محرم ہی پر منحصر نہیں ہمہ وقت امام حسینؑ کا ذکر خیر ہوتا رہتا ہے، بلکہ ان کا نام بھی زبان پر آتا ہے تو آنکھوں کے آنسو ان کی یادوں کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ ان کی شہادت کو ۱۳۲۳ سال گزر چکے ہیں، لیکن جب محرم کا چاند فلک پر نمودار ہوتا ہے تو ہر ملک اور ہر قوم میں حسینؑ کا غم تازہ ہو جاتا ہے، جیسے کہ محرم کے مہینہ کو امام حسینؑ نے اپنی ذات کے لئے مخصوص کرلیا ہو، ورنہ جس طرح ہر مہینہ کا چاند نکلتا ہے، مگر کوئی کسی کو یاد نہیں کرتا لیکن ادھر محرم کا چاند نمودار ہوا اور حسینؑ کی ذہنی تصویریں دماغوں میں جگمگانے لگیں۔ یہ کیا ہے اگر حیات نہیں ہے، کیونکہ اگر کوئی انسان زندہ رہتا ہے تو اس کے آثار حیات اس کے ساتھ ہوتے ہیں، مگر جب کوئی شخص دنیا سے اٹھ جاتا ہے تو وہ آثار نظر نہیں آتے۔ حسینؑ کی زندگی کا ثبوت یہ ہے کہ ان کے اصول زندہ ہیں، ان کا نام زندہ ہے، ان کی بات زندہ ہے، اور یہ سب کچھ ہمیشہ باقی رہے گا، کیونکہ اسی کو حیات جاوید کہتے ہیں۔

قائدین انسانیت میں

حسین علیہ السلام کی منزلت

شری بدھنت بودھانند مہاستھوس

گہری نظر سے دیکھتے ہی اس دنیا میں جنگلی حالت کو چھوڑ کر انسانوں کے چار درجہ دکھائی دیتے ہیں پہلے ''نارکیہ کوئی کے پرانی'' یعنی دوزخی انسان جو جوا کھیلنے، نشہ خوری کرنے، پرائی دولت لوٹنے اور عظیم گناہوں میں غرق رہتے ہیں۔ کبھی نیک کاموں کی طرف ان کی توجہ نہیں ہوتی بلکہ نیک راہ پر چلنے والے دوسرے لوگوں کا وہ لوگ مذاق اڑایا کرتے ہیں۔ دوسرے قسم کے ''سورگیہ کوئی'' کے انسان یا دیوتا ہیں جو خلقت کے اونچے سے اونچے عیش و آرام کے بھوگتے ہیں (لطف اندوز ہوتے ہیں) اور ہزاروں آدمیوں کے آرام کو خود ہی بھوگنے میں بڑی شان سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ دوسروں کو اپنے اوپر جاتے دینا تو درکنار اپنے برابر بھی ہونے دینا پسند نہیں کرتے۔ ہمیشہ اوروں کو اپنے نیچے دبوچ کر رکھنا چاہتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ہمارے ماتحت جو رہے گا وہ آرام سے رہے گا۔ جو خلاف ورزی کرے گا سزا پائے گا۔ یہ لوگ اپنے ادھیکاروں (حقوق) اور اپنے عیش و آرام کو قائم رکھنے اور ترقی دینے کے لئے بہت کچھ پوجا پاٹ زکات خیرات وغیرہ کرتے رہتے ہیں اور اپنی خیریت کے لئے دعائیں مانگا کرتے ہیں۔ اس طرح کے لوگوں میں دیوتا بھی شامل ہیں جیسا کہ تلسی داس نے اپنی رامائن کے اتر کانڈ میں لکھا ہے۔

وار جھروکا نانا

تنہہ تنہہ سر بیٹھ کرسی تھانا

روت دیلیں وشیہ بیاری

تے ٹھی دینہہ کپاٹ اگھاری

جب سوپر بھنجن ارگرہ آئی
تب ہی دیپ وگیان بجھائی
گرنتھی نہ چھوٹی مٹاسوپر کا سا
بدھی بکل بھٹنی وشیہ بتاسا
اندتہہ سرنہہ نہ گیان سہائی
دستیہ بھوگ پرپریتی سدائی

(ترجمہ) جسم میں حواس خمسہ کے جو تمام دروازے ہیں ہر ایک پر دیوتا لوگ اپنا اڈہ جمائے بیٹھے ہوئے ہیں وہ لوگ جب ذرات نفوس کی ہوا کو آتے ہوئے دیکھتے ہیں تو فوراً بصد دروازہ کھول دیتے ہیں جو گتھی پڑی ہوئی تھی وہ نہیں کھل پاتی اور معرفت کی روشنی بجھ جاتی ہے۔اس وقت ضمیر اور عقل سلیم اس ہوا کی آندھی سے پریشان ہوجاتی ہے سچ تو یہ ہے کہ حواس خمسہ کے دیوتاؤں کو علم ومعرفت اچھا نہیں معلوم ہوا۔لذات نفوس ہی سے ہمیشہ ان کی محبت رہتی ہے مطلب یہ ہے کہ یہ دیوتا لوگ یا دیوکوٹی کے لوگ ہرگز یہ پسند نہیں کرتے کہ عام لوگ مادہ پرستی سے برطرف ہوکر حق پرست ہوجائیں کیونکہ انہیں خوف رہے کہ اگر لوگ حق پرست ہوجائیں گے تو دیوتاؤں کی پوجا کون کرے گا؟ اس لئے وہ مادہ پرستی میں کوشش کے ساتھ پھنسائے رہتے ہیں۔یعنی ہمیشہ گمراہ رکھتے ہیں۔

تیسرے محوکشو یا ارھنت کوئی کے انسان ہیں یہ لوگ دنیوی مامادی لذتوں کو بالکل ہیچ اور پوچھ سمجھتے ہیں کیونکہ دنیوی لذت اور عیش وآرام وغیرہ دوسروں کو تکلیف پہنچائے بغیر نصیب نہیں ہوتا۔جب ہم غور سے دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں ایک کا آرام دوسرے کی تکلیف پر یا ایک کی آزادی دوسرے کی غلامی پر۔اور ایک کی زندگی دوسرے کی موت پر منحصر ہے۔وغیرہ وغیرہ۔دوسرا پہلو اس کا یہ ہے کہ جس آرام اور سکھ کے لئے آپ ہم بڑی کوشش اور سرگرمی کررہے

ہیں کل وہ ہمارے لئے معمولی ہوجاتا ہے اوراس سے بڑے سکھ کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ اوراس کے لئے ہم بے چین ہوتے ہیں۔ اسی طرح بڑے سے بڑے سکھ اور عیش وآرام کی خواہش کا سلسلہ یکے بعد دیگرے جاری رہتا ہے اور ہم بے چین ہوتے رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس دنیا کے اندر بڑے سے بڑے گیانی اور عارف لوگوں کے دماغ میں نجات، مکتی سالویش موکش اور نربان کا خیال پیدا ہوا اوراس کی تلاش ہونے لگی۔

اس سچائی کو محسوس کر کے اور دنیاوی لذتوں کو دکھ اور تکلیف کا باعث سمجھ کر وہ لوگ تارک الدنیا ہوکر مکتی یا نجات کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کیونکہ نجات وہ پریم شانتی ہے جسے حاصل کر لینے کے بعد کچھ اور حاصل کرنے کو باقی نہیں رہ جاتا۔ ملک محمد جائسی صاحب نے اس کی جھلک اپنے پدماوت میں اس طرح دکھلائی ہے۔

سدا نہ راج کرہی ایک راجا
سدا نہ باجے مہوار باجا
ملہورے سکھیا، ملھوسہیلی
دوربش میں تو جات اکیلی
لکت آنسو گربن بھوبن ٹوٹی
رینگ پڑی جس پربھوٹی
سات سمندر پار وہی دیسو
کبھی رائے پلوں کبھی پٹھوں سندیو
یہی موربیاہ یہ مورگونا
اب کی جاب بہوری نہیں بونا

یعنی وہ حالت جہاں پہنچنے کے بعد پھر واپس ہونا نہیں ہوتا۔

چوتھی کوٹی کے انسان وہ ہیں جنہیں ہم بودھی ستو کہتے ہیں۔ یہ لوگ بھی دنیاوی لذت میں پھنسنا اچھا نہیں سمجھتے بلکہ انہیں ہیچ اور یوچھ سمجھتے ہیں اور انسانی زندگی کا انتہائی مقصد نربان یا نجات کو حاصل کرنا ہی سمجھتے ہیں لیکن ان کا کہنا یہ ہے کہ صرف اپنی ہی نجات کے لئے گوشہ نشین ہو کر دھیان سمادھی وغیرہ کے ذریعہ کوشش کرنا کافی نہیں ہے۔ بلکہ بنی نوع انسانی کو نجات دلانے کے لئے کوشش کرنا عین ضروری اور ہمارا فرض لازمی ہے۔ یہ لوگ گرے ہوؤں کو اٹھانا بھولے بھٹکے ہوؤں کو راہ راست پر لانا اور حق وانصاف کے لئے تیاگ اور بلیدان کرنا یعنی ایثار و قربانی کر دینا اپنا فرض سمجھتے ہیں میں امام حسینؑ کو اسی درجہ کا انسان سمجھتا ہوں انہوں نے کربلا کے میدان میں اپنے بال بچوں اور اپنے پیارے ساتھیوں کی بہت بڑی قربانی کر دی۔ لیکن ایک مکار اور ظالم بادشاہ کے سامنے ناجائز طور سے جھکنا مناسب نہیں سمجھا اگر وہ یزید کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے تو وہ خود اپنی زندگی نہایت عیش و آرام کے ساتھ گذار سکتے تھے لیکن انہوں نے اپنے ذاتی عیش و آرام کو ہیچ و پوچھ سمجھا اسی لئے میں امام حسینؑ کو بڑے پیار اور عزت کی نظر سے دیکھتا ہوں۔ امام حسینؑ کی یہ قربانی بلالحاظ مذہب وملت ہندو، بدھ، جین، مسلمان، عیسائی، پارسی وغیرہ سب کے لئے قابل تقلید ہے۔ سب کو اس سے سبق سیکھنا چاہیے۔

☓ ☓ ☓

مرثیہ
سلام
و
نظم

مرثیہ اصغر علیہ السلام

محترمہ دیوی روپ کمار، ایم۔اے، لکھنؤ کی بے پناہ عقیدت کا آئینہ

لکھا ہے جب کوئی حامی نہ شاہ دیں کا رہا
اور آپ ظلم کی فوجوں میں رہ گئے تنہا
ہجوم یاس نے چاروں طرف سے گھیر لیا
تو ناگہاں در دولت سے دی کسی نے صدا
خبر لو جلد شہ کربلا دوہائی ہے
کہ شیرخوار کو جھولے میں نیند آئی ہے
یہ سُن کے خیمہ کی جانب گئے امام ہدیٰ
قریب جھولے کے آئے تو رو کے فرمایا
معاف کیجیو بیکس پدر کو بہر خدا
کہ ایک پانی کا قطرہ تمہیں پلا نہ سکا
خدا گواہ ہے بیٹا کہ بے قرار ہوں میں
یقین کرو علی اصغر کہ شرمسار ہوں میں
یہ کہہ کے روئے بہت اور پسر کو پیار کیا
اٹھایا جھولے سے حضرت نے اپنا ماہِ لقا
ٹپک پڑے تھے جو چہرے پہ اشک شاہِ ہدا
وہ سمجھا پانی ہے بچّہ نے منہ کو کھول دیا
تری جو اشکوں کی پائی تو تھرتھرانے لگا
زبان خشک کو ہونٹوں پروہ پھرانے لگا

کہا حسینؑ نے پانی تمہیں پلا لائیں
چلو گے نانا کی امّت کے پاس لے جائیں
ستم گروں کو یہ حالت تمہاری دکھلائیں
صغیر جان کے شاید عدو ترس کھائیں
دہن کو کھول کے سوکھی زباں دکھا دینا
کہ تین روز سے پیاسا ہوں یہ بتا دینا
پھراس طرح سے مخاطب ہوئے شہ بے پر
یقین ہے صاحب اولاد تم میں ہیں اکثر
ہمارے لال کا ہم سِن بھی ہوگا کوئی پسر
تڑپتا ہوگا نہ اس طرح سے عطش سے مگر
نہ رحم کھاؤ نہ پانی انھیں پلاؤ تم
پر ان کو ایک نظر آ کے دیکھ جاؤ تم
تمہارے زُعم میں گو میں گناہ گار سہی
مگر کہو تو خطا کیا ہے میرے کمسن کی
گزر رہی ہے کئی روز سے جو فاقہ کشی
ملا نہیں انھیں دو دِن سے شیر مادر بھی
سمجھ کے پیاسہ جو تم اِن پہ رحم کھاؤ گے
تو کل کو ساقئ کوثر سے جام پاؤ گے

سُنی حسینؑ کو باتیں تو اہلِ شر روئے
دلوں کو تھام کے سب صاحب جگر روئے
سوار فوج میں رونے لگے شتر روئے
بشر پہ کچھ نہیں موقوف جانور روئے
حباب پانی سے اٹھ اٹھ کے جان کھونے لگے
جو ذی حیات تھے بے اختیار رونے لگے

پرے سے فوج کے ناگاہ حُر ملہ نکلا
کمان دوش سے ترکش سے لیکے تیر بڑھا
گلوئے لختِ دل شاہ کربلا تاکا
کمان میں تیر کو جوڑا شقی نے اور یہ کہا
حسینؑ اب وہ پلاتا ہوں آبِ سرد اِن کو
کہ تابہ حشر لگے گی نہ پیاس پھر جن کو

یہ کہہ کے تیر کو چھوڑا اُدھر یہ حال ہوا
کہ حلق چھد گیا معصوم خوں میں لال ہوا
دہن سے خون نکلنے لگا نڈھال ہوا
اِک آہ ننھی سی کی اور انتقال ہوا
پدر نے یاس سے ننھی سی جان کو دیکھا
کبھی زمین کو کبھی آسمان کو دیکھا

پُکارے سیّدِ بے کس یہ کیا کیا تم نے
ہمارے لال کو پانی پلا دیا تم نے
جو کچھ کیا ارے لوگو بُرا کیا تم نے
غضب کیا میرے بچّے پہ کی جفا تم نے
یہ کہہ رہے تھے کہ تیروں کا مینہ برسنے لگا
حسینؑ رو دیئے لشکر تمام ہنسنے لگا

⌘⌘⌘

سلام

راجہ بہادر موجؔ

مرکز انوارِ عالم سبطِ پیغمبر حسینؑ
دین حق کے پیشوا اسلام کے مظہر حسینؑ
پاک دل پاکیزہ طینت صدق کے پیکر حسینؑ
فاطمہؑ کے لال راہِ قدس کے رہبر حسینؑ
حق نوا، حق بیں، حقیقت گو، حقیقت آشنا
اے علمبردار حق توحید کے مصدر حسینؑ

کربلا کی آخری قربانیاں تھیں بے مثال
یوں تو دیتے ہی رہے قربانیاں اکثر حسین
صاف ہوجاتی تھیں دشمن کی صفیں میدان سے
وار کرتے تھے صفِ اعدا پہ جب بڑھ کر حسین
کر دیئے قرباں اعزّا اقربا آل و عیال
ملتِ بیضا کو زندہ کر گئے مرکر حسین
خون برسایا فلک نے اور زمیں ہلنے لگی
دستِ لرزاں پر جو لائے لاشۂ اصغرؑ حسینؑ
شام عاشور الاماں شامِ غریباں الاماں
ہائے بے گور وکفن ہیں فرشِ خاکی پر حسینؑ
ان کا ماتم موجؔ لازم ہے ہر اک انسان پر
ہیں زمانے کے لئے ایمان کا ساگر حسین

XXX

تیروں کے سائے میں

کنورسورج نرائن ادبؔ سیتاپوری

زمانہ حشر تک دیکھے گا تکبیروں کے سائے میں
وہ سجدہ جو کیا شبیر نے تیروں کے سائے میں
گریں بوندیں جو خون کی ان میں جلوہ تھا حقیقت کا
منور کربلا ہے آج تنویروں کے سائے میں
ارادہ جو کیاہے تونے اے عُمر! راس آجائے
تری تقدیر بن جائے گی تدبیروں کے سائے میں

قدم راہ حقیقت میں نہ رکھنے پائے محشر تک
تمہیں رہنا ہے اے سجادؑ زنجیروں کے سائے میں
حسینؑ ابن علیؑ یہ شان استقلال کیا کہنا
نمازیں تو ادا کرتا ہے شمشیروں کے سائے میں
لہو سے اپنے کی اسلام کی بنیاد مستحکم
بہتر تشنہ لب کام آئے تعمیروں کے سائے میں
شہیدانِ وفا مقتل میں میٹھی نیند سوتے ہیں
کہیں تیغوں کے سائے میں کہیں تیروں کے سائے میں
زمانے کو سبق قرآن دیتا ہے حقیقت کا
معانی سب عیاں ہوتے ہیں تفسیروں کے سائے میں
شہیدان وفا کا عشق کام آئے گا محشر میں
ادبؔ رحمت مجھے ڈھونڈیں گی تقصیروں کے سائے میں

XXX

سلام

شگن چندر روشنؔ پانی پتی

روتے ہیں تیری یاد میں اہل وفا حسینؑ
زینبؑ کی ماں کے لاڈلے اے بے خطا حسینؑ
لِکھ لِکھ کے تونے خون تمنّا کی داستان
آلِ نبیؐ کے نام کو چمکا دیا حسینؑ
میدان کارزار میں تو سُر خرو ہوا
زخموں کا تونے سُرخ کفن لے لیا حسینؑ

رُک رُک کے آئی آخری ہچکی جو موت کی
بولے زبان غیب سے شیر خدا حسینؑ
اصغرؑ سے شیر خوار کو نیزے پہ جب لیا
ارض و سما سے آئی یہ آواز یاحسینؑ
پیاسے بلائے جائیں گے محشر میں جس گھڑی
کوثر کے جام دیں گے شہ کربلا حسینؑ
پڑھتے ہیں تجھ پہ دل سے درود اور فاتحہ
اٹھتے ہیں تیرے نام پہ دستِ دعا حسینؑ
صدقہ نبیؐ کا تجھ پہ نچھاور ہو بخششیں
ڈنکا ہو تیرے نام کا روز جزاء حسینؑ
محشر میں غل مچے گا دہائی حسینؑ کی
ظالم بھی چیخ چیخ پکاریں گے یاحسینؑ
محشر کا خوف کیا ہے شہیدان کربلا
بیٹھے ہوئے ملیں گے قریبِ خدا حسینؑ
تونے شہید ہوکے جفا کو مٹا دیا
روشنؔ ہے تیرے نام سے نامِ وفا حسینؑ

XXX

سلام

بلدیو پرساد ناہر پوری۔اعظم گڑھ

ہم ہیں ہندو پر محبت ہے شہ ابرار سے
اس لیے ڈرتے نہیں ہم نرک سے یا نا ر سے

تو نے ما نو تا کی رکھ لی آبرو مولا حسینؑ
کس کو ہے انکار تیرے اس مہا اپکار سے
دیو تا کی طرح تجھ کو پو جتے آتا اگر
ہےصدا اٹھتی یہ بھارت کے درودیوار سے
ہم تو ہیں پا پی مگر غمخوار ہیں شبیر کے
دھوئیں گے ہم پا پ اپنے آنسوؤں کی دھار سے
ناز ہے ہم کو کہ ہم بھی شہ کے ما تم دار ہیں
ہم تو جنت لے ہی لیں گے خلد کے سر دار سے
ہو وہ راون یا وہ ابن معاویہ سا دشٹ ہو
ہے عیاں فرعونیت ان دونوں کے کر دار سے
کر تا تھا اعلان راہب ایک ما نگو سات لو
جو نبی سے ما نگو لے لو وہ شہ ابرابر سے
حر ملہ نے خود تڑپ کر دی صدا اے بے زباں
کم نہیں تیرا تبسم حیدری تلوارسے
ہم یونہی روتے رہیں گے شاہ کو شام و سحر
آپ جلتے ہیں تو جلئے شہ کے ما تم دار سے
ہے یہ فر مان نبی تم میں منا فق ہیں وہ لو گ
بغض جو رکھتے ہیں دل میں حیدرؓ کرار سے
آج بھی شبیر کے رو ضے سے آتی ہے صدا
ظلم کا سر کا ٹ لو یوں صبر کی تلوار سے
بے ردا کر تے نہ رن میں زینبؑ و کلثومؑ کو
اے مسلماں جنگ ہو تی یہ اگر کفار سے

یا علیؑ امدا د کو آؤ کہ تنہا ہیں حسینؑ
لا ش اکبر کی نہیں اٹھتی شہ ابرار سے
ننگے سر رانڈوں کو لیکر جب چلے بعد حسینؑ
دل پہ کیا گزری نہ پوچھو عابدؑ بیمار سے
مو ت سے بلد یو نہیں ڈرتا ''حسینی دل'' کبھی
سورگ میں ماتم کنا ں ہم جا ئیں گے سنسار سے

XXX

طاقتِ صبر و رضا کو آزماتے تھے حسین علیہ السلام

ازطوطیٔ راجستھان ایم چند بہاری لال ماتھر صبؔا جے پوری

یہ زمیں کیا عرش اعظم کو ہلاتے تھے حسینؑ
نعرۂ اللہ اکبر جب لگاتے تھے حسینؑ

کربلا میں زخم پر کب زخم کھاتے تھے حسینؑ
طاقتِ صبر و رضا کو آزماتے تھے حسینؑ

بات تو حق کی یہی ہے فرق کچھ اصلاً نہ تھا
باپ اور نانا سے جو سیکھا سکھاتے تھے حسینؑ

دشمنوں کو فرض سے آگاہ کرنا فرض تھا
یاد یوں اسلاف کی اپنے دلاتے تھے حسینؑ

باپ اور نانا کو دیکھا تھا انھوں نے کیا ہوا
اہلِ دنیا سے اگر دامن بچاتے تھے حسینؑ

بارگاہِ کبریا میں کیا نہاں اور کیا عیاں
یوں بھی جاتے تھے حسینؑ اور یوں بھی جاتے تھے حسینؑ

یوں اگر دیکھو تو ساری زندگی تھا معجزہ
ویسے تو کب معجزہ کوئی دکھاتے تھے حسینؑ

بارِ اُمّت کس قدر کندھوں پہ ہے رکھا ہوا
دیکھئے دوشِ نبیؐ پر چڑھ ہی جاتے تھے حسینؑ

تھی مصیبت اور کی تو اک مصیبت اے صبؔا
اور جب پڑتی تھی خود پر مسکراتے تھے حسینؑ

XXX

شهید اعظم

منشی بشیشر پرشاد منورؔ لکھنوی

نگاہِ یزداں میں خاص عظمت شہید اعظم حسینؑ کی ہے
جو ہے شہادت تو بس شہادت شہید اعظم حسینؑ کی ہے
لباس آل معاویہ کی تو دھجیاں وقت نے اُڑا دیں
مگر سلامت بقائے حرمت شہید اعظم حسینؑ کی ہے
رسالتیں ہیں نثار اس پر تصدق اس پر نبوتیں ہیں
اماموں میں تو بس امامت شہید اعظم حسینؑ کی ہے
وہ عکسِ انوار فاطمہؑ ہے یہ آئینہ جو ہر علیؑ کا
جمیل سیرت حسین صورت شہید اعظم حسینؑ کی ہے
وِغا میں فرق نماز خم ہے نہیں جھکا سر یہ زیر خنجر
جو ہے شجاعت تو بس شجاعت شہید اعظم حسینؑ کی ہے
رہ حقیقت میں جان دے کر ہوا ہے کس کو نصیب مرنا
رہی نظر میں بڑی فضیلت شہید اعظم حسینؑ کی ہے
نہ اب یہ محدود ہے عرب تک نہ اب یہ محدود ہے عجم تک
تمام دنیا میں آج عزت شہید اعظم حسینؑ کی ہے
لگائے سینے سے کیوں نہ اسکو ہے جسکے پہلو میں دل منورؔ
یہ غم تو ایک بے بہا امانت شہید اعظم حسینؑ کی ہے

XXX

انوکھا جلال

بلونت سنگھ فیضؔ ایم۔اے، منشی فاضل

ماہ ایماں نڈھال ہوتا ہے
اپنے ہی خوں سے لال ہوتا ہے
ظلم کو وہ حلال کرتا ہے
جو چھری سے حلال ہوتا ہے
جب لہو ہو شہید کے رُخ پر
اِک انوکھا جلال ہوتا ہے
قوم جو موت سے ہراساں ہو
اُس کا جینا محال ہوتا ہے
کیا بتائے گی ماں علی اصغرؑ
ٹوٹے دل کا جو حال ہوتا ہے
دیکھئے کربلا کے مقتل میں
ذبح زہراؑ کا لال ہوتا ہے
فیضؔ وہ زندگی ہے پُر معنی
جس کو حاصل کمال ہوتا ہے

XXX

سلام

بھگوت سرن اگروال، ممتازؔ۔ چیئرمین ٹیکس کمیٹی

ڈسٹرکٹ بورڈ مرادآباد، محلہ جیلان گلی، مرادآباد

سرزمین کربلا کے ماہ و اختر کو سلام
جو ہوئے اُمت پہ قرباں اِن بہترؒ کو سلام
جس نے اک قطرہ بھی پانی کا نہ پایا تین دِن
تشنہ لب غنچہ دہن معصوم اصغرؑ کو سلام
حضرت عونؑ و محمدؑ پر درودوں پر دورود
حضرت زینبؑ کے نازک تن گل تر کو سلام
جان کی پرواہ نہ کی اپنی سکینہؑ کے لئے
مشک لی دانتوں میں جس نے اس دلاور کو سلام
جس نے جاں قربان کردی راہِ حق میں بے دریغ
اس بہادر اس جری اس ابن حیدرؑ کو سلام
حامیِ دین مبین یعنی حسینؑ تشنہ لب
دو جہاں کے رہنما سبطِ پیمبرؐ کو سلام
کربلا کی دھوپ میں بے آب جو کمھلا گئے
مصطفیٰؐ کے باغ کے ہر اک گلِ تر کو سلام
جس کا سر نیزے پہ رکھا کوفیوں نے بعد قتل
اس شہید کربلا اس شاہِ بے سر کو سلام
بخشش اُمت کے حامی پر ہزاروں رحمتیں
سینکڑوں ممتازؔ ہوں اُس دیں کے رہبر کو سلام

XXX

کربلا میں آج گل شمع امامت ہوگئی

منشی منّی لال جوانؔ سندیلوی، تلمیذ آرزو لکھنوی

کربلا میں دفن جب اصغرؑ کی میت ہوگئی
آئینہ بیداد کا چھوٹی سی تربت ہوگئی
تشنہ لب اصغرؑ کا ایسا امتحان سخت تھا
شیرِ مادر کی اجل سے پہلے رخصت ہوگئی
کاٹ کر رستہ پہونچ جا شہؑ تک اے نہر فرات
تو بھی اعدا کی طرح کیا بے مروّت ہوگئی
وقت پرسش اُٹھ کے آئی جب زمینِ کربلا
حشر میں رنگین ہر ذرّے کی صورت ہوگئی
روز عاشورہ یہ کہتی تھی سیہ پوشئ دہر
کربلا میں آج گل شمع امامت ہوگئی
بڑھ گئے ہاتھوں کے ناخن جم گئی بالوں پہ خاک
قید میں آلِ نبیؐ کو اتنی مدّت ہوگئی
غم میں شہ کے چار اشکوں کی حقیقت ہی تھی کیا
اے جوان محشر میں بخشش بے مشقّت ہوگئی

XXX

سَلام

از: شری ڈاکٹر پیشاوری لال ملھوترا رواںؔ۔ بی۔اے۔ (ہومیو پیتھ)

علاج رکھتا ہوں مرقد کی تیرگی کے لئے
غمِ حسینؑ کا ہے داغ روشنی کے لئے

لگائیں کیوں نہ کلیجہ سے ہم غمِ شبیرؑ
یہ غم ملا ہے حسینؑ اپنی زندگی کے لئے

نشان ماتمِ شبیرؑ اپنے سینے پر
نجات روزِ قیامت ہے آدمی کے لئے

ہزار ڈوبا ہے مدّت سے چاند زہراؑ کا
نہیں ترستا کوئی پھر بھی چاندنی کے لئے

گلے پہ تیرِ سِتم کھا کے مسکرا دینا
زمانہ روتا ہے اصغرؑ کی اس ہنسی کے لئے

وہ شہر علم تو یہ باب علم ہیں یعنی
علیؑ نبیؐ کے لئے ہیں نبیؐ علیؑ کے لئے

رواںؔ ہے الفتِ آلِ نبیؐ مرے دل میں
یہ مے بہت ہے مجھے کیف بے خودی کے لئے

XXX

ہے ہمیں عباس علیہ السلام پیارا آج بھی

بھگوت سرن اگروال ممتاز مرادآبادی
سابق جنرل سکریٹری شہر کانگریس کمیٹی، مرادآباد

دل کا ہے ہر زخم تازہ آج بھی
یاد ہے ان کا تڑپنا آج بھی
جلوہ گر میری نگاہ شوق میں
ہے علی اصغرؑ کا چہرہ آج بھی
ہائے وہ تشنہ لبان کربلا
ڈھونڈھتی ہے جن کو دنیا آج بھی
سینۂ گیتی میں ہے داغِ امامؑ
موجزن ہے غم کا دریا آج بھی
دیکھ کر ان کی شجاعت اُن کا شوق
مرحبا کہتی ہے دنیا آج بھی
یاد رکھو واقعاتِ کربلا
ہے سکینہؑ کا یہ کہنا آج بھی
پا بجوں لا تھے عزیزانِ امامؑ
یاد ہے فریاد زہراؑ آج بھی
یاد کر کے حضرت زینبؑ کا حال
خاک بر سر ہے بگولا آج بھی

بیڑیوں کا پانوں میں مظلوم کی
ہے مری آنکھوں میں نقشہ آج بھی
ہم مسافر ہیں ہمیں چھیڑو نہ تم
یاد ہے مسلمؑ کا کہنا آج بھی
ہے شہیدوں کے لہو سے دہر میں
شمع ہستی کا اُجالا آج بھی
شعلہ باری ذہن میں ہے وقت کی
یاد ہے خیموں کا جلنا آج بھی
دُھن رہی ہے سر ہر اک موج فرات
یاد کر کے وہ زمانہ آج بھی
ذرّے ذرّے کو ہے ازبر وقت کا
ہائے وہ خونی فسانا آج بھی
ناخدا شبیرؑ ہی ہیں دین کے
ہیں وہ اُمت کا سہارا آج بھی
دے رہا ہے خون ناحق کا پتہ
کربلا کا سُرخ صحرا آج بھی
آج بھی ممتازؔ آنکھوں میں ہے وہ
ہے ہمیں عباسؑ پیارا آج بھی

XXX

یاد حسین علیہ السلام

جگدیش سہائے سکسینہ وکیل، شاہجہاں پوری

محرم آگیا پیغام شاہِ کربلا لے کر
وفا پر مٹنے والوں کے لئے جام بقا لے کر
عزادارانِ آل مصطفیٰ ؐ دل کھول کر رو لیں
کہ آیا ہے یہ اذنِ گریۂ آہ بکا لے کر
جنھوں نے سینہ کوبی کی ہے پیہم آپؑ کے غم میں
انھیں عرش بریں پر جائیں گے خود مصطفیٰ ؐ لے کر
یزیدی فوج نے چاروں طرف سے شیر کو گھیرا
چلے عباسؑ گویا مشک میں آبِ بقا لے کر
بُجھائی پیاس اس کی ظالموں نے آب پیکاں سے
جب آئے گود میں اصغرؑ کو شاہِ کربلا لے کر
شہادت راہ الفت میں سند ہے استواری کی
سند ایسی کہ آنکھوں سے لگائیں انبیاء لے کر
صداقت مسکرائی عزم نے بڑھ کر قدم چومے
چلے کوفے کو جب شبیرؑ اپنا قافلہ لے کر
مقدس ہوگئی کس کے لہو سے یہ کہ اک عالم
لگاتا ہے جبیں سے اپنی خاکِ کربلا لے کر

☓☓☓

تلواروں میں نماز

پنڈت رام چندنرائن روشنؔ لکھنوی

اسلام کی کشتی پار لگی طوفان کے بہتے دھاروں سے
شبیرؑ نے اپنا سر بھی دیا جب بس نہ چلا مکاروں سے
اے کرب و بلا اتنا تو بتا اسلام پہ کیسا وقت پڑا
آئے ہیں لعیں لاکھوں لڑنے افسوس خدا کے پیاروں سے
پڑھتے تھے مسلمانوں کلمہ جس نام کا اس پر ظلم کیا
کیوں آل نبیؐ کو لوٹا ہے پوچھے تو کوئی غداروں سے
اُس تشنہ لبی کے عالم میں شبیرؑ کی ہمت کیا کہنا
کچھ عزم حسینی بڑھتا تھا تلواروں کی جھنکاروں سے
کیوں بعد شہؑ دیں عابدؑ کے دُرّے یہ لگائے جاتے ہیں
سختی بھی کوئی یوں کرتا ہے دنیا میں بھلا بیماروں سے
اے سجدہ حق کرنے والے دنیا یہ ابھی تک کہتی ہے
پھیرا نہ کسی نے منہ اپنا ان تیروں کی بوچھاروں سے
گھوڑے سے گرے سرورؑ جس دم روتے ہوئے نکلے اہل حرم
اور مار رہے تھے شہؑ کو لعیں سب نیزوں سے تلواروں سے
زینبؑ نے کہا بعدِ سرورؑ مت ظلم کرو اعدا ہم پر
کیوں لوٹ رہے ہو ہم سب کو کیا پاؤ گے غم کے ماروں سے
روشنؔ وہ مسلماں کیسے تھے جو دیکھ کے اُن کو ہنستے تھے
جاتی تھی کھلے سر آل نبیؐ کوفے کے بھرے بازاروں سے

XXX

گل ہائے عقیدت

رام پرکاش اوھری ساحرؔ، ایم۔اے

انھیں کا نور ہے دنیا کے کار خانے میں
انھیں کا جلوہ ہے سورج کے جگمگانے میں
انھیں کے حُسن کا ہے عکس دانے دانے میں
انھیں کے خون کی سرخی ہے اس فسانے میں
حسینؑ زندہ جاوید ہیں زمانے میں
یہ ذکرِ غم ہے کچھ ایسا جو میں سنا نہ سکوں
جگر کا داغ ہے وہ داغ جو دِکھا نہ سکوں
وہ درد دل میں نہاں ہے جولب پہ لا نہ سکوں
لگی ہے آگ وہ سینے میں جو بجھا نہ سکوں
بلا کا شور ہے مظلوم کے فسانے میں
ہوئے جو دشت بلا میں اُدَھر حسینؑ شہید
تو بے قرار تھیں زینبؑ ادھر برائے دید
خوشی میں جھوم رہا تھا امیر شام یزید
یہ مومنوں کا محرم منافقوں کی عید
جنھیں حیا بھی نہ آئی خوشی منانے میں
خدا سے دولت و زر مانگ لعل و گوہر مانگ

نگین و خاتم و تاج و کلاہ و کشور مانگ
جو تشنہ لب ہے تو لاریب آب کوثر مانگ
مگر یہ شرط ہے نامِ حسینؑ لے کر مانگ
کمی نہیں ہے کسی شے کی اس خزانے میں

XXX

سلام

منشی چھیدی لال، اخگر لکھنوی

کربلا میں سبطِ پیغمبرؐ کی قربانی ہوئی
خوب دعوت آپؑ کو دی خوب مہمانی ہوئی
باخبر حضرت تھے قربانی سی قربانی ہوئی
علم تھا انجام کا منزل تھی پہچانی ہوئی
غرق خشکی میں ہوئی کشتئ دلبندِ رسولؐ
ایک اک بحر ستم کی موج طوفانی ہوئی
آنسوؤں سے سید سجادؑ منھ دھویا کئے
دور جیتے جی نہ حضرت سے پریشانی ہوئی
جوشِ گریہ نے ثبوتِ ماتم سرور دیا
شاہد فرطِ الم اشکوں کی طغیانی ہوئی
کشتگانِ کربلا پر کون چادر ڈالتا
دور بعد دفن عریانوں کی عریانی ہوئی

روزِ عاشورہ مسلمانوں کیا اچھا جہاد
خوب وقت عصر تکمیلِ مسلمانی ہوئی
دیکھ کر صبر حسینی شمر کا دل ہل گیا
آئینہ تو آئینہ پتھر کو حیرانی ہوئی
تشنگی کو برطرف خود تشنگی نے کردیا
شرم پانی کی پیاسوں کے لئے پانی ہوئی
میرے مولاؑ نے مری مشکل کشانے کی مدد
دور مشکل نزع کی اخگرؔ باآسانی ہوئی

***

نَذرانہ خُلُوص

از سورج نرائن ادبؔ سیتاپوری
سکریٹری بزم ادب سیتاپور

تیرے غم کی وہ روشنی ہے حسینؑ
ہر ضیا پر جو چھا گئی ہے حسینؑ
تیرے نقشِ قدم پر نوع بشر
فخر کے ساتھ چل رہی ہے حسینؑ
زیر شمشیر سجدۂ خالق
بندگی تری بندگی ہے حسینؑ
یاد کرکے تمہاری تشنہ لبی
آج تک خلق رُو رہی ہے حسینؑ
آج دنیا برائے منزل امن
رہبری تیری چاہتی ہے حسینؑ
غم کے کل زخم بن گئے ناسور
اُن میں ایک خاص تازگی ہے حسینؑ

میری عقبیٰ سنورتی جاتی ہے — غم تیرا باعثِ خوشی ہے حسینؑ
یہ اثر ہے تمہارے ماتم کا — نظم قدرت میں برہمی ہے حسینؑ
جو بہتر ۷۲ جلائے تھے تم نے — اُن چراغوں کی روشنی ہے حسینؑ

جو کمی حشر تک نہ پوری ہو — وہ کمی آپؑ کی کمی ہے حسینؑ
کیف طاری ہے رورہا ہے ادبؔ — آپؑ کی یاد آرہی ہے حسینؑ

XXX

سلام

بنارسی لال ورمآ

اپنے پسر کا خون جو چہرے پہ خود ملے — جز تیرے اور کس میں یہ ہمت ہے اے حسین
آزاد ہوگیا ہے وہ دوزخ کی آگ سے — جس شخص کو بھی تجھ سے محبت ہے اے حسینؑ
ہم عاصیوں کے واسطے میدان حشر میں — تیری ولا ہی وجہ شفاعت ہے اے حسینؑ
پہلے ڈبائی تیغ ڈبوتے ہیں اب قلم — تیرے لہو سے کیسی عدات ہے اے حسینؑ
اہل عزا کے دل میں جو ورمآ کی قدر ہے — میں جانتا ہو تیری بدولت ہے اے حسینؑ

XXX

پیام رسولؐ

ماتھر لکھنوی

ایمان کا چراغ جلایا حسینؑ نے — سویا ہوا تھا دین جگایا حسینؑ نے
حکم خدا کے ساتھ پیامِ رسولِؐ حق — دنیا کو بار بار سنایا حسینؑ نے

عاشور کے دن

ماتھرؔ لکھنوی

مکتوب مشیت آتے ہی پیغام ملا عاشور کے دن
دنیا کو حقیقی مرکز پر اسلام ملا عاشور کے دن
کیوں کر نہ عطش کے دامن میں دریاؤں کا مقصد چھپ جاتا
ایمان کے خوں سے چھلکا ہوا ہر جام ملا عاشور کے دن

قطعہ

سودا کنور مہندر سنگھ بیدی، سحرؔ

زندہ اسلام کو کیا تونے
حق و باطل دکھا دیا تونے
جی کے مرنا تو سب کو آتا ہے
مر کے جینا سکھا دیا تونے

قطعہ

جوالا پرشاد نگم سروشؔ لکھنوی

رسولؐ پاک کی عظمت ہیں کربلا والے
حقیقتوں کی حقیقت ہیں کربلا والے
رہِ حیات کی زینت ہیں کربلا والے
کہ شاہکار شہادت ہیں کربلا والے

قطعہ

کرشن بہاری نور لکھنوی

یاد حسینؑ قرب رگ جاں کئے ہوئے
بیٹھا ہوں میں نجات کا ساماں کئے ہوئے
اے عارضی مسرتِ دنیا ہمیں نہ چھیڑ
بیٹھے ہیں ہم حسینؑ سے پیماں کئے ہوئے

قطعہ

ہنس راج ابر دل عرش صہبانی

چٹکیاں لیتی ہے دل میں ہر گھڑی یاد حسینؑ
بن گئی ہے اب تو میری زندگی یاد حسینؑ
بار غم سے جب ہوا مائل کبھی فریاد عرش
میرے دل کو دے گئی تسکین سی یاد حسینؑ

قطعہ

بھگوت سرن اگروال ممتاز

تجھی سے ہے بشریت کی زیب و زین حسینؑ
تو ہی تو ہے دل انسانیت کا چین حسینؑ
نہیں ہے تیری ولا جن کا فرض عین حسینؑ
لبوں پہ ان کے محرم میں ہے حسینؑ حسینؑ

قطعہ

لالہ ڈگمبر پرشاد گوہرؔ دہلوی

مخصوص نہ محکوم نہ سرور کے لئے ہے
مسرور نہ مجبور نہ مضطر کے لئے ہے
تخصیص نہ ہندو کی نہ مسلم کی ہے اس میں
شبیرؑ کا پیغام جہاں بھر کے لئے ہے

قطعہ

بنارسی لال ورما

کیا ہے دنیا کی حقیقت دیکھ لینا حشر میں
آئے گی ساری خدائی زیر دامانِ حسینؑ
واقف قرآن و سنت کا یہ ورماؔ قول ہے
در حقیقت ایک ہے جان نبیؐ جانِ حسینؑ

علم عباس علیہ السلام کا

مخمور لکھنوی

مٹ نہیں سکتا کبھی مخمورؔ غم عباسؑ کا
نقش سجدہ بن چکا ہے ہر قدم عباسؑ کا
گر جہاں والوں میں دیکھیں گے عقیدت کی کمی
ہو کے ہندو ہم اٹھائیں گے علم عباسؑ کا

ہم کربلا کے پاس

ماتھر لکھنوی

ہے ابتدا کے پاس کوئی انتہا کے پاس
یوں تو ہر ایک کہتا ہے ہم ہیں خدا کے پاس
اب دیکھیں کس کو ملتی ہے وحدت کی جلوہ گاہ
کعبے کے پاس آپ ہیں ہم کربلا کے پاس

مفہوم شہادت

ماتھرؔ لکھنوی

اگر غم اور غم خواری نہ ہوتی
حسینؑ اتنی تو بیداری نہ ہوتی
سمجھتا کون مفہوم شہادت
اگر تیری عزاداری نہ ہوتی

محبت حسین علیہ السلام

ماتھرؔ لکھنوی

جلوے سے حق کی خاک کا پیکر بدل گیا
چھایا تھا جو اندھیرا وہ یکسر بدل گیا
ماتھرؔ مجھے ملی ہے محبت حسینؑ کی
فطرس کی طرح میرا مقدر بدل گیا

رُباعی

پنڈت لکشمن پرشاد شرما

رَگ رَگ میں ہے پیوست تولائے حسینؑ
نَس نَس میں کھنچا نقش تمنائے حسینؑ
پابند شریعت نہ سہی گو لکشمنؔ
واللہ مگر دل سے ہے شیدائے حسینؑ

XXX

پیاسا مسافر

(حضرت امام حسین علیہ السلام)

درشن سنگھ

راہِ ایثار میں گھر بار لٹانے والا
دلِ پیغمبرؐ صادق کی حرارت کا امیں
فاتحِ خندق و خیبر کے عزائم کا جلال
بھوک اور پیاس میں چھوڑا نہ تبسم جس نے
بھوک اور پیاس کو باطل تو ہرا سکتی ہے
حق کے آکاش پہ باطل کے شرارے اُڑ کر
ارضِ آدمؑ کے شگوفوں کو جلا سکتے ہیں
مگر انسان کی وہ روح جو ہادی کی ہے روح
اس کے دامن کو تو یہ آگ نہیں چھوسکتی

حق پہ باطل کی ظفر، جسم کا وقتی غلبہ
ابدی فتح کا مژدہ تو نہیں ہے یارو!
روح ناقابلِ تسخیر ہے مظلومی کی
ایک مظلوم نے خنجر کے تلے سر رکھ کر
روحِ آدمؑ کو زمانے میں سرافراز کیا
روحِ مظلوم ترے عزم و عمل کی طاقت
آج ہر درد بھری قوم کی اک ڈھارس ہے
فاتحِ گردشِ دوراں، شہؑ تسلیم و رضا
اہلِ ہمت تری ہمت کی قسم کھائیں گے
تو ہمیں وادیٔ غربت میں سہارا دے گا
تیرے جذبے رسن و دار پہ یاد آئیں گے
تُو ہے وہ روح جو ہر دور میں رہتی ہے جواں
نام لے کر ترا ہم موت پہ چھا جائیں گے

XXX

اندازِ حسین علیہ السلام

جوالا پرشاد نگم روشؔ لکھنوی

استغاثے میں جو تھا درد کا انداز حسینؑ
دل کی گہرائی سے ابھری تھی وہ آواز حسینؑ
دے کے سر پیش کیا دہر کو احساس عمل
کر گئے عظمت اسلام کو ممتاز حسینؑ

زینت دوش نبیؐ چشم و چراغ زہراؑ
دہر کو یاد ہے وہ آپ کا آغاز حسینؑ
غم عباسؑ سے بازو تھے شکستہ پھر بھی
وہی تیور وہی کس بل وہی انداز حسینؑ
لشکر کیں سے نکل کو جو ہوا حر حاضر
ہو گیا خدمت اقدس میں سر افراز حسینؑ
آج خود وادیٔ احساس پر طاری ہے جمود
دیجئے امت عا صی کو پھر آواز حسینؑ
دے کے سر آپ نے با طل کے مٹا ئے ہیں نقوش
یہ تو تھا جذبہ کر دار کا اعجا ز حسینؑ
سر سے پا تک علی اکبرؑ ہیں مشابہ بہ رسولؐ
ملتی جلتی ہوئی دونوں کی ہے آواز حسینؑ
روز عا شور جو گو نجی تھی سر عرش بریں
اب بھی ہے گو ش روش میں وہی آواز حسینؑ

XXX

شمع عالم مشعل دنیا
چراغ دیں حسین علیہ السلام

نتیجہ فکر بلند سردار کنور مہندر سنگھ بیدی سحر

تشنہ کا می بے کسی ، غربت ، فریب دشمناں
نو ک خنجر بارش پیکاں ، گلوئے خوں چکاں

ہے دم شمشیر سے بھی تیز تر راہ جہاں
ہر قدم اک مرحلہ ہے ہر نفس اک امتحاں
زندگی بھر اہل دل کی اور آسانی طلب
یہ وہ مئے ہے جس کا ہر قطرہ ہے قربانی طلب
فطرت آدم کو کر دیتی ہے قربانی بلند
دل پہ کھل جاتی ہے اس کے نور سے ہر راہ بند
مہر و مہ ہوتے ہیں اس کی خاک پا سے ارجمند
ہے فرشتوں کے گلوئے پاک میں اس کی کمند
سر کہ جس میں ذوق قربانی ہو جھک سکتا نہیں
تنکوں سے بڑھتا ہوا سیلاب رک سکتا نہیں
گلشن صدق و صفا کا لالۂ رنگیں حسینؑ
شمع عالم مشعل دنیا چراغ دیں حسینؑ
سر سے پا تک سرخئ افسانۂ خونیں حسینؑ
جس پر شاہوں کی خوشی قرباں وہ غمگیں حسینؑ
مطلع نورمہ پرویں ہے پیشانی تری
باج لیتی ہے ہر ایک مذہب سے قربانی تری
جادہ عالم میں ہے رہبر ترا نقش قدم
سایۂ دامن ہے تیرا پرورش گاہ ارم
بادۂ ہستی کا ہے تعبیر تجھ سے کیف و کم
اٹھ نہیں سکتا ترے آگے سر لوح و قلم

تو نے بخشی ہے وہ رفعت ایک مشت خا ک کو
جو بہ ایں سرکر دگی حا صل نہیں افلا ک کو
بارش رحمت کا مژدہ باب حکمت کی کلید
روز روشن کی بشارت صبح رنگیں کی نوید
ہر نظام کہنہ کو پیغام آئین جدید
اے کہ ہے تیری شہا دت اصل میں مرگ یزید
تیر ی مظلومی نے عالم کو کیا یوں بے نشاں
ڈھو نڈتا پھر تا ہے اس کی ہڈیوں کو آسماں
ہر گل رنگیں ، شہید خنجر جو ر خزاں
ہر دل غمگیں ہلاک نشتر آہ و فغاں
جا گزیں ہے اے سحؔر ہر شے میں وہ سوزِ نہاں
پھول پر شبنم چھڑکتا ہوں تو اٹھتا ہے دھواں
خنجر آہن ، گلوئے مر د تشنہ کام ہے
چھٹ نہیں سکتا یہ وہ داغ جبین شام ہے

سرفرازمحرم۱۹۷۹ء

XXX

ماتم زندہ باد

کرشن بہاری نورؔلکھنوی

اے مرکز ایماں زندہ باد اے صبر کے پرچم زندہ باد
ہر اشک ٹپک کر کہتا ہے شبیرؑ کا ماتم زندہ باد

ہر قوم میں ماتم ہوتا ہے شبیرؑ کا غم یاد آتا ہے
دل کھنچتے ہیں سب تیری طرف اے ماہ محرم زندہ باد
ہندو ہو کہ مسلم یا مومن جلووں سے نظر ہٹتی ہی نہیں
اے شمع حقیقت زندہ باد اے نور دو عالم زندہ باد
بے نور ستارے وقت سحر اور رات کو شبنم گریہ کناں
اے صبح محرم زندہ باد اے شام محرم زندہ باد
شبیرؑ ہو بھارت یا کشمیر ایراں کی زمین یا پاکستان
ہر ملک پہ قبضہ تیرا ہے اے فاتح اعظم زندہ باد
شبیرؑ تری الفت کے لئے اسلام کی کوئی شرط نہیں
جھکتی ہے جبین نورؔ اکثر اے قبلۂ عالم زندہ باد

XXX

نورِ عقیدت

مہاراج سنت درشنؔ سنگھ لانگ آئی لینڈ نیویارک امریکہ

{اقتباسِ کلام}

اخلاص کی آغوش کا پالا سکھ ہوں — صہبائے ولائے شہؑ کا ڈھالا سکھ ہوں
اللہ کو ایک مانتا ہوں درشنؔ — غیبت پہ یقیں رکھنے والا سکھ ہوں

فاتح کربلا حضرت امام حسین علیہ السلام

حسینؑ درد کو دل کو دعا کو کہتے ہیں
حسینؑ اصل میں دین خدا کو کہتے ہیں
حسینؑ حوصلۂ انقلاب دیتا ہے
حسینؑ شمع نہیں آفتاب دیتا ہے

حسینؑ لشکرِ باطل کا غم نہیں کرتا
حسینؑ عزم ہے ماتھے کو خم نہیں کرتا
حسینؑ ظلم کے مارے ہوؤں کا مامن ہے
حسینؑ زندگئ بے سکوں کا مسکن ہے
حسینؑ حسنِ پیمبرؐ کی ضو کو کہتے ہیں
حسینؑ سینۂ حیدر کی لَو کو کہتے ہیں
سحر کی دھوپ اتاری ہر آشیانے میں
لہو سے جس نے اجالا کیا زمانے میں
حسینؑ سلسلۂ جاوداں ہے رحمت کا
حسینؑ نقطۂ معراج ہے رسالت کا
یقیں کی ضرب، ہر ایک پیکرِ کماں کے لئے
حسینؑ برق ہے باطل کو آشیاں کے لئے
حسینؑ جذبۂ آزادئ ہر آدم ہے
حسینؑ حریتِ زندگی کا پرچم ہے
حسینؑ عزم کو جب تابناک کرتا ہے
جلا کے خرمنِ باطل کو خاک کرتا ہے
پیامِ رحمتِ حق ہے پیامِ شبیری
ہر ایک پیاسے کو ملتا ہے جامِ شبیری
حسینؑ عزم ہے، نمرود سے بغاوت کا
حسینؑ سے نہ اٹھانا سوال بیعت کا

دلِ حسینؑ کی گرمی سے دل مچلتے ہیں
اِس اِک چراغ سے لاکھوں چراغ جلتے ہیں
حسینؑ سعی تجلّی میں کامیاب ہوا
لہو میں ڈوب کے ابھرا تو آفتاب ہوا
حسینؑ صبحِ جہاں تاب کی علامت ہے
حسینؑ ہی کو بُھلا دیں یہ کیا قیامت ہے؟
بروزِ حشر نشاطِ دوام بخشے گا
حسینؑ درشنؔ تشنہ کو جام بخشے گا

تشنگی

ساقیا کیوں تجھ سے مانگیں ہم دوائے تشنگی
پیاس کی لذت ہی درشنؔ پیاس کا انعام ہے

XXX

نذرعقیدت

راجندر بہادر موجؔ فتح گڑھی، یو۔ پی۔

ذکر شان حق نہ ہو کیوں ذکر کردارِ حسینؑ
خود تھے محبوب خدا جب ناز بردارِ حسینؑ
مستحق جنت کے ہوتے ہیں عزادارِ حسینؑ
طالبِ دنیا نہیں رہتے طلب گارِ حسینؑ
تھا زمیں سے آسمان تک شورِ یلغارِ حسینؑ
تھے جھرونکوں سے فرشتے محوِ دیدارِ حسینؑ
صاف کرتی ہے صَفِ اعدا کو تلوارِ حسینؑ
حشر کا میدان تھا میدانِ پیکارِ حسینؑ
ہے مثالِ بے مثال اندازِ ایثارِ حسینؑ
حشر تک طاری رہے گا رُعب انکارِ حسینؑ
اُن سے خوش اللہ ہے اور خوش رسولؐ اللہ بھی
دونوں دنیاؤں میں افضل ہیں پرستارِ حسینؑ

غمِ حسینیت کا ہر غم سے دلاتا ہے نجات — ہیں غمِ کونین سے آزاد غمخوارِ حسینؑ
جو ہوا، ہونا تھا ملّت کی بقا کے واسطے — ورنہ لاکھوں پر گراں تھا ایک اک تارِ حسینؑ

خاکِ پاکِ کربلا سے موجؔ آتی ہے صدا
پھولتا پھلتا رہے دنیا میں گلزارِ حسینؑ

XXX

حضرت امام حسین علیہ السلام سے

مسز سروجنی نائیڈو

برہنہ پا، سیاہ پوش، چشم سفید، اشکبار
تیری مصیبتوں پہ آہ روتی ہے خلق زار زار
سینہ زنی کے دُھن میں سب سوز کے ساتھ سازِ غم
سینۂ خونچکاں پہ ہاتھ درد بھرا وہ تال سم
پیش نگاہ مومناں قتل کی رات کا سماں
جوش دلی دبے خودی تابہ سحر یہی فغاں
ہائے حسینؑ بے وطن — وائے حسینؑ بے کفن

پیارے ولی حق نما، تیرے محبِّ باصفا
روتے جو ہیں ہزارہا، اس کا سبب نہیں کھلا
تیری وہ سرفروشیاں، تیری بہادرانہ شان
جس کی نہیں کوئی مثال گاڑ گیا وہ اک نشان
جد سے وراثتاً ملی دولتِ دین بے زوال
مایۂ ابتہاج خلق، عشق خدائے لایزال
عاشق رب مشرقین — کشتۂ تشنہ لب حسینؑ

ہندو شعرا جگت گورو حسینؑ کے چرنوں میں

سردار کنور مہیندر سنگھ بیدی سحرؔ

بڑھائی دین محمدؐ کی آبرو تو نے
جہاں میں ہو کے دکھایا ہے سرخرو تو نے
چھڑک کے خون شہیدوں کا لالہ و گل پر
عطا کئے ہیں زمانے کو رنگ و بو تو نے

(۲)

زندہ اسلام کو کیا تو نے
حق و باطل دکھا دیا تو نے
جی کے مرنا تو سب کو آتا ہے
مر کے جینا سکھا دیا تو نے

از: وشوناتھ پرشاد ماتھر لکھنوی

سلام

از: وشوناتھ پرشاد ماتھر لکھنوی

حق کے حامی ہیں حسینؑ اور حق خریدار حسینؑ
یہ طلب گار مشیت وہ طلب گار حسینؑ

جان اپنی دے کے آخر حر نے بازی جیت لی
چھوڑا دربار یزید اور پایا دربار حسینؑ

ایک دونوں کی تجلّی ایک دونوں کی ضیاء
نور رخسار محمدؐ نور رخسار حسینؑ

جو بھی ہوتا ہے مخالف خود ہی ہوتا ہے تباہ
کیا کرے کوئی مشیّت ہے طرفدار حسینؑ

ہے وہی ان کا جو ان کے غم میں ہو ثابت قدم
ورنہ ہر مذہب میں ملتے ہیں طرفدار حسینؑ

رفتہ رفتہ جلتے جاتے ہیں چراغ کائنات
دو جہاں میں پھیلتے جاتے ہیں انوار حسینؑ

اب تو ہر دل میں چمک دیتا ہے نور کربلا
ساری دنیا ہوتی جاتی ہے طلبگار حسینؑ

ہو نہ کیونکر ہم گہنگاران امت کی نجات
حق کا وعدہ بن گیا آخر کو اقرار حسینؑ

سوکھے لب پر آیتیں اور دل میں وحدت کی ضیاء
جیسی گفتار پیمبرؐ ویسی گفتار حسینؑ

ہر قدم پر آرہے ہیں انقلابات جہاں
دیکھ لے اے نظم عالم مڑ کے رفتار حسینؑ

ہے پیمبرؐ سے نواسہ اور نواسے سے رسولؐ
جیسا کردار محمدؐ ویسا کردار حسینؑ

ایسے لوگوں کی نہیں ہے آج بھی کوئی کمی
دل طرف دار یزید اور لب طرف دار حسینؑ

اب نہ ہیں ایسے بہادر اور نہ ایسے جاں نثار
یاد ماتھرؔ آج بھی آتے ہیں انصار حسینؑ

xxx

کیا کہنا

بھگوت سرن اگروال ممتازؔ

ریاض خلد کی رنگیں بہار کیا کہنا
رسولؐ پاک کا تھا تم پہ پیار کیا کہنا
جناب فاطمہؑ کے گل عذار کیا کہنا
علیؑ کے دل کے سکون و وقار کیا کہنا
خدائی کا تھا تمہیں اختیار کیا کہنا

xxx

بزم ماتم

بابو ماتا دین جج

خوشا وہ لوگ جو آتے ہیں بزم ماتم میں
خوشا وہ ہاتھ جو پیٹے حسینؑ کے غم میں

وہ دل ہو خاک نہ ہو جس میں اہلبیتؑ کا غم
وہ پھوٹے آنکھ جو روئی نہ ہو محرم میں

✻✻✻

اے حسین علیہ السلام

بنارسی لعل ورما

رگ رگ میں تیری خون صداقت ہے اے حسینؑ
تیرے عمل میں عکس نبوت ہے اے حسینؑ
قائم نماز تیری بدولت ہے اے حسینؑ
تیری جبین لوح شریعت ہے اے حسینؑ

✻✻✻

ایمان

کرشن بہاری نور لکھنوی

تجھ سے ایمان ہے ایمان کا حاصل تو ہے
انبیاء جس پہ پہنچتے ہیں وہ منزل تو ہے
مرکزیت تجھے کس طرح نہ حاصل ہو حسینؑ
ساری دنیا کی تڑپ جس میں ہے وہ دل تو ہے

✻✻✻

پانی

جوالا پرشاد نگم روشن لکھنوی

خشک آنکھوں کا ہوا غم کے اثر سے پانی
ایک قطرہ نہ ملا دیدۂ تر سے پانی
سامنے جب نہ رہیں قاسم و عون و عباس
کیوں نہ پھر دیدۂ شبیرؑ سے برسے پانی
خاک پر گر کے جو دم توڑ دیا اکبرؑ نے
مانگ بھی تو نہ سکے اپنے پدر سے پانی
اللہ اللہ ری وفاداری رہوار حسینؑ
جاکے دریا میں بھی دیکھا نہ نظر سے پانی

⁂ ⁂ ⁂

سلام

جناب کرشن کمار لکھنوی

شبیرؑ تمہاری منزل کو جو دل کی نظر تھی جان گئی
ہر قوم میں یہ غم پھیل گیا اور دنیا لوہا مان گئی
عباسؑ وفا کے شیدائی ہاں حق میں تمہاری جیت رہی
دریا نے قدم کو چوم لیا جو موج اٹھی قربان گئی
باطل کو کچل کر قدموں سے دکھلائیں گے حق کے رستہ کو
اکبرؑ نے تو دل میں ٹھان لیا اب جان رہے یا جان گئی

اصغرؑ کی شہادت عالم میں دو راہوں کی آخر منزل تھی
دنیائے وفا بھی مان گئی دنیائے جفا بھی جان گئی

xxx

قطعہ

پنڈت ایشری پرشاد دہلوی

نکلیں جو غم شہ میں وہ آنسو اچھے
برہم ہوں جو اس غم میں وہ گیسو اچھے
رکھتے ہیں حسینؑ سے جو کاوش پنڈت
ایسے تو مسلمانوں سے ہندو اچھے

xxx

قطعہ

شریمتی روپ کماری اکبرآبادی

وہ آخری ترا فدیہ جو یاد آتا ہے
حسینؑ دل مرا ہاتھوں سے نکلا جاتا ہے
خبر لو جلد شہ کربلا دوہائی ہے
تمہارے بچے کو جھولے میں نیند آئی ہے

xxx

قطعه

نانک چند عشرتؔ بلرامپوری، ایم۔اے۔۔ایل۔ٹی۔

جب درد نہ ہو دل میں انسان کب ہیں
انسان ہیں جتنے بھی وہ ہم مشرب ہیں
مظلوم سے کس کو نہیں ہمدردی ہے
انصاف سے دیکھو تو حسینی سب ہیں

XXX

قطعه

من موہن لال جی محکمہ جنگلات

ہوتے ہیں اس جہان میں ایسے بشر کہاں
کرتے ہیں جو رضائے الٰہی میں نذر جاں
کیا داستان ظلم و ستم کیجئے بیاں
غم سے زباں ہے بند تپش دل میں ہے نہاں
منؔ کے بھی نقد و دل پہ ہے سکّہ حسینؑ کا

XXX

قطعہ

مسٹر ترلوچن لال جی وکیل

دو پھول ہیں مصطفیٰؐ کے بو ایک سی ہے
دو لال ہیں مرتضیٰ کے خو ایک سی ہے
ایک دو کا کیا خدا نے ان کے لئے دو
گو در ہیں یہ دو پہ آبرو ایک سی ہے

***

قطعہ

مسٹر بندرابن پرشاد طالبؔ سریواستو وکیل لکھنؤ

رونق فضائے خلد بریں جان کربلا
عالم فدائے جلوہ سلطان کربلا
طالب جہاں میں نقش ستم ہوگا اب عیاں
جاتے ہیں سوئے شام اسیران کربلا

***

سلام

مسٹر جگدیش نارائن سیٹھؔ وکیل

یہی جنت کے مالک ہیں انہیں کا حوض کوثر ہے
شہ مظلوم کا یہ مرتبہ اللہ اکبر ہے

لئے ہے با ادب قراں کے پارے اپنی گودی میں
زمین کربلا کا اوج پر کیسا مقدر ہے
مصیبت پر شہ مظلوم کی آنسو بہے جس کے
اسی کے واسطے خلد بریں ہے جام کوثر ہے
زہے تقدیر میں نے دولت کونین پائی ہے
ازل سے سیٹھ دل میں الفت آلِ پیمبرؐ ہے

حیدری شمشیر

منشی امبیکا پرشاد سریواستوا المتخلص عشق محمود آبادی

جانتے تھے شہ کہ میرے ضبط کا ہے امتحاں
کم نہ تھی ورنہ روانی حیدری شمشیر کی

⌘⌘⌘

حسین علیہ السلام آگئے اسلام کی بقا کے لئے

وشوناتھ پرشاد ماتھر لکھنوی

بنے ہیں نور کا مرکز رہِ وفا کے لئے
یہ چند جلوے ہیں مخصوص کربلا کے لئے
کبھی تھا صبر خلیل اور اب ہے صبر حسینؑ
وہ ابتدا کے لئے تھا یہ انتہا کے لئے
بلندیوں کی نمائش تھی ارتقا کے لئے
یہ آسمان بنا ارض کربلا کے لئے
اگر حسینؑ نہ ہوتے تو ختم تھا اسلام
یہ کشتی دیر سے ٹھہری تھی ناخدا کے لئے
کہاں یزید کہاں عظمتِ حسینیت
کوئی جفا کے لئے تھا کوئی وفا کے لئے

وہ حُر بھی آہی گیا سایۂ حسینی میں ترس رہا تھا جو فردوس کی ہوا کے لئے
یہ کہہ کے پائے حسینی پہ رکھ دیا سر کو بنی تھی میری جبیں ترے نقش پا کے لئے
یہ راز مشکِ سکینہؑ سے پوچھ لے کوئی فرات کیوں ہوئی مخصوص کربلا کے لئے
اُدھر مقابل باطل ہوئے علی اکبرؑ اِدھر حسینؑ کے ہاتھ اُٹھ گئے دعا کے لئے
کوئی ہے نور کا مرکز کوئی ہے شعلۂ نار کسے چنیں گے مسلمان رہنما کے لئے
یہی میں سمجھا در بوتراب چاہتا ہے اُٹھائے ہاتھ کسی نے اگر دعا کے لئے
نہ ہوتی خاکِ شفا گر تو ختم تھی دنیا ہر ایک زمین ہوئی خلق کربلا کے لئے
عطش جلاتی سرِ آب بھی وفا کے چراغ صلاحیت کوئی ہوتی جو نقش پا کے لئے

علیؑ کا روضہ اگر دیکھتے ہیں اے ماتھرؔ
ہمارے ہاتھ بھی اُٹھ جاتے ہیں دعا کے لئے

XXX

حسین علیہ السلام

کنور سورج نرائن سنہا ادبؔ سیتاپوری

حسینؑ ابن علیؑ کا ہر ارادہ بن گیا منزل
شکستیں کفر کو دیدیں جب اپنے عزم محکم سے
غم شبیرؑ میں ناسور آنکھوں کے یہ کہتے ہیں
ہم ایسے زخم ہیں جو بھر نہیں سکتے ہیں مرہم سے
ٹپک جاتے ہیں آنکھوں سے جو مجلس میں شہ دیں کی
ان آنکھوں کو ملا لو کوثر و تسنیم و زمزم سے
سواد کفر میں آواز دیتی ہے حسینیت
حفاظت دین کی ہوتی رہے گی اپنے ہی دم سے

تلمیح میں واقعات کربلا

برج لال جگی صاحب رعناؔ دہلوی

لہو میں ڈوب کر مثلِ دمِ خنجر نکلتے ہیں
شہیدانِ محبت سُرخرو ہوکر نکلتے ہیں

زمانہ نور والوں سے کبھی خالی نہیں رہتا
جو سُورج ڈوبتا ہے تو مہ و اختر نکلتے ہیں

اگر ہے عشق صادق تو ہے ترکِ عشق ناممکن
کہ اِس کوچے میں جو آتے ہیں وہ مر کر نکلتے ہیں

ظہورِ نورِ حق باطل کے جلوؤں میں نہیں ہوتا
کبھی آبِ یمِ تصویر سے گوہر نکلتے ہیں؟

نہ پوچھو حسرتِ پرواز اُس معصوم طائر کی
قفس کی چار دیواری میں جس کے پر نکلتے ہیں

دلِ غمگیں میں تری یادیوں سج دھج کے آتی ہے
فلک پہ رات کو جیسے مہ و اختر نکلتے ہیں

بقدرِ ضربِ غم دل میں ظہورِ ہوش ہوتا ہے
بقدرِ ہوش دل انسان کے جوہر نکلتے ہیں

فروغِ جلوۂ وحدت ہے کثرت اس طرح رعناؔ
خُمِ صَہبا سے جیسے سینکڑوں ساغر نکلتے ہیں

XXX

سَلام

برجناتھ پرشاد مخمورؔ لکھنوی، پی۔ایم۔جی آفس لکھنؤ

کوئی زمیں نہیں ایسی باخدا تنہا
مقابلے میں ہے جنت کے کربلا تنہا

علم سنبھالے کہ مشکیزے میں بھرے پانی
بتاؤ کیا کرے عباسؑ باوفا تنہا

زمین کانپ رہی ہے فلک بھی لرزاں ہے
عدو کی فوج ہے اور سبطِ مصطفیٰ تنہا

تڑپ کے لاشۂ قاسمؑ سے کہتی ہے بیوہ
کٹے گا زیست کا اب کیسے راستا تنہا

ہلا دیا ہے زمانے کو تم نے اے اصغرؑ
کیا ہے تیر سے ایسا مقابلہ تنہا

اسیر ہو کے کریں پردا کس طرح زینبؑ — وہ چھن گئی کہ جو باقی تھی ایک ردا تنہا
کہا سکینہؑ نے اصغرؑ تو قبر میں سوئے — سوالِ آب کا ارمان رہ گیا تنہا
حسینؑ آئے تھے کرب و بلا میں کیوں مخمورؔ
یہ راز جانتا ہے صرف کبریا تنہا

ⵋⵋⵋ

قطعات

برجناتھ پرشاد مخمور لکھنوی

O

وفا کی راہ چلتے ہیں وفا کی روشنی والے
کلامِ حق بھی پڑھ لیتے ہیں آیاتِ جلی والے
مسلماں تو نہیں ہیں ہم مگر اتنا سمجھتے ہیں
درِ جنت سے واپس آ نہیں سکتے علیؑ والے

آنکھیں کہتی ہیں کہ تیرے نور کو دیکھا کریں
ہونٹ کہتے ہیں کہ تیرے نقشِ پا چوما کریں
مَن کے مندر میں بٹھا کر تجھ کو اے سبطِ نبیؐ
دل یہ کہتا ہے کہ تیری عمر بھر پوجا کریں

O

مٹ نہیں سکتا کبھی مخمورؔ غمِ عباسؑ کا
نقش سجدہ بن چکا ہے ہر قدم عباسؑ کا
گر جہاں والوں میں دیکھیں گے عقیدت کی کمی
ہو کے ہندو ہم اٹھائیں گے علم عباسؑ کا

ہم اپنا نام اور اپنی عقیدت کو بتا دیں گے
جو پردا ظاہری دنیا سمجھتی ہے اٹھا دیں گے
ہمیں جنت میں جانے سے اگر رضواں روکے گا
تو سینے پر نشانِ ماتمِ سرورؑ دکھا دیں گے

ⵋⵋⵋ

نذرانۂ عقیدت

سُورج نرائن ادبؔ سیتاپوری

دل وجان رباب ایماں کو ایماں کردیا تونے
حُسینیت کا مستقبل درخشاں کردیا تونے

رہِ تسلیم والفت خندہ پیشانی سے طے کرکے
محبت کو محبت کا نگہباں کردیا تونے

پیاس حرمت ایماں ہم آغوش قضا ہوکر
چراغ ہمتِ انساں فروزاں کردیا تونے

بچایا کشتئ دین نبیؐ کو غرق ہونے سے
مگر اپنا سفینہ نذر طوفاں کردیا تونے

انوکھے پن سے حل کرکے سوال فرض وقربانی
رہِ الفت کی دشواری کو آساں کردیا تونے

فدا ہوکر حسینؑ ابن علیؑ نے نیک مقصد پر
بقائے دین پیغمبرؐ کا ساماں کردیا تونے

جہاں پر کفر اور الحاد کی ظلمت کے ڈیرے تھے
اسی عالم میں ایماں کا چراغاں کردیا تونے

شعور عشق کی نعمت سے مالا مال فرما کر
فروزاں نیّر احساس انساں کردیا تونے

بہ ایں سن یہ شعورِ نصرت حق اے علی اصغرؑ
ملک کو آشنائے اوج انساں کردیا تونے

زمانہ جانتا ہے فدیۂ حقانیت ہوکر
یزیدیت کا شیرازہ پریشاں کردیا تونے

عمل سے اپنے دین حق کو عمر جاوداں بخشی
مکمل خالق عالم پہ احساں کردیا تونے

تبسم کیوں نہ بنتا قاطع نسل یزیدیت
پئے حفظ شریعت خود کو قرباں کردیا تونے

علی اصغرؑ خدا شاہد ادبؔ کا یہ عقیدہ ہے
کہ اس کے دل میں حق کوشی کو مہماں کردیا تونے

※※※

سلام

شیش چندر سکسینہ، طالبؔ دہلوی

جانتے تھے وہ جفا ہوگی، جفا ہوکر رہی
ہے جفا کیا شے، جفا کی انتہا ہوکر رہی

اک کلیجہ اور بہتر ۷۲ زخم، حد ہے ضبط کی
آشکارہ عظمتِ صبر و رضا ہوکر رہی

صبر ایوّبی سے بازی لے گیا صبرِ حسینؑ
صبر کی دنیا نثارِ کربلا ہوکر رہی

اُس حُسیں مقصد کے صدقے، اِن تمنّا کے نثار
جو حسینؑ ابن علیؑ کا مدعا ہوکر رہی

اصغرؑ معصوم کی طفلی پہ بھر آتا ہے دل
یہ وہ قربانی تھی جو صبر آزما ہوکر رہی

آہا عباسؑ علمبردار کا ذبحِ عظیم
یہ شہادت حاصل ارض و سما ہوکر رہی

وہ محمد کی دلیری، وہ شجاعت عون کی
بے جھجک مولاؑ کی مرضی پر فدا ہوکر رہی

خون مُسلم کا، شہادت قاسمؑ جرار کی
حفظِ ملّت کے لئے عین بقا ہوکر رہی

شاہ کی پیری، جوانی اکبرؑ جانباز کی
کربلا میں صدقۂ شیرِ خدا ہوکر رہی

دشمنوں کی فوج کو پانی پلایا آپؑ نے
یہ شرافت ورثۂ آلِ عباؑ ہوکر رہی

عابدؑ بیمار پر سختی نہ ہونی تھی مگر
جان اُن کی بھی غضب میں مبتلا ہوکر رہی

پیش آئیں ہر قدم پر نت نئی دشواریاں
پھر وفا والوں سے تکمیل وفا ہوکر رہی

دشمنِ جانی پہ بھی سبقت نہ کی حسنینؑ نے
یہ ادا مرغوب محبوب خدا ہوکر رہی

گو بظاہر اہلِ باطل کربلا میں چھا گئے　　بات پھر بھی حق پرستوں کی سِوا ہو کر رہی

چُھپ نہیں سکتی گھٹاؤں میں ضیائے آفتاب　　جو صداقت تھی وہ عالم آشنا ہو کر رہی

سُرمۂ اہل نظر ہے خاکِ ارضِ کربلا　　کیمیا ہونا تھا اس کو کیمیا ہو کر رہی

مغفرت ممکن ہے طالبؔ دل سے توبہ کیجئے　　زندگی کیا تھی جناب حُر کی کیا ہو کر رہی

XXX

آپ علیہ السلام ہی مخصوص تھے ایسی شہادت کے لئے

حکیم چھنّومل نافذؔ شاگرد حضرت بیخود دہلوی

مجرئی دل صاف کر شہؑ کی محبت کے لئے　　خوب سودا ہے یہ بازارِ قیامت کے لئے

دل تڑپتا ہے بہت شہؑ کی زیارت کے لئے　　کیا خبر کیوں دیر ہے اتنی سی حسرت کے لئے

پیاس کے صدمے اٹھا کر شہؑ نے امت کے لئے　　جوش پیدا کر دیا دریائے رحمت کے لئے

میں یہ سمجھوں مل گئی مجھ کو جگہ فردوس میں　　کربلا میں گر زمیں مل جائے تربت کے لئے

کیوں تڑپتے تیرے پانی کے لئے وہ اے فرات　　مضطرب جو لوگ تھے جامِ شہادت کے لئے

ہر گھڑی شہؑ کو ادھر آتا تھا صغریٰؑ کا خیال　　تھی اُدھر صغریٰؑ بہت بے چین حضرت کے لئے

دفن کرنے والا بھی کوئی نہ تھا حضرت کی نعش　　آپؑ ہی مخصوص تھے ایسی شہادت کے لئے

پرسشِ اعمال کی نافذؔ تجھے کیا فکر ہے
جب شہِ دینؑ ہیں ترے سر پر شفاعت کے لئے

XXX

سلام

منشی لکشمن نرائن، سخاؔ ریٹائرڈ ڈسٹی مجسٹریٹ ریاست جے پور

سلامی خیمہ سے اب سبطِ پیغمبرؐ نکلتے ہیں
کہیں نیزے سنبھلتے ہیں کہیں خنجر نکلتے ہیں

ابھی رحمت کے سو چشمے سرِ محشر نکلتے ہیں
شفاعت کو حسینؑ اور ساقیٔ کوثر نکلتے ہیں

یزید روسیہ کے ہاتھ میں وہ ہاتھ کیا دیدیں
قدم تک شرع سے جن کے نہیں باہر نکلتے ہیں

بہادر کوئی اکبرؑ کے مقابل کس طرح ہوتا
بھلا اس زورِ حیدرؑ کے کہیں ہمسر نکلتے ہیں

خدا کی شان تھی حرُ کا اُدھر سے یوں نکل آنا
صدف کی خزف سے اس طرح کہ گوہر نکلتے ہیں

غمِ شبیرؑ میں احساں نہ ان آنکھوں کا بھولونگا
انھیں سے لختِ دل، لختِ جگر باہر نکلتے ہیں

نظر آجاتی ہے بزمِ عزا سے راہ جنت کی
شہید کربلاؑ کے غم میں جب روکر نکلتے ہیں

فنائے عشق کی جب ڈھونڈتے ہیں راہ تنگ آکر
حسینؑ ابن علیؑ ہی خضر کے رہبر نکلتے ہیں

کہا شہؑ نے سرِ نیزہ فنا فی اللہ ظاہر سے
فنائے عشق کے کچھ اور ہی جوہر نکلتے ہیں

خلافِ شرع ہوجاتی ہے دنیا دیں میں جب داخل
یزید وشمر کے ایسے ہی بد گوہر نکلتے ہیں

شریعت کے جواہر کا پتہ سن لو نظر بازو
یہ جوہر کربلا کی خاک کے اندر نکلتے ہیں

کہا شہؑ نے کہ ہم تو کربلا سے یوں نہ نکلیں گے
خدا کے امتحاں میں سرخرو ہوکر نکلتے ہیں

اگر کھلتی ہیں واں آنکھیں یزید وشمر کی تو کیا
شہ دیں جب شفاعت کو سرِ محشر نکلتے ہیں

لب کوثر محبان شہِؑ دیںؑ سب ہیں متوالے
خُم مے تازہ کھلتے ہیں نئے ساغر نکلتے ہیں

شہیدِ کربلاؑ کی یاد رہ رہ کر ستاتی ہے
سرشکِ خونِ دل آنکھوں سے تھم تھم کر نکلتے ہیں

غمِ شبیرؑ میں آہ و بکا کا ضبط ہے مشکل
اور اُس آہ و بکا سے شکوۂ داور نکلتے ہیں

غمِ شبیرؑ میں دل تک ہے خوں اور اف نہیں کرتا
سخاؔ جیسے مسلمانوں میں بھی کمتر نکلتے ہیں

XXX

سلام

گرچرن داس شیدؔا سیتاپوری
لیکچرار اردو ڈیپارٹمنٹ، آر۔ ایم۔ پی۔ انٹر میڈیٹ کالج سیتاپور

تجھ پر سلام مشہد میدان کربلا — تجھ پہ سلام شاہ شہیدان کربلا
شام سیاہ زلف پریشان کربلا — صبح سپید چاک گریبان کربلا
صد حیف یہ نہ سمجھے لعینان کربلا — جنت مقام ہے یہ غریبان کربلا
معنی نہ کھلتے آیۂ ذبح عظیم کے — سبطؐ نبی نہ ہوتے جو قربان کربلا
سینچا تھا شیر زہرا نے جس حلق پاک کو — تشنہ بنا وہ منزل پیکان کربلا
کیا شرطِ میزبانیٔ اسلام کی وفا — تیروں سے کی ہے دعوت مہمان کربلا
پوچھے نہ اشک اہل حرم کے دم بکا — اب تک ہے خشک اس لئے دامان کربلا
لب خشک تشنہ حلق شہادت قبول کی — کوثر کے آسرے پہ شہیدان کربلا
معصومیت کا جس پہ بہایا گیا لہو — کہتے ہیں اس زمین کو میدان کربلا
گرتا کوئی جو وقت شہادت زمین پر — بنتا وہ اشک موجۂ طوفان کربلا
دل گنج کفر ورد زبان کلمۂ رسولؐ — تف بر لعین صاحب ایمان کربلا
شرط وفا شعار کی تکمیل سے ہوئی — کوثر نصیب شہ کے رفیقان کربلا

شیدؔا عطائے ساقی کوثر سے رکھ امید
گر تو ہوا ہے آج ثناخوان کربلا

XXX

اِنسان کو حسین علیہ السلام نے اِنساں بنا دیا

نتیجہ فکر بلند چودھری پر بھان شنکر سروشؔ، ایم۔اے، ایل۔ایل۔بی، ایڈوکیٹ، اناؤ

(۱) کیا غم کو تو نے شاہِ شہیداں بنا دیا
افسانۂ حیات کا عنواں بنا دیا

(۲) ٹکرا کے زندگی کو حوادث سے یا حسینؑ
انسان پر حیات کو آساں بنا دیا

(۳) سارے رسوم عہد کہن تو نے توڑ کر
انسانیت کو حاصل ایماں بنا دیا

(۴) تیری ہر ایک بات نے اے حرّیت نواز!
معیارِ زندگی پئے انساں بنا دیا

(۵) بیداریوں نے تیری یداللہ کے پسر
بیعت کو ایک خواب پریشاں بنا دیا

(۶) ہنس ہنس کے اس طرح ترے بچوں نے جان دی
جاں بازیوں کو بازیِ طفلاں بنا دیا

(۷) غم کی سرشت روحِ طرب سی بدل گئی
ہر زخم دل کو اک لبِ خنداں بنا دیا

(۸) جی تو یہ چاہتا ہے کہ وہ ہاتھ چوم لوں
جن سے مزارِ اصغرؑ ناداں بنا دیا

(۹) اے حُرنواز! تیری یہ معجز نمائیاں
تاریکیوں کو شمع فروزاں بنا دیا

(۱۰) تصویر کفر دین کے سانچے میں ڈھل گئی
کانٹے کو چھو لیا تو گلستاں بنا دیا

(۱۱) ذرّات کربلا کو شہادت کے فیض سے
ہمدوش اوج تختِ سلیماں بنا دیا

(۱۲) بہنوں نے تیری بن کے اسیران بے ردا
مقصد کو تیرے اور نمایاں بنا دیا

(۱۳) ہندوستاں کو خطبۂ آخر میں کر کے یاد
ہم کو بھی اعتماد کے شایاں بنا دیا

(۱۴) اسلام اگر تجھی سے محبت کا نام ہے
پھر تو مجھے بھی تو نے مسلماں بنا دیا

(۱۵) ایمان کی سروشؔ تو یہ ہے، خدا گواہ
انسان کو حسینؑ نے انساں بنا دیا

XXX

سلام

نتیجۂ فکر گورسرن لال ادیبؔ، ایم۔اے۔ دہلی

جن کی رگ رگ میں رواں تھا خونِ حیدر آگئے
آگئے میداں میں ہم شکل پیمبرؐ آگئے

موت کو لبیک کہہ کر تھا م کر دل شاہِ دیںؑ
الوداع آخری خیموں میں کہہ کر آگئے

قلبِ اعدا کانپ اُٹھا جس وقت شاہِ مشرقین
ذوالفقارِ حیدرِ کرارؑ لے کر آگئے

کربلا کی جنگ کو دیکھا مگر کچھ سہم کر
یاد جبریلِ امیں کو اپنے شہ پر آگئے

راہِ حق میں ہوچکے قربان جب چھوٹے بڑے
تشنہ لب خود وارثِ ساقیٔ کوثر آگئے

وہ ہجوم بے کسی اور تشنہ لب اہل حرم
رو دیے آنکھوں کو جب آنسو میسر آگئے

اشک غم کو روکنے کا اب نہیں یارا ادیبؔ
چشمِ دل کے سامنے کچھ ایسے منظر آگئے

☓☓☓

سلام

نتیجۂ فکر ٹھاکر شیر سنگھ شمیمؔ فرخ آبادی

شفاعت کا بھروسہ ہے مجھے حال پریشاں میں
یقینا کام آئے گی وہ پرسش ہائے عصیاں میں
خدا ناکردہ امداد علیؑ سے ہوگی محرومی
سمائی بات کیا ہے یہ مرے قلب ہراساں میں
رموز حق شناسی سے جو واقف ہو گئے، ان کو
نظر آتا ہے نقشہ طور کا شمع فروزاں میں
کرے گی اس کو احمدؐ کی عنایت فائز منزل
نہیں بھٹکے گا اپنا قافلہ کوہ و بیاباں میں
گناہوں کی عفونت کو دبا دے گی مہک ان کی
بھرے نعت نبیؐ کے پھول ہیں عاصی کے داماں میں
رقم ہے حال، اس میں کربلا کے سب شہیدوں کا
کتاب غم نہ رکھی جائے گی یہ طاق نسیاں میں
گرانی اور کم یابی ہر ایک شے کی نمایاں ہے
کمی کچھ کیجئے گا آپؐ بھی عشرت کے ساماں میں
طمانچے غم کے پے در پے پریشاں حال کرتے ہیں
خدا ہی اپنا حافظ ہے اب اندوہ فراواں میں
چراغ نعت احمدؐ ضوفشانی کرتا رہتا ہے
شمیمؔ اندیشہ ظلمت نہ ہوگا دل کو طوفاں میں

ⵋ ⵋ ⵋ

نہر فرات سے دو باتیں

نانک چند سریواستو عشرتؔ

ایم۔اے،ایل۔ٹی،منشی،فاضل ساہتیہ رتن،وائس پرنسپل لائل کالی جیٹ اسکول بلرامپور،(گونڈہ)

خواب میں کل آئی تھی نہرِ فرات
چل پڑی کچھ کربلا کی اُس سے بات

میں یہ بولا غیظ و استعجاب سے
اس سراپا اضطراب خواب سے

میں نے مانا سنگ دل تھے اشقیا
تیری غیرت کو مگر کیا ہو گیا

اشک ہے، رقت ہے، آہِ سرد ہے
پیچ و تاب درد میں تو فرد ہے

کس طرح تو دیکھتی ہی رہ گئی؟
جو نہ سہہ پانا تھا کیونکر سہہ گئی

عترت ساقیٔ کوثر اور پیاس
حلق و لب سوکھے ہوئے چہرے اداس

طفل کیا پیر و جواں بے تاب تھے
تین دن سے سب کے سب بے آب تھے

شاہِ دیں ڈوبے ہوئے غیرت میں تھے
اپنے سب انصار و یاور کے لئے

سوچتے تھے اپنے دل میں بار بار
خطرے میں ہے خُلق کا میرے وقار

فوج دشمن کو کرے سیراب جو
وہ نہ قطرہ دے سکے انصار کو

دیکھ کر یہ حال بھی تو چُپ رہی
جنگ کے میدان میں گویا نہ تھی

کیوں پہونچ پائی نہ تو خیمہ کے پاس؟
کیوں بجھا پائی نہ تو پیاسوں کی پیاس

مانگنے پانی چلا اک شیر خوار
ہوسکی پھر بھی نہ تو کچھ شرمسار

جب بجھائی پیاس آبِ تیر سے
روح نکلی جب تنِ بے شیر سے

تب بھی تیرے آب میں جنبش نہ تھی
تب بھی تیرے جسم پر لرزش نہ تھی

یہ نہ سوچا تیرا کیا ہوگا جواب
حشر کے دن تجھ کو آئے گا حجاب

تجھ کو بڑھنا چاہئے سیلاب سا
نوح کا طوفان لاتی برملا

ڈوب جاتے جس میں کوفہ، کربلا
خیمہ گاہِ فوج سرور کے سوا

نوح کی کشتی کا منظر دیکھ کر
ٹھنڈا ہوتا شاہ کا تفتہ جگر

گِر کے قدموں پر معافی چاہتی
اپنی غفلت کی تلافی چاہتی

تجھ پہ ہو جاتی عطوفت کی نگہ
باغِ رضواں میں تجھے ملتی جگہ

شکوہ پر بولی وہ یوں باشور و شین
میری بھی سن، اے ہوا خواہِ حسینؑ

مانتی ہوں ٹھیک ہے تیرا گلہ
مانتی ہوں اس میں تھی میری خطا

تجھ کو لیکن ہے نہیں کچھ آگہی
ورنہ شکوہ ہی نہ کرتا تو کبھی

پیشتر اس سے کہ ہوجاتا شہید
کوئی بھی فوجِ حسینی کا شہید

دست موج اپنا بڑھا دیتی ضرور
پیاس پیاسوں کی بجھا دیتی ضرور

خشک صحرا کو بھگو دیتی ضرور
دشمنوں کو میں ڈبو دیتی ضرور

قصد پر اپنے مگر ٹوکی گئی
گام اٹھاتے ہی وہیں روکی گئی

آگیا صبرِ امامت سامنے
اب بڑھی تو تھی قیامت سامنے

ہیبت و اجلال سے تھرّا گئی،
کچھ نہ سمجھی کیا کروں گھبرا گئی

اس طرح فوراً ہوا مجھ سے خطاب
بس حدوں میں اپنی رہ اے موج آب

مانتا ہوں فرض ہے بہنا ترا
دشمنوں میں غیظ سے چڑھنا ترا

تجھ کو لازم تھا مگر یہ جاننا
تجھ کو لازم تھا مگر یہ ماننا

گو امامِ دوسرا محصور ہیں
لیکن اب بھی وہ نہیں مجبور ہیں

یاد رکھ تیرے نہیں محتاج ہیں
دو جہاں کے مالک و سرتاج ہیں

جن کی خاطر آئے ہوں سیب جناں
عرش سے حلّے بطور ارمغاں

وہ اگر چاہیں تو کیا ممکن نہیں | دو جہاں کی نعمتیں آئیں یہیں
چشمے اُبلیں خیموں کے اندر ابھی | تشنہ لب سیراب ہوجائیں سبھی
میرا لیکن ہورہا ہے امتحاں | اس لئے چپ ہیں امامِ دو جہاں
مجھ کو موقع دے دکھاؤں دہر کو | مجھ کو موقع دے بتاؤں دہر کو
صبر ایوبی کا دامن چاک ہو | اس کی شہرت کا بھی قصہ پاک ہو
لَوٹ جا بس کھا نہ کچھ اب پیچ و تاب | تجھ کو مل جائے گیا نیت کا ثواب
لَوٹ آئی سن کے میں یہ گفتگو | پا گئی سب کی نظر میں آبرو
گو کہ اب بھی میں ہوں بر روئے زمیں | میرے درجے میں کمی لیکن نہیں
ہر طرف ہے میرے ارضِ کربلا | نہر جنّت سے سوا ہے مرتبہ
تو بھی عشرت آج کی شب عزم کر | مجھ سے اپنی گفتگو کو نظم کر

پھر سنا مجلس میں سب کو اپنا خواب
اور حاصل کر ثوابِ بے حساب

XXX

آخری فدیہ

جذبات روپ کنور، از محترمہ رُوپ کنور صاحبہ کنورؔ مرحومہ

رہِ خدا میں بہتر ۷۲ کا سر دیا شہؑ نے | میں اُن کے صدقے برادر کا خوں دیا شہؑ نے
جنابِ قاسمؑ مضطر کا خوں دیا شہؑ نے | جواں پسر علی اکبرؑ کا خوں دیا شہؑ نے

کئی پہرے سے جو تھا خشک وہ گلو بھی دیا
بس انتہا ہے کہ ششماہے کا لہو بھی دیا

غضب ہے گر نہ پڑا آسمانِ ظلم شعار وفورِ غم سے نہ کیوں سینہ زن ہو روپ کنوار
حسینؑ میں ترے صدقے یہ میری جاں نثار کسی کا تیر کہاں اور کہاں ترا دلِ زار

وہ تیرا آخری فدیہ جو یاد آتا ہے
حسینؑ دل مرا ہاتھوں سے نکلا جاتا ہے

لکھا ہے جب کوئی حامی نہ شاہ دیںؑ کا رہا اور آپؑ ظلم کی فوجوں میں رہ گئے تنہا
ہجومِ یاس نے چاروں طرف سے گھیر لیا تو ناگہاں درِ خیمہ سے آئی رن کو صدا

خبر لو جلد شہؑ کربلا دہائی ہے
کہ شیرخوار کو جھولے میں نیند آئی ہے

یہ سُن کے خیمہ کی جانب گئے امام ہدیٰ قریب جھولے کے پہونچے تو رو کے فرمایا
معاف کیجیو بے کس پدر کو اے بیٹا کہ ایک پانی کا قطرہ تمھیں پلا نہ سکا

خدا گواہ بہت تم سے شرمسار ہوں میں
یقیں کرو علی اصغرؑ کہ بے قرار ہوں میں

یہ کہہ کے روئے بہت اور پسر کو پیار کیا اُٹھایا جھولے سے حضرتؑ نے اپنا ماہِ لقا
ٹپک پڑے تھے جو چہرے پہ اشک شاہِ ہدیٰ وہ سمجھا پانی ہے بچے نے منھ کو کھول دیا

تری جو اشکوں کی پائی تو مسکرانے لگا
زبانِ خشک کو ہونٹوں پہ وہ پھرانے لگا

کہا حسینؑ نے پانی تمھیں پلا لائیں چلو گے ناناؐ کی امت کے پاس لے جائیں
ستم گروں کو یہ حالت تمہاری دکھلائیں صغیر جان کے شاید عدو ترس کھائیں

دہن کو کھول کے سوکھی زباں دکھا دینا
کہ تین روز سے پیاسا ہوں یہ جتا دینا

سمجھ میں کچھ نہیں آتا یہ کیا قیامت ہے یہ آج گلشنِ ہستی کی کیسی حالت ہے
تباہ کون ہوا کس پہ آئی آفت ہے ندا یہ آئی کہ شہؑ کی شہادت ہے
تمام اہل حرمؑ زار زار روتے ہیں
سکینہؑ سے علی اصغرؑ وداع ہوتے ہیں

غرض وداع کیا اور شہؑ انام چلے ستمگروں کی طرف شاہِ تشنہؑ کام چلے
پسر کو ہاتھوں پہ رکھے ہوئے امامؑ چلے قدم قدم پہ اُدھر موت کے پیام چلے
تمام پیاسوں میں پیارا جو شہؑ کو تھا یہ پسر
حسینؑ ڈھال کا سایہ کئے تھے اصغرؑ پر

پُکارے لشکر بے دیں کو جاکے سرورؑ دیں تڑپ رہا ہے کئی دن سے میرا ماہ جبیں
جو کہہ رہا ہوں میں یارو کرو تم اس کا یقیں خود آکے دیکھ لو پہونچے ہیں یہ اجل کے قریں
جو رحم کھاؤ تو پانی پلانے لایا ہوں
انھیں میں خیمے سے تم کو دکھانے لایا ہوں

لِٹا دوں ریتی پہ دیکھو گے میرے کمسن کو عطش سے مرتے ہیں پانی پلاؤ گے ان کو
سکون شب کو انھیں ہے نہ چین ہے دن کو جو تم نے قتل کئے اُن کا درد ہے ان کو
کلیجہ ننّھا سا معصومؑ کا سُلگتا ہے
کراہتے ہیں تو اِک تیر دل پہ لگتا ہے

سُنیں حسینؑ کی باتیں تو اہل شر روئے دلوں کو تھام کے سب صاحب جگر روئے
سوار فوج میں رونے لگے شتر روئے بشر پہ کچھ نہیں موقوف جانور روئے
حباب پانی سے اُٹھ اُٹھ کے جان کھونے لگے
جو ذی حیات تھے آخر تمام رونے لگے

پرے سے فوج کے ناگاہ حُرملا نکلا | کمان دوش سے چلّے سے تیر لے کے چلا
گلوئے لختِ دلِ شاہ کربلا تا کا | کماں میں تیر کو جوڑا شقی نے اور یہ کہا

حسینؑ ! اب وہ پلاتا ہوں آبِ سرد اِن کو
کہ تا بہ حشر لگے گی نہ پیاس کمسن کو

یہ کہہ کے تیر جو جوڑا ادھر یہ حال ہوا | کہ حلق چھد گیا معصومؑ خوں میں لال ہوا
دہن سے خون اُگلنے لگا نڈھال ہوا | اک آہ ہلکی سی کی اور انتقال ہوا

پدر نے یاس سے ننھی سی جان کو دیکھا
کبھی زمیں کو کبھی آسمان کو دیکھا

پُکارے سیدؑ بے کس یہ کیا کیا تم نے؟ | ہمارے لال کو پانی پلا دیا تم نے؟
جو کچھ کیا ارے لوگو! بُرا کیا تم نے | غضب کیا مرے بچے پہ کی جفا تم نے

یہ کہہ رہے تھے کہ تیروں کا مینھ برسنے لگا
حسینؑ رودیئے لشکر تمام ہنسنے لگا

سرفراز محرم نمبر ۱۹۸۹

⁂

شبِ عاشور

یوگندر پال، صابرؔ، ایم۔اے

صحرائے کربلا میں جو آئی نویں کی شام | فوج یزید نے کیا جنگل میں اژدہام
تھے مضطرب کمال شہنشاہِ تشنہ کام | مایوسیوں میں ڈوبی ہوئی تھی فضا تمام

ارض و سما کے غم سے کلیجے دو نیم تھے
بیوہ تھی شام چرخ کے تارے یتیم تھے
تھا خیمۂ حسینؑ میں ہر سو غم و ملال شہزادیوں نے کھول دیے تھے سروں کے بال
ہر ایک کی زباں پہ پانی کا تھا سوال تھا پیاس سے سکینہؑ و اصغرؑ کا غیر حال
مرقد میں ہل رہا تھا کلیجہ رسولؐ کا
مُرجھا رہا تھا دھوپ میں گلشن بتولؑ کا
بعد نماز شب کی سیاہی ہوئی عیاں وہ خوف و ہراس وہ ظلمت کہ الاماں
اُٹھا ہوا قیام گہہ فوج سے دھواں وہ جابجا چمکتی ہوئی مشعلیں وہاں
جاگا ہوا جہاں میں جادہ وہ رات کا
تھم تھم کے بے خروش وہ بہنا فرات کا
ناگاہ سوئے خیمۂ شبیرؑ تیر آئے آئے حضور شاہؑ میں عباسؑ سر جھکائے
بولے غلام غیظ وغضب کس طرح دبائے اب اذن جنگ ہو تو لعینوں کی سمت جائے
اندھا کیا ہے فوجِ شقی کو غرور نے
گستاخیوں کو دیکھ لیا خود حضورؑ نے
شفقت سے شاہِ دیںؑ نے یہ عباسؑ سے کہا لازم ہے صبر آج نہیں وقت جنگ کا
شیرِ خداؑ کا طور نہیں تم کو یاد کیا ہر ظلم پر خموش رہے لب نہیں ہلا
ہم خود کہیں گے فوج سے مہلت کے واسطے
مخصوص ہے یہ رات عبادت کے واسطے
یہ کہہ کے سوئے فوج بڑھے شاہؑ بحر و بر عباسؑ اور اکبرؑ گل رخ اِدھر اُدھر
ہاتھوں میں مشعلیں لئے انصار خوش سیر پہلوئے شہؑ میں زینبؑ ذی جاہ کے پسر

جنت خجل تھی ایسی بہاروں کو دیکھ کر
خم تھا فلک زمیں کے ستاروں کو دیکھ کر

چلّائی شہؑ کو دیکھ کے وہ فوج نابکار
سمجھے کریں گے جنگ شہنشاہِ نامدارؑ
شہؑ نے مگر زبان سے کی حمد کردگار
جنبش ہوئی لبوں کو فصاحت ہوئی نثار

یوں لفظ نکلے شہؑ کے لبِ حق سرشت سے
گویا برس رہے تھے گُلِ تر بہشت سے

فرمایا ہاتھ اُٹھا کے کہ اے ساکنانِ شام
میں ہوں حسین ابن علیؑ خلق کا امام
ماں فاطمہؑ ہے بنتِ رسولِؐ فلک مقام
نانا نبی، حبیبِ خدا، رحمتِ تمام

ہاتھوں کے مصطفیؐ کا سنبھالا ہوا ہوں میں
شاہِ عربؐ کی گود کا پالا ہوا ہوں میں

تم یہ نہ سُوچنا کہ گلہ کر رہا ہوں میں
جو فرض ہے مرا وہ ادا کر رہا ہوں میں
آگاہ مقتضائے خدا کر رہا ہوں میں
بخشش کی خود تمہاری دعا کر رہا ہوں میں

گو بے وطن ہوں خستہ دل و تشنہ کام ہوں
حکم خدا سے پھر بھی تمہارا امام ہوں

مجھ کو نہ خوفِ موت نہ اب خواہش حیات
لیکن میں چاہتا ہوں تمہاری بھی ہو نجات
دنیا بری جگہ ہے پھر اس پر بھی بے ثبات
چمٹے ہوئے ہیں اس سے ذلیل و زبوں صفات

دنیا کی زندگی میں سرا سر گزند ہے
عقبیٰ کی فکر رکھتا ہے جو ہوش مند ہے

دنیا ہی کی ہوس میں گرفتار تم بھی ہو
اس کا نشہ ہی ایسا ہے سرشار تم بھی ہو
زر کے لئے ہی دَرپے آزار تم بھی ہو
ذکر آخرت کا سُننے سے بیزار تم بھی ہو

بے دیں کی رائگاں یہ تمنّا بھی جائے گی
دنیا پہ یوں مروگے تو دنیا بھی جائے گی

مجھ پر ہر ایک ظلم کو رکھا ہے کیوں روا — میں کون ہوں یہ بات بھی سوچی کبھی ذرا
سوچو ہمارے حق میں پیمبرؐ نے کیا کہا؟ — ہم سے الگ نہ ہوگا کبھی مصحفِ خدا

ہم عترتِ رسولؐ ہیں تم جانتے نہیں
حیرت ہے یہ کہ مجھ کو بھی پہچانتے نہیں

تم لوگوں میں یقین ہے کہ کچھ ہوں گے وہ بشر — مجھ کو جنھوں نے دیکھا ہے دوشِ رسولؐ پر
کچھ نے سنا تو ہوگا یقینا یہ بیشتر — سرداریٔ بہشت کی دی تھی مجھے خبر

بس ہو اگر تمہارا تو کہہ دو نہیں نہیں
اپنے رسولؐ کا بھی تمہیں کیا یقیں نہیں

لوگو ڈرو خدا سے محمدؐ سے شرم کھاؤ — مجھ پر جو ظلم کرتے ہو اب اس سے ہاتھ اُٹھاؤ
یہ شب بڑی بزرگ ہے اس میں ستم نہ ڈھاؤ — اپنے خدا سے توبہ کرو روؤ گڑگڑاؤ

سائل بنو اللہ سے رحمت کے واسطے
اس شب کو وقف کردو عبادت کے واسطے

تقریر شاہؑ سن کے لرزنے لگے لعیں — تر ہوگئی عرق سے ندامت کے ہر جبیں
یاد آگئی رسولؐ کی گفتار دل نشیں — سردارِ فوج آئے سوئے بادشاہِ دیں

بولے ہے غور و فکر کی فرصت حضورؑ کو
بے شک ہے آج رات کی مہلت حضورؑ کو

پلٹے سوئے خیام شہ آسماں وقار — آئے ہر سمت کے چاروں طرف سے رفیق و یار
عالی نسب غیور و شریف و وفا شعار — آقاؑ کے ہر اشارے پہ ہوتے تھے جو نثار

گویا بنے تھے نور کے وہ خاک کے نہ تھے
ایسے رفیق تو شہ لولاک کے نہ تھے

بولے ادب سے سر کو جھکا کے وہ باوفا ابن رسول حکم ہمارے لئے ہے کیا
مشکل ہے دیکھنا ہمیں اب رنج آپؑ کا ہو اذن اگر تو جا کے کریں فوج سے وغا
جانوں کی فکر ہے نہ ہے گھر بار کا خیال
اب ہے کوئی خیال تو سرکار کا خیال

بولے یہ مسکرا کے بہ شفقت شہ اممؑ اے دوستو، رفیقو تمہیں جانتے ہیں ہم
سر کی تمہارے اہل وفا کھائیں گے قسم بدنام کوفیوں کا یونہی ہوگا یہ ستم
دونوں طرف جفا و وفا کا کمال ہے
اُن کی مثال ہے نہ تمہاری مثال ہے

لیکن مرے عزیز جوان وضعیف و پیر خواہاں ہے میری جان کا یہ لشکر کثیر
کل جسم پر چلائیں گے میرے سنان و تیر کاٹیں گے وقت عصر مرا حلق یہ شریر
حق مجھ کو بامراد کرے امتحان میں
کل بعد عصر ہوں گا نہ میں اس جہان میں

تم جاؤ اب گھروں کو بہت ہوں میں تم سے شاد میری دعا ہے یہ کہ جیو شاد و با مراد
زندہ رہے جو تم تو رہے گی مری بھی یاد مظلومیٔ حسینؑ کی دے گا جہان داد
بہتر ہے چھوڑو اپنے شہ مشرقینؑ کو
مرکر بھی تم بچا نہ سکو گے حسینؑ کو

گو مجھ کو چھوڑنے میں نہیں شرم کا مقام دیتا ہے اذن جانے کی تم کو تو خود امام
اس بن سے جلد اپنے اٹھاؤ تم اب خیام چاہے جدھر بھی جاؤ یہ شب ہے سیاہ فام

بہتر ہو اُن سے تم جو بُھلا کر اصول کو
چھپ چھپ کے چھوڑ جاتے تھے رن میں رسولؐ کو
پھر بھی میں سوچتا ہوں تمہیں آئے گی حیا   بیعت سے اپنی لو تمہیں آزاد بھی کیا
روشن جو مشعلیں ہیں بُجھا دے کوئی ذرا   اب لو کرو قبول میری آخری دعا
پائی جو صاف صاف اجازت امامؑ کی
سب مشعلیں بُجھا دیں ہوا نے خیام کی
تقریر شاہ سُن کے ہوئے سب جو بے قرار   سینوں میں دم گھٹا تو ہوئی آنکھ اشکبار
کانپے مثالِ بید حبیبِ نحیف و زار   قدموں پہ شہ کے گرنے لگے لوگ بار بار
بے تاب سوزِ شمع سے پروانے ہوگئے
آیا خیال سحر تو دیوانے ہوئے
کی عرض سب نے آپؑ کی فرقت ہے ناگوار   ممکن نہیں ہے موت سے یوں بھی کہیں فرار
ہم لوگ چاہتے ہیں مگر مرگ باوقار   ہجر آپؑ کا کرے گا نہایت ذلیل وخوار
ماہی پہ موت فرض ہے دریا سے چھوٹ کر
بیمار کیا جئیں گے مسیحا سے چھوٹ کر
سرکار سے بچھڑ کے جو ہم آج جائیں گے   کل مرتضیٰ کو حشر میں کیا مُنھ دکھائیں گے
ہم کس طرح رسولؐ سے نظریں ملائیں گے   کس آسرے پہ رحمت حق کو بُلائیں گے
مردود ہی حضور کی الفت سے دور ہیں
جو آپؑ سے ہیں دُور وہ رحمت سے دور ہیں
ہم اور گھروں کا عیش ہو آپؑ اور کربلا   بہنیں ہماری پردے میں زینبؑ ہوں بے ردا
مائیں ہماری خوش ہوں کریں فاطمہؑ بُکا   دنیا میں پھر کہے گا ہمیں کون باوفا

حاضر ہے جاں ارادے کا اظہار کیجئے
اتنا مگر ذلیل نہ سرکارؑ کیجئے

سُن کر یہ بات آنکھ ہوئی شاہؑ کی بھی تر — بولے رہو قریب یہی دل میں ہے اگر
ہوگا جو کربلا میں مجھے اس کی ہے خبر — لیکن ہے شکر یہ کہ ہے جنت تمہارا گھر

عاقل کو عاقبت کی مسرت کا دھیان ہے
دنیا کی زندگی تو فقط امتحان ہے

شب بھر خدا کی یاد میں سب مطمئن رہے — تسبیح اور دعا میں شہؑ انس و جن رہے
پیش خدا جو جانا تھا کل سب کو دن رہے — یادِ خدا میں طفل و جواں و مُسن رہے

شب زندہ دار ماہ بھی رویا تمام رات
کوئی حُسینیوں میں نہ سویا تمام رات

XXX

زندۂ جاوید حسین علیہ السلام

رام پرکاش ادھری ساحرؔ، ایم۔اے

انھیں کا نور ہے دنیا کے کارخانے میں — انھیں کا جلوہ ہے سُورج کے جگمگانے میں
انھیں کے حُسن کا ہے عکس دانے دانے میں — انھیں کے خون کی سُرخی ہے اس فسانے میں

حسینؑ زندۂ جاوید ہیں زمانے میں

یہ ذکر غم ہے کچھ ایسا جو میں سنا نہ سکوں — جگر کا داغ ہے وہ داغ جو دکھا نہ سکوں
وہ دردِ دل میں نہاں ہے جو لب پہ لا نہ سکوں — لگی ہے آگ وہ سینے میں جو بُجھا نہ سکوں

بلا کا سوز ہے مظلوم کے فسانے میں

ہوئے جو دشت بلا میں ادھر حسینؑ شہید   تو بے قرار تھیں زینبؑ اُدھر برائے دید
خوشی میں جھوم رہا تھا امیر شام یزید   یہ مومنوں کا محرّم منافقوں کی عید
جنھیں حیا بھی نہ آئی خوشی منانے میں

خدا سے دولت و زر مانگ لعل و گوہر مانگ   نگین و خاتم و تاج و کلاہ و کشور مانگ
جو تشنہ لب ہے تو لاریب آب کوثر مانگ   مگر یہ شرط ہے نام حسینؑ لے کر مانگ
کمی نہیں ہے کسی شے کی اس خزانے میں

XXX

ایک جدید مرثیہ کے چند بند

نتیجۂ فکر بلند للتا پرشاد میرٹھی۔ کوٹہ، راجستھان

میدانِ کربلا میں بڑی دھوم دھام ہے   یہ آمد آمدِ شہِ عالیؑ مقام ہے
بن آئی، جان دینے کا سب اہتمام ہے   شوق عروس مرگ کا دل میں قیام ہے
دریا رواں ہے زور سے ہر چند پاس میں
پھر بھی حسینؑ تڑپیں گے ہیہات پیاس میں

یہ اہل بیتؑ ہیں، یہی اہل کتاب ہیں   سبطِ رسوؐل ہیں، پسرِ بوترابؑ ہیں
یہ باعثِ نجات ہیں، عالی جناب ہیں   ہیں شاہِ کائناتؑ، امامت مآب ہیں
وحدانیت کا ساتھ میں پیغام لائے ہیں
دنیا کو راہ راست دکھانے یہ آئے ہیں

اسلام کے چمن کی شگفتہ ہیں یہ کلی   مقبول حق تعالیٰ ہیں، پیدائشی ولی
وہ بات ہے پسند جو دنیا کو ہو بھلی   دِل میں خدا خدا ہے، زباں پر علیؑ علیؑ

بغض و ریا و کینہ سے ہر وقت صاف ہیں
بیعت ہیں جتنے، اُن کے گنہ بھی معاف ہیں

مثلِ حسینؑ کون ہے شیدائے کبریا یہ ہیں فدا خدا پہ، خدا ان پہ ہے فدا
واللہ دَو سَرا میں نہیں کوئی دوسرا دل بند مصطفیؐ ہیں، جگر بندِ مرتضیٰؑ
صبر و رضا کی جان، امامت کی شان ہیں
دنیا کی سَر زمین کے یہ آسمان ہیں

واقف ہیں سب کہ باغِ رسالت کے پھول ہیں محبوبِ حق ہیں، سبطِ جناب رسولؐ ہیں
ذی فہم و با کمال ہیں، یہ بااُصول ہیں ہیں روشنی علیؑ کی، چراغِ بتولؑ ہیں
بوئے نبیؐ ہے، خوئے علیؑ ہے، حسینؑ میں
اک شان ہے خدا کی شہ مشرقین میں

معصوم ابن ساقیٔ کوثر یہی تو ہیں زہراؑ کا نور، سبطِ پیمبرؐ یہی تو ہیں
لاریب آج وارثِ حیدرؑ یہی تو ہیں ہاں راہِ مستقیم کے رہبر یہی تو ہیں
جو فکر میں ہیں یومِ قیامت کے واسطے
وہ دست بستہ آتے ہیں بیعت کے واسطے

قرآن اور حسینؑ میں یکساں ہے برتری حقانیت سے دونوں ہی ہستی ہری بھری
دونوں ہیں شان قدرت و نور پیمبری کیا خوب لکھ گیا ہے سخن سنج کوثری
قرآن اور حسینؑ کی یوں ایک شان ہے
دُو آنکھیں، اِک نگاہ، دُو لب، اک بیان ہے

دونوں خدائے پاک کے نقش و نگار ہیں اسلام کا عروج ہیں، عزّو وقار ہیں
قدرت سے حرف دونوں میں کل چار چار ہیں دو اِن میں بےنقط ہیں تو دو نقط دار ہیں
اُس میں اگر "الف" ہے تو اِس میں ہے "یا" ضرور
آغاز و اختتام کا دونوں میں ہے ظہور

دونوں میں پہلے پیش زبردست بات ہے ہوں گے کسی سے زیر نہ ہرگز، یہ گھات ہے
آخر میں ''نون'' دونوں کی راہِ نجات ہے نادر نبیؐ کے ساتھ ولی التفات ہے
قرآن و اہل بیتؑ کا ہے ساتھ حشر تک
اہل نظر کو آئی نظر نور کی جھلک

قرآن تھا زباں پہ تو شبیرؑ دوش پر دونوں کو فخر و ناز رسولؐ خموش پر
ہاں جن دلوں میں کُفر تھا جوش وخروش پر تالے لگے ہوئے تھے وہاں عقل وہوش پر
وہ سمجھے، جن پہ رحمت پروردگار تھی
سچ تو یہ ہے کہ قدرت حق خود نثار تھی

بیمار کو داؤں میں تاثیر چاہئے سب کو رہِ نجات میں ایک پیر چاہئے
بہرِ کلامِ حق کوئی تفسیر چاہئے قرآن کے بیان کو شبیرؑ چاہئے
یہ دونوں ساتھ ساتھ ہی کوثر پہ جائیں گے
مقبول راہِ گلشن رضواں بنائیں گے

غمگین و بے قرار ہیں سبطِ رسولؐ آج مثل ہلال ہوگئے، بدرِ بتولؑ آج
ہیں آسمان پر بھی فرشتے ملول آج مُرجھا نہ جائے گلشن احمدؐ کا پھول آج
کشتی نہ ڈوب جائے یہ آلِ رسولؐ کی
بُجھ جائے روشنی نہ چراغِ بتولؑ کی

کیوں کر نہ مضطرب ہوں ارم میں رسولؐ آج جنت میں کیوں نہ روئیں تڑپ کر بتولؑ آج
پژمُردہ ہوں گے باغِ رسالت کے پھول آج مرجائیں، پھر بھی پانی نہ ہوگا حصول آج
ظلم و ستم کی ہائے یہ کیسی مثال ہے
دِل سوز انقلاب عروج و زوال ہے

XXX

سرفراز نمبر ۱۹۵۴

سلام

سلطان الشہدا امام معصوم شاہ دوسرا جناب حسین ابن علیؑ

پروفیسر ہیرالال چوپڑہ، ایم۔اے، کلکتہ یونیورسٹی شیفتۂ خاک کربلا

شہید صبر و قتیل و رضا سلام علیک سلام تجھ پہ شہِؑ دوسرا سلام علیک

تمام دہر کے مشکل کشا سلام علیک سوار شانۂ خیرالوراؐ سلام علیک

امام پاک تجھے بارہا سلام علیک

سلام نعرہ زن لاالہٰ سلام علیک سلام دین کی شمع ہدیٰ سلام علیک

سلام نور دل مصطفیٰؐ سلام علیک سلام شاہ رہ کبریا سلام علیک

نفس نفس تجھے صبح و مسا سلام علیک

تو فخر آل نبیؐ افتخار دیں مبیں جہاں میں کونسی خوبی ہے وہ جو تجھ میں نہیں

رسولؐ پاک کے دین مبین کا تو ہے امیں فلک گزینوں کا مامن پناہ اہل زمیں

فدا ہیں تجھ پہ یہ ارض و سما سلام علیک

شہید ابن شہید اے امامؑ ابن بتولؑ امانت نبویؐ تم تھے یادگار رسولؐ

چڑھائے راہ خدا میں ہیں اہلبیتؑ کے پھول ازل سے اُنکی ہے معصومیت کو شرف قبول

ان اہلبیتؑ کی اے خاک پا سلام علیک

بنائے لاالہٰ رکھی جو سہہ کے ظلم وستم لہو سے سینچ کے اسلام کو کیا قائم

کیا وہ کام کہ حیراں ہے جس پہ کل عالم مثال تیری نہیں آج تک خدا کی قسم

ہے نقش پا پہ ترے جاں فدا سلام علیک

بِنائے دین کے ہو معمار تم بنوع دگر بقائے دین محمدؐ کو تو نے دی مر کر

ہے آج رشک کناں تجھ پہ داورِ محشر سلام تجھ پہ ہو اے ابن فاتح خیبر

چراغ چشم و دلِ فاطمہؑ، سلام علیک

کیا ہے دہر میں انسانیت کا تو نے قیام　　تجھی سے حق و صداقت تجھی سے عدل کا نام

پس از رسولؐ تو ہی تو ہے بانی اسلام　　سلام تجھ پہ شہنشاہؑ بار بار سلام

سلام راحت خیرالنساؑ سلام علیک

بناء صبر و رضا تو نے ایسی آ کے رکھی　　مثال اس کی نہ ہے، ہوگی آج تک نہ ہوئی

شہید کربلاؑ تجھ کو تھی فکر امت کی　　اسی لئے یہ شہادت تھی اور تشنہ لبی

شہید تشنگیٔ کربلا سلام علیک

XXX

فیضان شہادت

برج لال جگی رعنؔا دہلوی

مہر و مہ ہر صبح و شام آتے تو تھے　　روشنی کے پھول برساتے تو تھے

وقت پر فضلِ بہار آتی تو تھی　　رحمت پروردگار آتی تو تھی

گاہے گاہے ابر چھا جاتا تو تھا　　تشنہ کاموں کو قرار آتا تو تھا

خاک سے پیدا چمن ہوتے تو تھے　　نرگس و سرو و سمن ہوتے تو تھے

سبز کھیتوں سے خوشی مِلتی تو تھی　　اک شگفتہ زندگی مِلتی تو تھی

مائلِ لطف و کرم فطرت تو تھی　　رحمتِ حق شامِل قسمت تو تھی

باوجود اس کے مگر حیران تھا

کش مکش میں مبتلا انسان تھا

اس کی ہستی نا مکمل تھی ابھی　　ناشگفتہ تھی ابھی دل کی کلی

اسکے ارماں، بے کماں کے تیرے تھے — خواب تھے اس کے جو بے تعبیر تھے
اس کے اندر تھی کسی شے کی کمی — ساز میں جیسے کسی لے کی کمی
اس کی فطرت تھی محبت کے بغیر — اک کلی تھی رنگ و نکہت کے بغیر
دل میں ہمدردی کا جذبہ ہی نہ تھا — زندگی میں کوئی شعلہ ہی نہ تھا
تھی فقط اپنی غرض پر ہست و بود — ان کی نظروں میں تھا صرف اپنا وجود
اس کو قربانی سے نسبت ہی نہ تھی — زندگی سے واقفیت ہی نہ تھی
آدمی تھا آدمیت کے بغیر — قوم تھی قومی حمّیت کے بغیر

تھا ابھی اک کش مکش میں آدمی
اک دو راہے پر کھڑی تھی زندگی

ناگہاں قدرت نے پھینکا ایک تیر — کانپ اٹھا مُجرم زمانے کا ضمیر
حق و باطل میں لڑائی ٹھن گئی — کربلا کی خاک محشر بن گئی
شور اٹھا، غم کی ساعت آگئی — وقت سے پہلے قیامت آگئی
اک طرف تھے چند مردانِ خدا — اک طرف تھے ان گِنت اہل جفا
اک طرف کچھ کشتیاں، بے بادباں — اک طرف دریاؤں کی طغیانیاں
ایک جانب چند نخلِ گل فشاں — ایک جانب آندھیوں پر آندھیاں
اک طرف چھائی ہوئی شدت کی پیاس — اک طرف دریا پہ ڈیرے، آس پاس
اک طرف تائیدِ حق کا عزم تھا — اک طرف باطل چراغ بزم تھا

حق نے باطل کو بالآخر دی شکست
اوج نے آخر کیا پستی کو پست

رنگ یہ لایا شہیدوں کا لہو — ہو گئی تقدیر عالم سُرخرو

آدمی کو آدمیت مِل گئی — گم ازل سے تھی جو فطرت مل گئی
آدمی سانچے میں ڈھل کر رہ گیا — زندگی کا رُخ بدل کر رہ گیا
یہ فقط تیری شہادت تھی حسینؑ — جس نے بخشا ہے دل دُنیا کو چین

جس نے پھر انساں کو انساں کردیا
شمعِ کشتہ کو فروزاں کردیا

XXX

وہ نماز عصر جو روز عاشور کربلا کے

معرکۂ حق و باطل میں ادا ہوئی

شری جگناتھ آزاد کی ایک معرکۃ آلارا نظم

میری نوا میں سوزِ کہن رونما ہے آج — در پیش نغمگی کو عجب معرکہ ہے آج
دنیائے دل میں اک قیامت بپا ہے آج — میری زباں پہ تذکرۂ کربلا ہے آج

چھیڑا ہے دل نے آج شہادت کا تذکرہ
بے مثل و بے عدیل عبادت کا تذکرہ

لو چل رہی ہے نام کو سایہ کہیں نہیں — حدّت وہ ہے کہ وقت کی سانسیں ہیں آتشیں
آنکھیں اٹھا کے دیکھ ذرا اے دلِ حزیں — گردوں تنور ہے کرۂ نار ہے، زمیں

اک شعلہ زار ہے کہ ہے میدان کربلا
اک آگ ہے کہ ریگ بیابانِ کربلا

طوفاں بپا ہے گرم ہے میدانِ کارزار — ہے قاتلوں سے محوِ وغا ایک شہ سوار
ابلیسیت اُدھر، اِدھر انسان کا وقار — تنہا حسینؑ اور یزیدی کئی ہزار

اے گردشِ زمانہ ٹھہر جا ذرا یہیں
ایسی مثال پھر نہ ملے گی تجھے کہیں

وہ سامنے غنیم کی فوجیں ہیں دجلہ پار — ہیں اس طرف اکیلے حسینؑ اسپ پر سوار
دامن پہ ہے غبار گریباں ہے تار تار — کانٹوں میں جیسے پھول ہو یوں ہے وہ نامدار

آزاد نوکِ خار کی زد پر ہے پھول دیکھ
ہاں دیکھ انقلابِ جہاں کا اصول دیکھ

اب ہیں نمازِ عصر کی ساعات بھی قریب — دن ڈھل چکا ہے شام کے لمحات بھی قریب
اے دوپہر کی دھوپ بس اب رات بھی قریب — جس بات کا ہے ذکر وہ ہے بات بھی قریب

گھوڑے سے گر چکے ہیں شہ مشرقینؑ اب
سجدے میں سر جھکائے ہوئے ہیں حسینؑ اب

دیکھ اے نگاہ دیکھ یہ منظر جگر خراش — تابِ نظر کہاں کہ کلیجہ ہے پاش پاش
فریاد سے فضاؤں میں پیدا ہے ارتعاش — کیا اے فلک تجھے بھی ہے اس وقت کی تلاش

دستِ قضا کو صبر ذرا بھی نہ ہو سکے
اور عصر کا فریضہ ادا بھی نہ ہو سکے

وہ ہاتھ اُٹھا لعین کا شمشیر تول کر — بھرپور وار جسم اِدھر اور سر اُدھر
اے بے سواد رازِ حقیقت سے بے خبر — سجدہ یہی ہے سجدۂ معبود کم نظر

بے مثل بے عدیل شہادت یہی تو ہے
کہتے ہیں جس کو اصل عبادت یہی تو ہے

※ ※ ※

نقوش جمال (ماخوذ من)

باوا کرشن گوپال مغموم

خوبیٔ قسمت سے لب پر آج ہے نام حسینؑ
تن بدن میں خوں کوگر ما تا ہے پیغام حسینؑ
زندگی تھی مر د اعظم کی جہا د مستقل
قوت با طل کو زک دینا رہا مقصود دل
ہر مسرت ہرخو شی پر موت کو تر جیح دی
کی نہ بیعت زندگی پر مو ت کو تر جیح دی
گو د کھائے دشمن ایماں نے لاکھوں سبز با غ
گل نہ لیکن ہو سکا اسلام کا روشن چرا غ
چپّے چپّے پر جفا کاروں کو گو تھا سامنا
اور خوں آشام تلواروں کا گو تھا سامنا
دشمن جاں چار سو تھے زندگی کی گھات میں
گھر گئی تھی زندگی گو ورطۂ آفات میں
نام کو بھی عزم راسخ میں نہ جنبش ہو سکی
جذبہ آزاد کی مطلق نہ بندش ہو سکی
زندگی بھر شیو ہ ایماں رہا پیش نظر
جا نکنی کے وقت بھی قرآں رہا پیش نظر
جان دے کر کر بلا کا معرکہ سر کر لیا

ہو گئی طے ہر مہم ہر مر حلہ سر کر لیا
ہے چرِ اغ جا دہ ایماں یہ ایثار عظیم
ہے قبول خالق دوراں یہ ایثا ر عظیم
ذات عالی سے تھیں وابستہ روایات کہن
شامل کردار ارفع تھا بزرگوں کا چلن
کیوں نہ اے مغموم ! کچھ ہم کو بھی کرنا چاہئے
کیوں نہ بن کر بندہ مظلوم مر نا چاہئے
کچھ ہمیں اس ہستیٔ ممتاز سے نسبت بھی ہے ؟
ہم میں وہ ایثار کا جذبہ بھی وہ غیرت بھی ہے ؟
لے بھی سکتا ہے کچھ اس خو نیں روایت کا اثر
ہے بھی تیرے دل میں کچھ درس و ہدایت کا اثر
شعلہ غیرت سے گر می خون میں آتی بھی ہے ؟
آن پر مر نے کی تجھ کو کچھ ادا بھا تی بھی ہے ؟
کیابدی کااور بد کردار کا دشمن بھی ہے ؟
فطرتاً کیا نفس نا ہنجا ر کا دشمن بھی ہے ؟
دل میں دی بھی ہے جگہ ایماں کے نور پا ک کو
کیا سمجھتا ہے وقار فطرت بے باک کو
بیچ توڈالانہیں تو نے کہیں اپنا ضمیر
تجھ پہ غالب تو نہیں ہے خواہش دنیا ئے پیر؟
اپنے ہمسایوں سے تو لڑتا جھگڑتا تو نہیں ؟

نقش نیکی کا کہیں تجھ سے بگڑتا تو نہیں ؟
صدق دل سے جذبہ اخلا ص کا قائل تو ہے ؟
طالب امداد کی امداد پر مائل تو ہے
اب بھی کچھ احساس حفظ وضع داری تجھ میں ہے ؟
اپنے آباء کا مذاق جاں نثاری تجھ میں ہے
امر حق پر جان کی با زی لگا دیتا ہے کیا؟
دین وایماں کو تبا ہی سے بچا لیتا ہے کیا؟
راہ حق کی مشکلیں تجھ کو ڈرا تی تو نہیں ؟
گر دش ایام دل تیرا بٹھا تی تو نہیں
نسل درنگ و خوں کے جھگڑوں میں الجھتا تو نہیں ؟
دوسرون کو آپ سے کمتر سمجھتا تو نہیں ؟
دل میں کیا با قی ہے وہ پہلا جہاں با نی کا شوق ؟
تشنہ لب ہو نٹوں کو ہے کیا تیغ کے پانی کا شوق ؟
کیا سرِشوریدہ میں جمہوریت کا ہے جنوں ؟
کیا مچل اٹھتی ہے دل میں آتش سو ز دروں ؟
رزم میں کیا منہ پہ تلوار یں بھی کھا سکتا ہے تو ؟
ننگ و نا مو س وطن کا باراٹھا سکتا ہے تو ؟
کیا ارادوں میں ترے کہسار کی رفعت بھی ہے ؟
کیا نگا ہوں میں تری وسعت سی کچھ وسعت بھی ہے ؟
کیا ترے پہلو میں دل ہے اور دل میں درد ہے ؟

کیا حسینؑ ابن کی طرح تو بھی مر د ہے ؟
اور اگر ان خو بیوں کو تو نے اپنا یا نہیں
قدر کے لائق تیری ہستی کا سر مایا نہیں
تجھ میں تو فیق عمل پیدا اگر ہو جائے گی
کیسی ہی صبر آزما مشکل ہو سر ہو جائے گی
ما ئل پیکار رکھے اک نہ اک عزم بلند
چو م لے گا آگے تیرے پاؤں بخت ارجمند
درس آموز جہان ہے اب بھی تعلیم حسینؑ
راہ حق پر ہم چلیں تو ہو گی تعظیم حسینؑ

XXX

سلام

جموں میں ۵/اپریل ۱۹۸۱ کو ''جشن سیمین حسینؑ'' پر طرحی مشاعرہ تھا
تقریب سعید میں شامل نہ ہو سکا۔ سلام کہہ لیا تھا اور ایک رباعی بھی ہے۔ مغمومؔ

حسینؑ ابن علی کی ہم کو حا صل رہنمائی ہے
اسی کے فیض سے ہم پر اصولوں کی خدائی ہے
کوئی دیکھے کر شمہ یہ مرے حسن عقیدت کا
در شبیرؑ والاشان تک میری رسائی ہے
ہو ئیں صدیاں مگر اس کی شہا دت کے نتیجے میں
وہی ہے اس کی عظمت اور وہی اس کی بڑائی ہے

اسی کی فیض بخشی حق پرستی ، حق نوائی سے
ہر اک مرد خدامیں حق پرستی حق نوائی ہے
جہا ن دیں وایماں کو کسی طو فاں سے کیا خطر ہ
اسی مر د مجا ہد کی ابھی تک نا خدائی ہے
حقیقت سی حقیقت ہے کہ ہر اک مر د مو من میں
اسی کا زہد و تقویٰ ہے اسی کی پا رسائی ہے
ادھر دیکھو ادھر دیکھو یہاں دیکھو وہاں دیکھو
" جدھر دیکھو ادھر شبیرؑ کی فر ماں روائی ہے
ترے بند ے ہیں اب بیگا نہ اقدار انسانی
بچا لے یا حسینؑ ! ان کو دہائی ہے دہائی ہے
مجھے مغموم کتنا فخرہے اپنے مقدر پر
سعادت مدحت شبیرؑ کی میں نے بھی پائی ہے

XXX

رباعی

مسعود ومبارک ہو یہ جشن سیمیں
ہوں ذکر حسینؑ سے فضائیں نوریں
اس بزم کا چرچا ہے ملائک میں بھی
اللہ رے یہ بزم تقد س کا آئیں

XXX

سلام

از نتیجۂ فکر عالیجناب ہز ایکسلینسی مہاراجہ یمین السلطنت سر کرشن پرشاد شاد صوفی

جی۔سی ایس۔آئی جی سی آئی ای، صدر اعظم باب حکومت دولت آصفیہ دکن

حسینؑ ابن علی ہیں فرد یکتا

کوئی مظلوم ایسا تھا نہ ہو گا

دیا سر آپ نے راہ خدا میں

کیا دین نبی کو دین اپنا

کیا خود کو نثار اور سارے گھر کو

نہیں ایسا فدائی دین حق کا

جگر بند علیؑ و فاطمہؑ ہے

رسولؐ اللہ کا پیارا نواسہ

نئی دعوت نئی مہماں نوازی

نئی کی میزبانی یا خدا

کیا آل نبیؐ کو قتل صد حیف

مسلمانوں کیا یہ ظلم کیسا

ولائے سبط پیغمبرؐ ہے نعمت

یہ نعمت ہو عطا ہر اک کو مولیٰ

ہزاروں عرضیاں لکھ لکھ کیے بھیجیں

دغا سے شہؑ کو اپنے گھر بلایا

رکھا پھر تشنہ لب دو تین دن تک

کیا پھر ذبح سب کو بھو پیا سا

کیا پامال باغ مصطفیؐ کو

ہوا صرف خزاں گلزار زہراؑ

کہاصغریٰ نے رو کر وقت رخصت

میرے بابا مجھے چھوڑو نہ تنہا

علیؑ اصغرہوئے جب گود میں قتل

ہوا خیمہ میں شہ کے حشر بر پا

گلے پر چل گئی تیغ جفا کار

کیا شبیرؑ نے جس وقت سجدہ

ہمیشہ کی مری عقدہ کشائی

معاون شاؔد کے ہیں آپ مولیٰ

XXX

امام حسینؑ کو ہندو شعراء کا خراج عقیدت

مولانا عترت حسین ممتاز الافاضل، واعظ

حسینؑ ابن علیؑ کی ذات محتاج تعارف نہیں ہے کربلا کا واقعہ بے مثل و بے نظیر ہے امام حسینؑ نے صرف مسلمانوں پر احسان نہیں کیا بلکہ جب انسانیت دم توڑ رہی تھی آپ نے اس کو حیات عطا کر دی یہی وجہ ہے کہ آج دنیا کی ہر قوم حسینؑ ابن علیؑ کو خراج تحسین پیش کر رہی ہے۔ اس مختصر مضمون میں چند ہندو شعرا کے کلام کو پیش کی اجا رہا ہے۔

کرشن بہاری نور لکھنوی فرماتے ہیں:

تجھ سے ایمان ہے ایمان کا حاصل تو ہے
انبیا جس پہ پہنچے ہیں وہ منزل تو ہے
مرکزیت تجھے کس طرح نہ حاصل ہو حسینؑ
ساری دنیا کی تڑپ جس میں ہوے وہ دل تو ہے

پنڈت لچھمن پرشاد شکارپوری امام حسینؑ کو اس انداز میں خراج تحسین پیش کرتے ہیں:

رسوا بھی ہوں اک طور سے شیدائی بھی
پنڈت بھی ہوں مولا کا تمنائی بھی
ہے حق و صداقت میرا مسلک لچھمن
ہندو بھی ہوں شبیر کا شیدائی بھی

رسول خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مشہور حدیث ہے **حسین منی و انا من الحسین** (حسین مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔) حسین دین و اسلام کو بچانے والے ہیں حسینؑ دین کی بنیاد ہیں ڈاکٹر شیو پرتاپ سنگھ کشل لکھنوی کہتے ہیں:

توحید کی روداد حسینؑ ابن علی ہیں
انعام خدا داد حسینؑ ابن علی ہیں
سر دے دیا حق کو نہ مگر ہاتھ سے چھوڑا
اسلام کی بنیاد حسینؑ ابن علی ہیں

یقینا آج قربانی حسین کا تذکرہ ہر شخص اپنے اپنے انداز میں مناتا ہے اور غم حسینؑ کا تذکرہ سب کرتے ہیں۔ محترم کرشن کمار لکھنوی کہتے ہیں:

شبیر تمہاری منزل کو جو دل کی نظر تھی جان گئی
ہر قوم میں یہ غم پھیل گیا اور دنیا لوہا مان گئی

پنڈت ایشری پرساد دہلوی جو تخلص بھی پنڈت رکھتے تھے بہت اشعار امام حسینؑ کی مدح میں کہتے ہیں۔ یہاں بطور نمونہ فقط دو شعر پیش خدمت ہیں:

آنسو کے متعلق فرماتے ہیں

نکلیں جو غم شہ میں وہ آنسو اچھے
برہم ہو جو اس غم میں ہو گیسو اچھے

وہ مسلمان جو دل میں محبت حسینؑ نہیں رکھتے ان کو متوجہ کرتے ہوئے کہتے ہیں

رکھتے ہیں جو حسینؑ سے کاوش پنڈت
ایسے تو مسلمانوں سے ہندو اچھے

(ماہنامہ اسد، لکھنؤ ۵ / اپریل ۱۹۳۵

مشہور ومعروف شاعرہ محترمہ روپ کنواری صاحبہ اکبرآبادی امام حسینؑ کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کرتی ہیں:

وہ آخری ترا فدیہ جو یاد آتا ہے
حسینؑ دل میرا ہاتھوں سے نکلا جاتا ہے

خبر لو جلد شہ کربلا دوہائی ہے
تمہارے بچے کو جھولے میں نیند آئی ہے
(کتاب بادہ عرفاں)

لالہ نانک چند نانک لکھنوی کے مندرجہ ذیل اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ اس در سے جس نے جو مانگا اس کو ملتا ہے اسی لیے وہ بھی در حسینؑ سے طلب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

میخانہ حسینؑ سے ہم کو ملے شراب
صبر و شکیب شاہ شہیداں کی فکر ہے
دم بھر کے جام بادہ تسلیم ساقیا
نذرِ قتیل خنجر براں کی فکر ہے
(بزم ناصری)

راج کشور صاحب احقر جائسی مظلوم کربلا کی خدمت میں نذرانہ عقیدت اس طرح پیش کرتے ہیں

تھک گیا دیر و کلیسا میں تجسس کر کے
پیشوا کوئی نہ شبیر کا ہمسر نکلا
واہ رے حر جری واہ تیرا کیا کہنا
نصرت شہ میں عزیزوں کے برابر نکلا
(ماہنامہ سرفراز لکھنؤ)

ہزاروں ہندو شعراء صف عقیدت میں کھڑے رہتے ہیں تا کہ خدمت امام میں نذرانہ عقیدت پیش کریں، حسینؑ کسی ایک مذہب سے مخصوص نہیں مسلمان کے ہمراہ نصاریٰ و یہودی ہندو سب کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ حسینؑ ہمارا ہے یہ ہندو ہی ہیں جو سینہ پر ہاتھ رکھ کہتے ہیں:

خدا کا شکر ہے ہم ہندوؤں میں
کوئی شبیرؑ کا قاتل نہیں ہے

جوش ملیح آبادی نے سچ ہی کہا تھا:

انسان کو بیدار تو ہو لینے دو
ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؑ

آج ہم دنیا کے گوشہ گوشہ میں اس بات کو دیکھتے ہیں کہ ہر مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والا اپنے اپنے انداز میں امام عالی مقام کی خدمت میں نذرانہ عقیدت پیش کر رہا ہے۔ منشی گردھر سہائے محمود آبادی فرماتے ہیں:

گر کوئی مغرور نقش پائے سرور دیکھتا
نعمت کو نین کو مٹی سے کمتر دیکھتا
یاحسینؑ اسلام کی بس لاج رکھ لی آپ نے
ختم ورنہ نعرہ اللہ اکبر دیکھتا

(مسالمہ بزم ادب محمود آباد لکھنؤ ۵ /مارچ ۴۰)

حکیم چھنومل صاحب نافذؔ محبت حسینؑ کی قدر و قیمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں

مجرئی دل صاف کر شہ کی محبت کے لیے
خوب سودا ہے یہ بازار قیامت کے لیے
میں یہ سمجھوں مل گئی مجھ کو جگہ فردوس کی
کربلا میں گر زمیں مل جائے تربت کے لیے
پرسش اعمال کی نافذؔ تجھے کیا فکر ہے
جب شہ دیں ہیں تیرے سر پر شفاعت کے لیے

☓☓☓

سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام

بھارت کے غیر مسلم ہندو شعرا کا خراجِ عقیدت

جے سنگھ

ہے آج بھی زمانے میں چرچا حسینؑ کا
چلتا ہے ساری دنیا میں سکّہ حسینؑ کا
بھارت میں گروہ آتا تو بھگوان کہتے ہم
ہر ہندو نام پوجا میں جپتا حسینؑ کا
مذہب کی قید ہی نہیں ذکرِ حسینؑ میں
ہر حق پرست ہوگیا شیدا حسینؑ کا
اہلِ وفا تو پڑھتے ہیں کلمہ رسولؐ کا
ہم ہندوؤں نے پڑھ لیا کلمہ حسینؑ کا
ہم باغیوں کے سامنے حُر کی مثال ہے
چمکاتا ہے نصیب اشارہ حسینؑ کا
ظلمت کی طرح مٹ گیا دنیا سے تو یزید
لیکن دلوں پہ آج ہے قبضہ حسینؑ کا
اس میں نہیں کلام کہ ہم بت پرست ہیں
پلکوں سے اپنی چومیں گے روضہ حسینؑ کا
جے سنگھ پناہ مانگے گی مجھ سے نرک کی آگ
میں ہندو ہوں مگر ہوں میں شیدا حسینؑ کا

✕✕✕

فراق، موہن کمار

موہن کمار لکھنؤ کے اچھے شاعروں میں ہیں۔ جعفر حسین خاں جونپوری نے اپنی کتاب میں ان کا نام شامل کیا ہے۔ ''مرثیہ نگارانِ اردو'' میں ان کا ایک سلام ملتا ہے انہوں نے مسدس بھی کہا ہے لیکن وہ دستیاب نہیں ہوسکا۔

جلوۂ حسینؑ

چھایا ہے دو جہاں میں اُجالا حسینؑ کا
ہر گھر میں ہوتا رہتا ہے چرچا حسینؑ کا
کیوں کر نہ محوِ دید ہو فطرت کی یہ نگاہ
قدرت کے آئینے میں ہے جلوہ حسینؑ کا
آخر کو جور و ظلم فنا ہو کے رہ گئے
بدلا کسی طرح نہ ارادہ حسینؑ کا
ان کے ہی در پہ جھکتی ہے کونین کی جبیں
اتنا بلند ہو گیا سجدہ حسینؑ کا
دنیائے عقل جتنا بھی سمجھی ہے آج تک
اس سے بہت بلند ہے رتبہ حسینؑ کا

xxx

فراق، مدن کمار

واقعاتِ کربلا رو کر سناتے جائیں گے
ہوکے ہندو تعزیہ سر پر اٹھاتے جائیں گے

کربلا والو تمہارے سرکی کھاتے ہیں قسم
یہ مٹاتے جائیں گے اور ہم بناتے جائیں گے

XXX

سرّیؔ

سری کا زمانہ 1750ء کے قریب تسلیم کیا جاتا ہے۔ان کا پورا نام اور حالات دستیاب نہیں ہیں۔

ماہ محرم گہن پرن کا شور ہوا سب غم کا
جگ میں غم پر کٹ ہوا یا ہانک پڑا ماتم کا
کنج حقی سیوں شہ کے غم کے آگ لگی ہے جگ میں
تن میں دل انگار ہے سلگا بادل کا یکدم کا
ندا الست بربکم سن قالو بلا کہے سو
وہی بلا کربل میں آیا بالا شہ اکرم کا
من رانی نقدر بہ الحق سن سروں سوں دلکے
سرّیؔ اب کیا پھر تم پوچھے معنی اسمِ اعظم کا

XXX

بانی، راجیند رمنچندا

نئی غزل کا طرح دار تازہ گو شاعر بانی نومبر ۱۹۳۲ء میں ملتان میں پیدا ہوئے۔تقسیم ملک کے بعد دہلی چلے گئے۔معروف محقق گوپی چندر نارنگ نے لکھا ہے کہ ’’بانی کی شاعری محبت کی جسمانیت یا اس کے جذباتی رومانیوی پہلو سے بڑی حد تک پہلوتہی کرتی ہے۔نئی غزل کے شعراء میں شاید ہی کوئی دوسرا شاعر ہو جس نے جسم وجاں کے تذکرے اور حواس کی تھرتھراہٹوں سے اس حد تک صرف نظر کیا ہو۔اور اس کے باوجود اپنی غزل کو نگاہوں کا مرکز بنالیا ہو۔بانی صحیح معنوں میں

غزل نوکلاسیکی شاعر ہیں۔

بانی نے معاشیات میں ایم۔اے کیا تھا۔جب تک صحت قایم رہی وہ ایک معمولی اسکول میں مدرس رہے۔کئی برس تک گٹھیا اور گردوں کی تکلیف میں مبتلا رہے۔با آخر ۱۱؍اکتوبر ۱۹۸۱ء کی شب دہلی کے اسپتال میں انتقال کر گئے۔اس وقت ان کی عمر صرف ۴۹ برس کی تھی۔بڑے صابر شخص تھے۔

بانی کا پہلا مجموعہ ''حرف معتبر'' ۱۹۷۲ء میں اور دوسرا مجموعہ ''حساب رنگ'' ۱۹۷۶ء میں شایع ہوا۔تیسرا مجموعہ شعری ''شفق شجر'' ۱۹۸۲ء میں ان کے گذر جانے کے بعد دہلی سے منظر عام پر آیا۔

شہؑ کہتے تھے صف شکنی سے اصلا نہیں ڈرتا
بازو میں مرے زور ہے خیبر شکنی کا
زہراؑ کا کلیجہ ہوں دل شیر خداؑ ہوں
سید ہوں نواسہ ہوں رسول مدنیؐ کا
اشک اپنے کہیں سرخ ہیں یاد شہدا میں
پھیکا ہے بہت رنگ عقیق یمنی کا

⌘⌘⌘

ڈاکٹر دھرمیندر ناتھ

ڈاکٹر دھرمیندر ناتھ ۲۴؍اپریل ۱۹۳۴ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ڈاکٹر موصوف معروف استاد گوپی ناتھ امن لکھنوی کے صاحب زادے اور استاد شاعر گرسرن ادیب لکھنوی کے بھتیجے ہیں۔ابتدائی تعلیم جامعہ ملیہ دہلی میں حاصل کی۔پھر ایم۔اے۔اور پی ایچ ڈی کی اسناد حاصل کیں۔ان کا خاندان علم دوست بھی تھا اور اردو زبان وادب کا شیدائی بھی۔ہندی ان کی زبان تھی۔فرانسیسی،

فارسی ار پشتو بھی پڑھیں اور اپنے مطالعہ کو وسعت دی۔

ڈاکٹر دھرمیندر ناتھ کے والد تحریک آزادی ہند کے سرگرم سپاہی رہے۔سوانہوں نے بھی یو نیورسٹی کے شعبہ سیاسیات میں ریڈر کی حیثیت سے ذمہ داریاں نبھاتے ہوئے تحریک آزادی میں شامل رہے۔اس کے ساتھ ساتھ فنون لطیفہ میں بھی دلچسپی برقرار رکھی۔صحافت سے بھی متعلق رہے۔ان کی مختلف النوع خدمات کے اعتراف میں ہندوستانی حکومت نے پدم بھوشن کے اعزاز سے نوازا۔

ڈاکٹر دھرمیندر ناتھ شاعری کا صاف ستھرا ذوق رکھتے ہیں۔یہ ان کا ورثہ بھی ہے۔ان کے والد اور چچا کے علاوہ ان کے دادا مہادیو پرشاد بھی شاعر تھے اور عاصی لکھنوی کے تخلص سے پہچانے جاتے تھے۔ڈاکٹر دھرمیندر ناتھ نے شاعری کا آغاز نعت و منقبت و سلام و قصاید سے کیا۔اپنی اس عقیدت کا اظہار انہوں نے یوں کیا ہے:

میں ہوں ایک بندۂ احقر مگر یہ ناز ہے مجھ کو
عقیدت ہے محمدؐ سے ، علیؑ سے ، آل حیدرؑ سے
میری فکر و نظر کو مل رہی ہے روشنی پیہم
مدینے سے ، نجف سے کربلا کی خاک اطہر سے

ڈاکٹر دھرمیندر ناتھ نے پہلا مرثیہ ۱۹۹۶ء میں کہا۔اس مرثیہ کا عنوان ''جہاد فی سبیل اللہ'' تھا۔مرثیہ حمد سے شروع ہوتا ہے۔''خلاق کائنات وہ ذات عظیم ہے۔'' ڈاکٹر سید عاشور کاظمی نے لکھا ہے:

لفظ ''کُن'' سے تخلیق کائنات کے بعد تخلیق آدمؑ ، وعدۂ الست ، سلسلۂ ہدایت ، کتاب کا نزول، ختمی مرتبت کی نبوت، جہاد، سیدہ کا جہاد، علی مرتضیٰ کا جہاد، اور پھر امام حسینؑ کا جہاد، ان کی شہادت، اہل حرم کی بے کسی اور مظلومیت، ان سارے موضوعات پر اپنے مرثیے ''جہاد فی سبیل اللہ'' میں عالمانہ انداز میں استدلال کیا ہے۔

سید عاشور کاظمی صاحب نے عنوانات کے ساتھ بند پیش کی ہیں۔ملاحظہ فرمایئے:

اک لفظ 'کن' سے ہو گیا آغاز کائنات
دو حرف کی ہے گونج یہ آواز کائنات
ہے عیاں بھی اور نہاں راز کائنات
در پردہ حمد نغمگیٔ ساز کائنات
تخلیق کائنات ہوئی اس کے نور سے
ہر ذرہ آفتاب ہے جس کے ظہور سے

اشرف المخلوقات قرار دینے پر استدلال:

کچھ کیجئے خیال یہ رتبہ ملا ہے کیوں
مخلوق میں شرف کا یہ درجہ ملا ہے کیوں
ان سے بندگی کا یہ رشتہ ملا ہے کیوں
دنیا میں زندگی کا سلیقہ ملا ہے کیوں
ذی عقل تا کہ فرق کریں نیک و بد میں ہم
تمیز دی ہمیشہ رہیں اپنی حد میں ہم

رسالت کا نزول اور اس کا جواز :

اہل دیں کے واسطے نازل ہوئی کتاب
دنیاو آخرت کے لیے ہے جو لاجواب
مرضی خداکی ہوگئی امت پہ بے نقاب
ہر لفظ جس کا معرفت حق کا ایک باب
آغاز جس کا ''با'' سے ہے انجام ''سین'' ہے
مطلب یہ تھا کہ بس یہی اللہ کا دین ہے

مزید:

شوق و جنون جنگ نہیں معنیٔ جہاد
مطلب نہیں ہے یہ کہ بپا شر ہو یا فساد
قصور نہیں گروہ کا، یا فرد کا مفاد
یعنی نہ اقتدار، نہ شہرت،نہ جائیداد

XXX

ڈاکٹردھرمیندرناتھ

نوٹ ۔ڈاکٹر دھرمیندر ناتھ کی تین کتابیں حال میں ایرانی کلچر سینٹر دہلی سے شائع ہوئیں ہیں
(۱) عزادارئی حسینؑ ایک آفاقی تحریک (۲) مجموعہ نعت، جسمیں چارسو ہندو شعراء کے کلام ہیں اور
(۳) انکا اپنا مجموع نعت، یہ سب قابل مطالع کتابیں ہیں

غمِ شبیرؑ میں احساں ان آنکھوں کا نہ بھولوں گا
انہیں سے لخت دل لختِ جگر باہر نکلتے ہیں
نظرآجاتی ہے بزم عزا سے راہ جنت کی
شہید کربلا کے غم میں جب روکر نکلتے ہیں
شریعت کے جواہر کا پتہ سن لو نظر بازو
یہ جوہر کربلا کی خاک کے اندر نکلتے ہیں
شہیدِ کربلا کی یاد رہ رہ کر ستاتی ہے
سراشکِ خونِ دل آنکھوں سے تھم تھم کر نکلتے ہیں

XXX

منصور پہ ہر طرح سے فایق ہیں حسینؑ
کیا بندے ہیں اللہ کے عاشق ہیں حسینؑ

کچھ بھی نہ کہا زبان سے کرنا کیا ہے
خود بیں نہیں وہ عاشقِ صادق ہیں حسینؑ

⌘⌘⌘

ہستیم بجان و دل سلامی حسینؑ
ہستیم فدائے نام نامیٔ حسینؑ
می بیں کہ چہاست نو رسینۂ ما
داریم بہ دل داغ غلامی حسینؑ

⌘⌘⌘

سلامی کربلا ہے اور میں ہوں
غمِ کرب و بلا ہے اور میں ہوں
کہا شہؑ نے نہیں کوئی رفیق اب
فقط ذاتِ خدا ہے اور میں ہوں
دیا ہے اپنا سر میں نے خوشی سے
قضا ہے یا رضا ہے اور میں ہوں
جو کچھ وعدہ کیا پورا کروں گا
یہ خنجر ہے گلا ہے اور میں ہوں

⌘⌘⌘

جوہر بلگرامی، شنکر سہائے

دل میں اب تک ہے غمِ شاہ شہیداں باقی
دردِ دل جائے تو کیوں کر نہیں درماں باقی

یہ وہی درد ہے جس سے کہ ہے ایماں باقی

ہیں شہادت کی بدولت ہی مسلماں باقی

شدتِ کفر سے بے راز تھا ایماں جس دم

حفظِ دیں کے لیے میداں کو بڑھے کس کے قدم

کون تھا جس پہ تھا ماحول کا مطلق نہ اثر

حق کے میداں سے قدم جس کے نہ اکھڑے جم کر

تشنہ لب پیتا رہا آب رضا کے ساغر

جز حسینؑ اور تھا کون ایسا جری و صفدر

XXX

حیات جاوداں

نتیجہ فکر عالیجناب ہزا کسلینسی مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر صدر اعظم حیدر آباد، دکن

فنا کہتے ہیں کس کو موت سے پہلے ہی مر جانا
بقا ہے نام کس کا اپنی ہستی سے گذر جانا

جو روکا راہ میں حر نے تو شہ عباس سے بولے
مرے بھائی نہ غصے میں کہیں حد سے گذر جانا

فنا میں تھا بقا کا مرتبہ حاصل شہیدوں کو
وہاں اس پر عمل تھا موت سے پہلے ہی مر جانا

کہا شہ نے بہن سے کام ہے امت کی بخشش کا
سرِ دربار میر شام بہنا ننگے سر جانا

دکھائی جنگ میں صورت ادھر جا پہونچی کوثر پر
یہ اصغر ہی کی تھی رفتار اِدھر آنا اُدھر جانا

یہاں کا زندہ رہنا موت سے بدتر سمجھتا ہوں
حیاتِ جاوداں ہے کربلا میں جا کے مر جانا

خیال اتنا رہے اے شادؔ برپا جب قیامت ہو

غمِ سبطِ نبیؐ میں پیشِ داور نوحہ گر جانا

XXX

قطعات

نانک چند سریواستو۔عشرتؔ،ایم۔اے،ایل۔ٹی،منشی فاضل۔گونڈہ

اگر ہو مصلحت تو راحت ہر دوجہاں لینا
پناہ و امَن کون و مکاں و لامکاں لینا
بلائیں جتنی بھی ہوں سب وہ نازل ہوں مگر یارب
نہ طرزِ کربلا سے پھر کِسی کا امتحاں لینا

⌘⌘⌘

تھے قہر مگر اذن و رضا کے طالب
جرأت پہ تھی آقا کے غلامی غالب
کیا لکھے کوئی مدح و ثنائے عباسؑ
ایمان نے ڈھونڈا تھا وفا کا قالب

⌘⌘⌘

دُکھوں کی کہانی غموں کی زبانی
کٹی صبر اور شکر میں زندگانی
حسینؑ اور زہراؑ کی توصیف کیا ہو
نہ ماں کا جواب اور نہ بیٹے کا ثانی

⌘⌘⌘

رباعی

(ازقلم: پنڈت ایشری پرشاد پنڈت دہلوی)

نکلیں جو غم شہ میں وہ آنسو اچھے
برہم ہوں جو اس غم میں وہ گیسو اچھے
رکھتے ہیں حسینؑ سے جو کاوش پنڈتؔ
ایسے تو مسلمانوں سے ہندو اچھے

''اسد'' حقائق ۱۳۵۴ھ

ꕤꕤꕤ

قطعہ

خونبار فلک بود زمیں اشک بداماں
بر تشنگی حال شہنشاہِ شہیداں
جب دھوپ کی شدت سے تھا عالم تہ و بالا
اُس وقت بھی میداں میں تھا وہ خسر و وِدوراں

ꕤꕤꕤ

قطعہ

بنارس لال ورما

اپنا کوئی مرتا ہے تو روتے ہو تڑپ کر
اور سبط پیغمبرؐ کا کبھی غم نہیں کرتے
ہمت ہو تو محشر میں پیمبر سے بھی کہنا
ہم زندۂ جاوید کا ماتم نہیں کرتے

قطعہ

چودھری پربھان شنکر سروش اناؤ

پے بہ پے رنج اُٹھانے سے نہ گھبرائے حسینؑ
صبر ایوبؑ نے بھی چوم لئے پائے حسینؑ
آج تک ہر رگِ افسانہ لہو دیتی ہے
سارے ماحول سے آتی ہے صدا ہائے حسینؑ

⌘⌘⌘

شاعر: وشوناتھ پرشاد ماتھر

بنے نظر کا ہیں مرکز رہ وفا کے لیے
یہ چند جلوئے ہیں مخصوص کربلا کے لیے
کبھی تھا صبر خلیلؑ اور آج صبر حسینؑ
وہ ابتدا کے لیے تھا یہ انتہا کے لیے
وہ حر تھا آہی گیا سایہ حسینی میں
ترس رہا تھا جو فردوس کی ہوا کے لیے
یہ کہہ کے پائے حسینی پہ رکھ دیا سر کو
بنی ہے حر کی جبیں تیری نقش پا کے لیے
یہ راز مشک سکینہ سے پوچھ لے کوئی
وہ رات کیوں ہوئی مخصوص کربلا کے لیے

علیؑ کو روضہ اگر دیکھتے ہیں اے ماتھر
ہمارے ہاتھ ہی اٹھ جاتے ہیں دعا کے لیے

ꕕ ꕕ ꕕ

رام بہاری لال

کربلا میں ایک بہانہ تھا حسینؑ ابن علی
لینے والے نے لیا تھا امتحان مصطفیؐ

ꕕ ꕕ ꕕ

گوہر پرساد نگرم ولایت گورکھپوری

خلد اس کی ہے خیابان اس کا کوثر اس کا ہے
جس کو الفت ہے ولایت آل پیغمبر کے ساتھ

ꕕ ꕕ ꕕ

منشی لکشمن نرائن سکھاؔ

نظر آجاتی ہے بزم عزاء سے راہ جنت کی
شہید کربلا کے غم میں جب روکر نکلتے ہیں

ꕕ ꕕ ꕕ

مہیندر کمار اشکؔ

آپ نے سمجھا مجھے سب کے ولی لکھا ہے
حر کے ماتھے پہ حسینؑ ابن علی لکھا ہے

ꕕ ꕕ ꕕ

پنجتنؑ سے پیار کرتی ہوں

ہندو شاعرہ دیوروپ کمار کا کلام

نثار مرتضیٰ ہوں ، پنجتنؑ سے پیا رکر تی ہوں
خزاں جس پہ نہ آئے ، اس چمن سے پیار کرتی ہوں
عقیدہ مذہب انسا نیت میں کب ضروری ہے
میں ہندو ہوں مگر اک بت شکن سے پیار کرتی ہوں

ꓫꓫꓫ

بے دین ہوں ، بے پیر ہوں
ہندو ہوں مگر قاتل شبیرؑ نہیں
حسینؑ اگر بھا رت میں اتا را جاتا
یوں چاند محمدؐ کا ، نہ ما را جاتا
نہ بازو قلم ہو تے ، نہ پا نی بند ہو تا
گنگا کے کنارے غازیؑ کا علم ہو تا
ہم پو جا کر تے اُس کی صبح و شام
ہندو بھا شا میں وہ بھگوان پکا را جا تا

ꓫꓫꓫ

اگر علی کی ولا یت کا اعتراف نہیں
خطا ئیں تیری حضور خدا معاف نہیں
یہ تن پہ جا مۂ احرام ، دل میں بغض علیؑ
تیرے نصیب کے چکر ہیں یہ طواف نہیں

ꓫꓫꓫ

اللہ سے اک حرف جلی ما نگ رہی ہوں
یزداں کی ولا یت سے ولی ما نگ رہی ہوں
لو کر دیا کو نین کا دیوالیہ میں نے
میں اس کے خزانے سے علیؑ ما نگ رہی ہوں

XXX

جناب بسوا ریڈی

تیری دنیا میں ہے خدا ئے حسینؑ
میر اکوئی نہیں سوائے حسینؑ
اب نظر میں کوئی نہیں چچتا
ایسے جلوئے مجھے دکھائے حسینؑ
میرا کیا ذکر میری ہستی کیا
انبیا ء کے بھی کام آئے حسینؑ
وقت کا اصل میں سلیماں ہے
صدق دل سے ہے جو گدائے حسینؑ
کوئی سمجھا ہے اور نہ سمجھے گا
ابتداء اور انتہا ئے حسینؑ
اس کو جینے کا کوئی حق ہی نہیں
جس کے دل میں نہیں ولائے حسینؑ
قید ہندو کی ہے نہ مسلم کی

دل پر درد میں ہے جائے حسینؑ
میں جو گنگا سے پہنچاکو ثر پر
دیکھ کر مجھ کو مسکرائے حسینؑ
گو میں ہندو ہوں لیکن اے بسواؔ
بخدا دل سے ہوں فدائے حسینؑ

XXX

سلام

غلام حسین جھنولال دلگیرؔ

اس کو مجرا جو یہ بولے غم سہا جا تا نہیں
دھیان بابا کا مجھے صبح و مسا جاتا نہیں
کہتی تھی صغرا وطن میں خط میں بھیجوں کس کے ہا تھ
کوئی قاصد بھی بسوئے کر بلا جاتا نہیں
کہتی تھی قاسمؑ کی ماں رو رو نجا قاسم نجا
سہرے اور جوڑے سے مرنے کو بنا جا تا نہیں
بولی زینب فوج آپہنچی اٹھو بیٹا اٹھو
بو لے عابد ناتواں سے اب اٹھا جا تا نہیں
کہتے تھے ظالم اٹھا ئے پا ؤں چل اۓ نا تواں
بو لے عابد کا نٹے چبھتے ہیں چلا جاتانہیں

جب کوئی کہتا تھا پا نی پی تو عا بد کہتے تھے
بابا پیا سے مر گئے پانی پیا جا تا نہیں
راہ خالق میں اٹھائی ہے جو لذت پیا س کی
آج تک اس پیاس کا منہ سے مزا جاتا نہیں
اس قدر رقت ہے اسے دلگیر مجھ کو اس گھڑی
آگے حال سبط پیغمبر کہا جاتا نہیں

XXX

مجر ئی لاش پسر شہ سے چھپا ئی نہ گئی
با نو کے رو برو کچھ بات بنائی نہ گئی
لشکر حر کو دیا پیا س میں پا نی شہ نے
تھا سخی ابن سخی آنکھ چرائی نہ گئی
جب سنا ما رے گئے بیٹے تو بو لی زینبؑ
شکر صد شکر کہ برباد کمائی نہ گئی
جن لعینوں نے محمدؐ کی زیا رت کی تھی
اس سے تلوار پھر اکبر پہ لگائی نہ گئی
مشک جب چھد کے بہا پانی تو بولے عبا سؑ
ایسی محنت پہ بھی قسمت کی برائی نہ گئی
ہوکے زخمی جو گرے گھو ڑے سے نیچے عباسؑ
شیر کے قبضے سے دریا کی ترائی نہ گئی
کوئی شبیرؑ سا مظلوم نہ ہو گا نہ ہوا

قبر بھی جس کی کئی روز بنائی نہ گئی
موئی زنداں میں سکینہ تو کہا با نو نے
ہائے ایذا میری بچی سے اٹھا ئی نہ گئی
علی اصغرؑ کے تلے شہ نے بچھائی چادر
خاک پرلا ش پسر شہ سے لٹائی نہ گئی
حاکم شام نے یہ شمر کو الزام دیا
مسند ختم رسل تجھ سے جلائی نہ گئی
سر کہین گاڑا گیا شاہ کا اور جسم کہیں
دفن ہو کر بھی تن و سر کی جدائی نہ گئی
اس قدر چور جراحت سے تھی لا ش عبا سؑ
وقت تلقین کے جو عابد سے ہلائی نہ گئی
جب چلے شاہ تو گھبرا گئی با نو ایسی
سو تے سے بالی سکینہ بھی جگائی نہ گئی
قتل سر ور کی خبر سن کے کہا عابد نے
باباکھو یا گیا پر جان گنوائی نہ گئی
زیر خنجر یہ دعا شاہ نے کی اے دلگیرؔ
مر تے دم شاہ کی طینت سے بھلائی نہ گئی

XXX

سلام

جناب محرلال سونی ضیا فتح آبادی

پیدا جو ہو تا ہے اس کو ایک دن مرنا بھی ہے
کا ر گاہ زندگی میں کام یہ کر نا بھی ہے

کوئی دنیا میں امر ہو کر نہیں رہتا مدام
عاقبت سے بے خبر ہو کر نہیں رہتا مدام

مو ت تو مقسوم ہے ہر ذی نفس کے واسطے
آندھیوں کی گر دشیں ہیں خاک وخس کے واسطے

اس فنا آبا د عالم کا یہی دستور ہے
کس قدر اولاد آدم بے بس و مجبور ہے

زندگی یہ ہو تو ہو جا تا ہے جینا بھی حرام
ہر تمنا خون دل ہر سعیٔ عشرت ناتمام

تو نے لیکن مو ت کو مر کر دیا رنگ حیات
آدمی کو بعد مر نے کے بھی ممکن ہے ثبات

دل میں پیدا جذبہ شوق شہا دت کر دیا
مو ت بھی ہے ہستی جا وید ثابت کر دیا

گر دش دوران میں ناحق زندگی سے پیا ر ہے
مقصد ہستی فقط ایثارہی ایثار ہے

موت کو بھی نا زتیری موت پر ہے اے حسینؑ
آج تک دنیا تیرے زیر اثر ہے ا ے حسینؑ

قطعات

جناب بنارسی لال صاحب ورمآ

یہ غلط ہے کہ مسلمان کے پیارے ہیں حسینؑ
ہر دکھے دل کے زمانے میں سہارے ہیں حسینؑ
اس نبی زادے کی قربانی تھی ایسی ورمآ
آج ہر شخص پکارے ہے ہمارے ہیں حسینؑ

XXX

لوگ اب عقل کے قائل ہیں نہ تدبیر کے ہیں
حر کی تقدیر کے یا پھر میری تقدیر کے ہیں
آگ دوزخ کی جلائے گی مجھے کیا ورمآ
میرے سینے پہ نشان ماتم شبیرؑ کے ہیں

XXX

سلام

پنڈت لبھو رام جوش ملیسانی

لو آگئے عباسؑ دلاور لب دریا
لو تیغ عدو رہ گئی کٹ کر لب دریا
کہتے تھے ہر ایک موج کے تیور لب دریا
طوفان اٹھائیں نہ ستمگر لب دریا
پانی بھی کسی کو نہ دیا اہل ستم نے
پیاسے تھے بہتر کے بہتر لب دریا

گر داب بھی اعدا سے یہ کہتے تھے بہ آواز
چلتا ہے یہ تقدیر کا چکر لب دریا
کیا تشنگی شوق شہادت تھی کہ عباس
پیاسے ہی پلٹ آئے پہنچ کر لب دریا
دشمن کی صفیں درہم برہم تھیں کچھ ایسی
شبیرؑ پہنچ جاتے تھے اکثر لب دریا
ایک سمت فقط چندنفوس اور وہ پیاسے
اک سمت ہزاروں کا یہ لشکر لب دریا
وہ سر د مزا جوں کے مظالم سر میداں
وہ گرمیٔ ہنگامۂ محشر لب دریا
مشکیزہ بے آب علم دار کی روداد
کچھ بر لب سو فار رہے کچھ بر لب دریا
کس دل سے سنے ان کی مصیبت کوئی اے جوش
پیاسے ہی جو مر جائیں تڑپ کر لب دریا

XXX

سلام

جناب حکیم لالہ لکشن داس صاحب اکبرآبادی

بنے ہیں راہ حق میں مٹنے والوں کے نشاں اب تک
کوئی دیکھے تو خاک کربلا ہے خونچکاں اب تک
جگر سے اٹھ رہا ہے یاد میں شہ کی دھواں اب تک
لہو برسا رہی ہے میری چشم خونفشاں اب تک

بہتر آدمی اور وہ نرالی شان کا لشکر
میری آنکھوں میں پھر تا ہے حسینی کا رواں اب تک
لیے تھے خواب مین ہونٹوں نے بوسے پائے سرور کے
زباں ہو نٹوں کے بو سے لیے رہی مہرباں اب تک
سنی ہے سننے والوں نے شہیدوں کے مزاروں پر
ہوا میں گو نجتی پھر تی ہے آواز اذا ں اب تک
مٹاہے کوئی بھی شبیر کی مانند مذہب پر
کسی نے کیں ہیں ایسی دہر میں قر با نیاں اب تک
کبھی ہندوستاں کو یا د فر مایا تھا سر ور نے
ادب سے یا د کر تا ہے انہیں ہندوستاں اب تک
گئے تھے کر بلا سے جو پہن کو حضرت عا بدؑ
سبق آزادیوں کو دیتی ہیں وہ بیڑیاں اب تک
ہوئیں وقت شہا دت جو خدا اور شاہ میں باتیں
کوئی سمجھا نہیں اے دس وہ راز نہاں اب تک

⌘⌘⌘

منابع و مآخذ

۱:۔ تجلیات فکر جوبلی نمبر انجمن پنجتنی آگرہ ۱۳۷۸ھ

۲:۔ رضا کار اربعین نمبر

۳:۔ رضا کار سید الشہداء نمبر

۴:۔ آئینہ قسمت 2009

۵:۔ سرفراز محرم نمبر ۱۳۷۴ھ/ ۱۳۷۷ھ/1954/ 1977/ 1979

۶:۔ ہفت روزہ اسد لاہور ۱۳۷۷ھ/1941/ 1983

۷:۔ الواعظ نمبر لکھنؤ 1938/ 1941/ 1983

۸:۔ امامیہ مشن متعدد مضامین

۹:۔ حقائق ۱۳۵۴ھ

۱۰:۔ العالم مرثیہ وسلام نمبر

۱۱:۔ الجواد بنارس ۱۴۲۱ھ

۱۲:۔ نقوش جمال جناب باوا کرشن مغموم

۱۳:۔ ”نور عقیدت“ مہاراج سنت درشن سنگھ

۱۴:۔ اصلاح لکھنؤ

ہماری مطبوعات

In the Name of God

List of Books

Published By: PAYAM E AMN (MESSAGE OF PEACE, INC.)
P.O. Box 390 * Bloomfield, NJ 07003 USA
E-mail:manzoorrizvi@aol.com, RizviHM@aol.com

No.	Title	Price
1.	Salaat 5th Edition	$3.00
2.	In Search of Truth	$3.00
3.	Guide Book Of Quran	$3.00
4.	Imamat & Khilafat	$3.00
5.	Story Book For Children	$3.00
6.	Bible's Preview of Muhammad	$2.00
7.	Elements of Islamic Studies	$5.00
8.	The Early History Of Islam	$10.00
9.	Hajj	$3.00
10.	The Justice Of God	$3.00
11.	Urdu Primer	$3.00
12.	Facts on the Quran/ Respect for Parents	$3.00
13.	Wahabis Fitna Exposed	$3.00
14.	Shias are the Ahle sunnat	$10.00
15.	Then I was Guided	$7.00
16.	Imam Ali-Man of All Era	$5.00
17.	The Straight Path	$5.00
18.	The Secret Martyrdom	$10.00
19.	Text Book of Shia Islam (Paperback) Text Book of Shia Islam (Hard Cover) (Available Through Amazon.com, BN.com and Local Book Stores)	$13.00 $23.00
20.	Kashkaule New Jersey (Urdu)	$15.00
21.	Izhare Haq (Urdu)	$10.00
22.	Zare Khalis (Urdu Poetry)	$5.00
23.	Sea of Tranquility	$10.00
24.	Muharram	$5.00
25.	Book Of Ziyaraat Vo. I	$10.00
26.	Book Of Ziyaraat Vo. II	$10.00
27.	The Perpetual Truth	$10.00
28.	The Pearl of Wisdom	$5.00
29.	Inke Shifaat (Urdu)	$10.00
30.	Imamia Book of Religious Knowledge	$2.00
31.	The Brahim Conspiracy For KG By Dr Chattergi	$2.00
32.	Humphrey's Diary	$3.00
33.	kashkaule New Jersey #2 (Janabe Zainab sa)	$25.00
34	Unique Sacrifice Of Imam Husain (as)	$15.00
35.	The Sunshine Book	$20.00
36.	The Early History of Islam For Youth	$5.00
37.	Tohfa (Translation of Tohfatul Awam)	$20.00
38.	Ain-e- Haq-Numa (Urdu)	
39.	English Translation Of Wazeful Abrar	